

حالاتِ زندگی

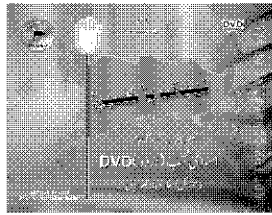
اصحابِ امیر المومنین
حضرت علیؑ

.....تالیف.....

علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

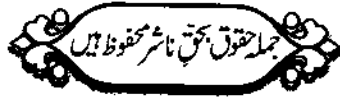
www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

Presented by Ziaaraat.Com

www.ziaaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL



نام کتاب : حالات زندگی اصحاب امیر المومنین حضرت علیؑ

تالیف : علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

سال اشاعت : ۲۰۱۴ء

تعداد : ایک ہزار

کمپوزنگ : ریحان احمد

قیمت : ۸۰۰ روپے

ناشر : محنت میموریل فاؤنڈیشن

فلٹ نمبر 102، مصطفیٰ آرکیڈ،

سندھی مسلم کواپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی،

کراچی، فون: 02134306686

website: www.allamazameerakhtar.com

----- { کتاب ملنے کا پتہ } -----

MUSTAFA ARCADE
Flat #102, Plot 119-A
S.M.C.H.S, KARACHI
PAKISTAN
Ph# 02134306686

IMAM BARGAH
DUA-E-ZEHRA
2 Lorne Road
NN 1 3RN U.K.
Ph# 07989344151

Community News & Views
11 Amesbury Court
Robbinsville N.J. 08691
U.S.A Ph# 0018093360015

H.NO.22-3-145,
DarabJang Lane,
Yakutpura,
Hyderabad A.P. INDIA
Ph# 009180998247402

6 Edwards Mews
Islington
London N1 1SG
Ph# 00447958344614
00442072269057

Abbas Book Agency
Rustam Nagar
Dargah Hz. Abbas
Lucknow-3 U.P.
INDIA
Ph# 00919369444864

Alamdar Book Depot
Imam Bargah
Shuhda-e-Karbala
Ancholi Society
Karachi
Ph# 02136804345

Iftikhar Book Depot
43-Main Bazar
Islampura,
Lahore
Ph# 042-37223686

Ahmed Book Depot
Phatak Imam Bargah
Shah-e-Karbala
Rizvia Society
Karachi

فہرست

شمار	صفحہ نمبر
۱۔ پیش لفظ	۲۳
۲۔ مجلس بعنوان حضرت قنبر	۲۷
۳۔ مجلس بعنوان بیستم تمار	۴۸
۴۔ مجلس بعنوان مالک اشتر	۷۰
۵۔ حضرت رسالتاب کے وہ جلیل القدر اصحاب جنہوں نے	
امیر المومنین کی معیت میں صفین میں جنگ کی	۸۷

مُحَمَّد بن عَدِي الكِنْدِي

﴿صفحہ نمبر۔۔ ۹۷﴾

۱۔ اسلام	۹۸
۲۔ مُحَمَّد بن عَدِي کی اسلامی عظمت	۹۸
۳۔ مُحَمَّد بن عَدِي کے بارے میں امام حسین کا ارشاد	۱۰۰
۴۔ روایت حدیث	۱۰۱
۵۔ جنگی خدمات	۱۰۲
۶۔ عہد امیر المومنین	۱۰۳
۷۔ جنگ صفین	۱۰۴
۸۔ جنگ بدم	۱۰۶

- ۹۔ عہد امام حسن ----- ۱۰۷
- ۱۰۔ خلفائے ثلاثہ کے بارے میں حجر بن عدی کے خیالات - ۱۰۷
- ۱۱۔ حجر بن عدی اور اموی دور حکومت ----- ۱۰۹
- ۱۲۔ زیاد کا تقرر ----- ۱۱۴
- ۱۳۔ حجر بن عدی کی گرفتاری ----- ۱۱۶
- ۱۴۔ محمد بن اشعث کی طلبی ----- ۱۲۲
- ۱۵۔ قیس بن یزید کی گرفتاری ----- ۱۲۳
- ۱۶۔ حجر بن عدی اور زیاد کا مکالمہ ----- ۱۲۴
- ۱۷۔ زیاد کے روبرو حجر کا اعلان بیعت ----- ۱۲۵
- ۱۸۔ اصحاب حجر کی گرفتاری ----- ۱۲۶
- ۱۹۔ عدی بن حاتم ----- ۱۲۷
- ۲۰۔ حجر بن عدی کے خلاف شہادتیں ----- ۱۲۸
- ۲۱۔ ایک دلچسپ لطیفہ ----- ۱۳۰
- ۲۲۔ مصنوعی شہادتیں ----- ۱۳۰
- ۲۳۔ حجر اور ان کے اصحاب کی دمشق کو روانگی ----- ۱۳۱
- ۲۴۔ شریح بن ہانی کا خط لے کر پہنچنا ----- ۱۳۲
- ۲۵۔ معاویہ کا خط زیاد کے نام ----- ۱۳۴
- ۲۶۔ یزید بن جلیہ تمیمی کی زبانی حجر کا پیغام ----- ۱۳۵
- ۲۷۔ حجر بن عدی کا آخری اتمام حجت ----- ۱۳۶
- ۲۸۔ اصحاب حجر کی سفارشات ----- ۱۳۶

- ۲۹۔ مالک بن ہبیرہ کی حجر کے بارے میں معاویہ سے گفتگو۔ ۱۳۷
- ۳۰۔ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی قسمت کا آخری فیصلہ ۱۳۸
- ۳۱۔ حجر کی آخری نماز اور شہادت ----- ۱۳۹
- ۳۲۔ اصحاب حجر ----- ۱۴۱
- ۳۳۔ مالک بن ہبیرہ سکونی کا واقعہ ----- ۱۴۱
- ۳۴۔ مقبرہ ----- ۱۴۳
- ۳۵۔ اولاد ----- ۱۴۳
- ۳۶۔ حجر بن عدی کے قتل کی پیشین گوئیاں زبانِ رسول سے۔۔ ۱۴۳
- ۳۷۔ قاتل کی پشیمانی ----- ۱۴۴
- ۳۸۔ حجر بن عدی کے قتل پر اجلہ اصحاب کے تاثرات ----- ۱۴۴
- ۳۹۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ ----- ۱۴۹
- ۴۰۔ عبداللہ بن عمر ----- ۱۵۲
- ۴۱۔ حسن بصری ----- ۱۵۲
- ۴۲۔ ربیع بن زیاد حارثی ----- ۱۵۳
- ۴۳۔ عام مسلمانوں کے تاثرات ----- ۱۵۴
- ۴۴۔ حجر بن عدی کے قتل پر ایک نظر ----- ۱۵۴
- ۴۵۔ حجر بن عدی کی شہادت پر مرثیے ----- ۱۶۱
- ۴۶۔ مرثیہ (عبداللہ بن خلیفہ) ----- ۱۶۲

عمرو بن الحمق الخزاعی

﴿صفحہ نمبر ۱۷۱﴾

۱۔ نام و نسب ----- ۱۷۱

- ۱۔ صحابیت ----- ۱۷۱
 ۳۔ روایت حدیث ----- ۱۷۲
 ۴۔ عمرو بن الحمق کی سیاسی زندگی ----- ۱۷۳
 ۵۔ عہد امیر المومنینؑ ----- ۱۷۴
 ۶۔ مقبرہ ----- ۱۷۹

شرح بن ہانی

﴿صفحہ نمبر ۱۸۰﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۱۸۰
 ۲۔ صحابیت ----- ۱۸۱
 ۳۔ علم و فضل ----- ۱۸۳
 ۴۔ شرح کے جنگی کارنامے ----- ۱۸۵
 ۵۔ جنگِ جمل ----- ۱۸۵
 ۶۔ جنگِ صفین ----- ۱۸۵
 ۷۔ امیر المومنینؑ کی وصیت شرح بن ہانی کو ----- ۱۸۷
 ۸۔ واقعہ تحکیم ----- ۱۸۸
 ۹۔ شرح اور عمرو العاص ----- ۱۸۸
 ۱۰۔ شرح کی وصیت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ----- ۱۸۹
 ۱۱۔ ابو مریم سعدی ----- ۱۹۲
 ۱۲۔ حجر بن عدی اور شرح بن ہانی ----- ۱۹۲
 ۱۳۔ غزوہٴ ہجستان ----- ۱۹۳

۱۴۔ شہادت ۱۹۴

۱۵۔ اولاد ۱۹۵

ابوعاصم رفاعہ بن شداد البجلی

﴿صفحہ نمبر ۱۹۶﴾

۱۔ نام و نسب ۱۹۶

۲۔ روایت حدیث ۱۹۶

۳۔ رفاعہ کی سیاسی زندگی ۱۹۷

۴۔ جنگِ عین الوردہ ۱۹۹

۵۔ عبداللہ بن دال کی شہادت ۲۰۰

۶۔ رفاعہ کی قیادت لشکر ۲۰۰

۷۔ عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت ۲۰۱

۸۔ سعد بن حذیفہ کی روانگی ۲۰۲

۹۔ رفاعہ اور مختار ۲۰۲

۱۰۔ رفاعہ کی مختار سے علیحدگی ۲۰۳

﴿صیفی بن فہیل شیبانی ۲۰۶﴾

﴿عبدالرحمن بن حسان عنزی ۲۱۲﴾

﴿قبیصہ بن ضبیعہ عبسی ۲۱۶﴾

﴿عاصم بن عوف بخلی ۲۲۰﴾

﴿سعید بن نمران الہمدانی الناعلی ۲۲۱﴾

- ﴿ربیعہ بن ناجد ازدی﴾ ----- ۲۲۳
- ﴿عبدالرحمن بن محرز الکندی لطمی﴾ ----- ۲۲۴
- ﴿عبیدہ بن عمرو بدی﴾ ----- ۲۲۵
- ﴿ارقم بن عبداللہ الکندی﴾ ----- ۲۲۶
- ﴿ورقاء بن ستمی السجلی﴾ ----- ۲۲۶

صعصعہ بن صوحان العبدي

﴿صفحہ نمبر ۲۲۷﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۲۲۷
- ۲۔ اسلام ----- ۲۲۷
- ۳۔ علم و فضل ----- ۲۲۷
- ۴۔ صعصعہ اور حضرت عمر ----- ۲۲۹
- ۵۔ عبد عثمانی ----- ۲۳۰
- ۶۔ صعصعہ اور سعید بن العاص ----- ۲۳۲
- ۷۔ صعصعہ اور امیر معاویہ کے مکالمے ----- ۲۳۵
- ۸۔ عبد امیر المومنین ----- ۲۴۰
- ۹۔ صعصعہ دربار معاویہ میں ----- ۲۴۳
- ۱۰۔ صعصعہ کا خط عقیل بن ابی طالب کے نام ----- ۲۴۶
- ۱۱۔ صعصعہ اور معاویہ ----- ۲۴۸
- ۱۲۔ صعصعہ کی حاضر جوابی ----- ۲۵۲

- ۱۳۔ معصہ کے آثارِ علمیہ ----- ۲۵۸
 ۱۴۔ معصہ کا ایک تاریخی خطبہ ----- ۲۶۱
 ۱۵۔ معصہ اور کلام امیر المومنین ----- ۲۶۳
 ۱۶۔ وفات ----- ۲۶۵
 ۱۷۔ معصہ کے کردار پر ایک نظر ----- ۲۶۶
 ۱۸۔ معصہ اور مؤرخین اسلام ----- ۲۷۰

ابو الطفیل عامر بن واثلہ الکنانی

﴿صفحہ نمبر ۲۷۲﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۲۷۲
 ۲۔ صحابیت ----- ۲۷۲
 ۳۔ اقوال علماء ----- ۲۷۴
 ۴۔ روایت حدیث ----- ۲۷۵
 ۵۔ ابو الطفیل کا تشیع ----- ۲۷۶
 ۶۔ ابو الطفیل اور معاویہ کا ایک دلچسپ مکالمہ ----- ۲۷۷
 ۷۔ ابو الطفیل کی سیاسی زندگی ----- ۲۷۸
 ۸۔ عبداللہ بن زبیر پر ابو الطفیل کے اشعار ----- ۲۸۰
 ۹۔ ابن الاشعث اور ابو الطفیل ----- ۲۸۲
 ۱۰۔ طفیل بن عامر کی شہادت ----- ۲۸۴
 ۱۱۔ شاعری ----- ۲۸۶
 ۱۲۔ آثارِ علمیہ ----- ۲۸۸
 ۱۳۔ وفات ----- ۲۹۰

الحارث بن عبد اللہ الاعور الہمدانی

﴿صفحہ نمبر ۲۹۲﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۲۹۲
- ۲۔ علم و فضل ----- ۲۹۲
- ۳۔ حارث اعور بحیثیت راوی حدیث ----- ۲۹۴
- ۴۔ عام حالات ----- ۲۹۴
- ۵۔ حارث اعور کے بارے میں رجالیین اہلسنت کی رائیں ۲۹۵
- ۶۔ حارث اعور اور کلام علی کی جمع و تدوین ----- ۲۹۹
- ۷۔ حارث اعور کی مرویات ----- ۳۰۰
- ۸۔ وفات ----- ۳۰۲
- ۹۔ امیر المومنین کا مکتوب گرامی حارث اعور کے نام ----- ۳۰۳

عبد اللہ بن شداد بن الہاد اللیشی

﴿صفحہ نمبر ۳۰۶﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۳۰۶
- ۲۔ علم و فضل ----- ۳۰۷
- ۳۔ عام حالات ----- ۳۰۸
- ۴۔ عبد اللہ بن شداد کی وصیت اپنے بیٹے کو ----- ۳۱۳
- ۵۔ وفات ----- ۳۲۰

زید بن صوحان العبدي

﴿صفحہ نمبر ۳۲۲﴾

- ۱۔ اسلام ----- ۳۲۲
- ۲۔ فضائل ----- ۳۲۴
- ۳۔ جنت کی بشارت ----- ۳۲۵
- ۴۔ عام حالات ----- ۳۲۶
- ۵۔ جمل ----- ۳۲۹
- ۶۔ شہادت ----- ۳۳۲
- ۷۔ زید کے حق میں اُمّ المومنین عائشہ کے کلمات خیر ----- ۳۳۲

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ الانصاری

﴿صفحہ نمبر ۳۳۴﴾

- ۱۔ نام و نسب ----- ۳۳۴
- ۲۔ علم و فضل ----- ۳۳۴
- ۳۔ حفظ حدیث میں اہتمام ----- ۳۳۶
- ۴۔ تلامذہ ----- ۳۳۶
- ۵۔ زہد و تقویٰ ----- ۳۳۷
- ۶۔ جنگی کارنامے ----- ۳۳۸
- ۷۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور حجاج بن یوسف ----- ۳۳۸

عبیدۃ المسلمانی المراوی

﴿صفحہ نمبر ۳۴۲﴾

- ۱۔ اسلام ----- ۳۴۲
- ۲۔ علم و فضل ----- ۳۴۳
- ۳۔ عام حالات ----- ۳۴۵
- ۴۔ زہد و تقویٰ ----- ۳۴۶
- ۵۔ محبت رسول ----- ۳۴۷
- ۶۔ عقیدہ رجعت ----- ۳۴۷
- ۷۔ وفات ----- ۳۴۷
- ﴿ضرار بن ضمرة الضبائی ----- ۳۴۹﴾

جنابِ قبر

﴿صفحہ نمبر ۳۵۲﴾

- ۱۔ حضرت علیؑ کے با و فاعلام قبر ----- ۳۵۳
- ۲۔ قبر کی معماری ----- ۳۵۶
- ۳۔ محافظت حضرت علیؑ اور قبر ----- ۳۵۸
- ۴۔ حضرت علیؑ کے فیصلے اور قبر ----- ۳۶۱
- ۵۔ حضرت علیؑ کی قبر پر خصوصی توجہ ----- ۳۶۳
- ۶۔ بزرگی اور دانش مندی قبر کے لائق ہے ----- ۳۶۵
- ۷۔ قبر عادل تھے ----- ۳۶۶

- ۴۔ جنگ لیلۃ البریر ----- ۴۲۰
- ۵۔ مکارم اخلاق جناب مالک اشتر ----- ۴۲۲
- ۶۔ دور حکومت امیر المومنین میں مالک اشتر کی خدمات ----- ۴۲۳
- ۷۔ جناب مالک اشتر کی ادبی خدمات ----- ۴۲۶
- ۸۔ احتجاجات مالک اشتر ----- ۴۲۸
- ۹۔ شہادت مالک اشتر ----- ۴۲۸
- ۱۰۔ شہادت اشتر پر حضرت امیر کا رنج و غم ----- ۴۳۰
- ۱۱۔ قصیدہ جناب مالک اشتر (جناب محمد اطہر زار سینا پوری) ----- ۴۳۲
- ۱۲۔ مشکل کشا کا دست و بازو (قاسم شبیر نصیر آبادی) ----- ۴۳۳
- ۱۳۔ سب میں ممتاز ہو مالک اشتر کا شرف (ضامن اثر جاسی) ----- ۴۳۴

جناب رشید ہجری

﴿صفحہ نمبر ۴۳۶﴾

- ۱۔ رشید ہجری کے حالات زندگی ----- ۴۳۹

جناب میثم تمار

﴿صفحہ نمبر ۴۴۹﴾

- ۱۔ جناب میثم تمار ----- ۴۵۴
- ۲۔ میثم تمار کا قوم و قبیلہ اور ان کا وطن ----- ۴۵۵
- ۳۔ میثم تمار نہروان سے کوفہ آئے ----- ۴۵۶

- ۴۔ میثم تمار کی طینت میں اسلام تھا ----- ۴۵۷
- ۵۔ میثم تمار عجی ایرانی تھے ----- ۴۵۸
- ۶۔ حضرت علیؑ کے مخلص اصحاب و انصار ----- ۴۵۸
- ۷۔ میثم تمار پر حضرت علیؑ کے اخلاقیات کے اثرات ----- ۴۶۰
- ۸۔ میثم تمار کا تذکرہ بزم رسالت میں ----- ۴۶۳
- ۹۔ میثم تمار نے حضرت علیؑ سے اکتسابِ علم کیا ----- ۴۶۵
- ۱۰۔ میثم تمار اور معرفتِ اہل بیت ----- ۴۶۸
- ۱۱۔ میثم تمار حضرت علیؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے ----- ۴۶۹
- ۱۲۔ میثم تمار کا علم ----- ۴۷۰
- ۱۳۔ حضرت علیؑ نے علم النبیاء و البلایاء میثم تمار کو عطا کر دیا ----- ۴۷۰
- ۱۴۔ میثم تمار کو حضرت علیؑ نے علم تاویل بھی عطا کیا ----- ۴۷۴
- ۱۵۔ میثم تمار مخفی علوم کے امانت دار تھے ----- ۴۷۷
- ۱۶۔ میثم تمار صاحب بصیرت تھے ----- ۴۸۰
- ۱۷۔ میثم تمار کا عقیدہ اور ایمان ----- ۴۸۱
- ۱۸۔ میثم تمار ولایتِ علیؑ میں کامل تھے ----- ۴۸۳
- ۱۹۔ فرمانِ مولا علیؑ پر میثم تمار کا یقین کامل تھا ----- ۴۸۵
- ۲۰۔ میثم تمار از بدروزہ دار و عبادت گزار تھے ----- ۴۸۷
- ۲۱۔ میثم تمار کی فصاحت و بلاغت ----- ۴۸۸
- ۲۲۔ میثم تمار حق کی طرف بلارہے تھے ----- ۴۸۹
- ۲۳۔ میثم تمار نے ابن زیاد کو ذلیل کر دیا ----- ۴۹۰

جناب کمیل بن زیاد

﴿صفحہ نمبر ۵۲۷﴾

- ۱۔ کمیل کی ولادت ----- ۵۲۹
- ۲۔ نام و نسب ----- ۵۳۱
- ۳۔ کمیل کی سیرت و کردار ----- ۵۳۶
- ۴۔ منصب حکومت ----- ۵۴۰
- ۵۔ حفاظتی امور کی اہمیت ----- ۵۴۲
- ۶۔ دانش و حکمت کے جواہر پارے ----- ۵۴۷
- ۷۔ ثقلین ----- ۵۵۵
- ۸۔ کمیل کی شہادت ----- ۵۵۸
- ۹۔ کمیل کا مدفن ----- ۵۵۹
- ۱۰۔ کمیل بن زیاد نخعی ----- ۵۶۰

محمد بن ابی بکر

﴿صفحہ نمبر ۵۶۳﴾

- ۱۔ محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ ----- ۵۶۶
- ۲۔ فضائل ----- ۵۶۷
- ۳۔ زہد و تقویٰ ----- ۵۶۸
- ۴۔ محمد بن ابی بکر اور خلیفہ سوئم ----- ۵۶۹
- ۵۔ شجاعت محمد بن ابی بکر ----- ۵۷۳

- ۶۔ زمانہ خلافت حضرت علیؑ میں محمد بن ابی بکر کی خدمات --- ۵۷۴
 ۷۔ محمد بن ابی بکر کی شہادت --- ۵۷۵
 ۸۔ شہادت محمد بن ابی بکر پر حضرت امیر کا رنج و غم --- ۵۷۷
 ۹۔ شہادت محمد بن ابی بکر پر ائمہ المومنین کا رنج و غم --- ۵۷۸
 ۱۰۔ جناب محمد بن ابی بکر (شاعرہ ملت۔ باتوسید پوری) --- ۵۷۹

سلمان فارسی

﴿صفحہ نمبر ۵۸۱﴾

- ۱۔ قصیدہ جناب سلمان فارسی (رزم ردولوی) --- ۵۸۶

حضرت مقداد

﴿صفحہ نمبر ۵۸۸﴾

- ۱۔ مقداد کے فضائل --- ۶۰۴
 ۲۔ وہ روایتیں جو مقداد سے نقل ہیں --- ۶۰۹
 ۳۔ مقداد علیؑ کے شیعہ تھے --- ۶۱۲
 ۴۔ اجر رسالت اور مقداد --- ۶۱۳
 ۵۔ سیفہ اور مقداد --- ۶۱۳
 ۶۔ حضرت علیؑ کے قتل کی سازش اور مقداد --- ۶۲۰
 ۷۔ مقداد، رسول اللہ کی نظر میں --- ۶۲۳
 ۸۔ مقداد کی زندگی کے آخری لمحے --- ۶۲۳
 ۹۔ قصیدہ بیاد حضرت مقداد (علامہ مانی جاسی) --- ۶۲۴

- ﴿﴾ جناب عدی بن حاتم ۶۲۶
- ﴿﴾ سعید بن قیس ہمدانی ۶۲۸
- ﴿﴾ جناب بدیل خزاعی ۶۳۱
- ﴿﴾ جناب اویس قرنی ۶۳۲
- ۱۔ قصیدہ جناب اویس قرنی (مجم آفندی) ۶۳۵
- ﴿﴾ جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری ۶۳۶
- ﴿﴾ حضرت ابوالیوب انصاری ۶۳۹
- ﴿﴾ سلیم بن قیس الہلالی ۶۴۲

جناب عبد اللہ بن عباس

﴿صفحہ نمبر ۶۴۶﴾

- ۱۔ ولادت ۶۴۷
- ۲۔ ابتدائی تاثرات ۶۴۸
- ۳۔ تبحر علمی ۶۴۹
- ۴۔ جناب ابن عباس کے اعتراضات ۶۵۱
- ۵۔ جناب ابن عباس کے مجاہدات ۶۵۱
- ۶۔ فقہی مسلک ۶۵۲
- ۷۔ بیعت یزید سے انحراف ۶۵۳
- ۸۔ جرأتِ اظہار کا آخری کارنامہ ۶۵۳
- ۹۔ وفات ۶۵۶

جناب قیس بن سعد انصاری

﴿صفحہ نمبر ۶۵۸﴾

- ۱۔ قیس کا فضل و شرف ----- ۶۵۸
- ۲۔ قیس کی افسری ----- ۳۵۹
- ۳۔ قیس کی زیر کی ودائاتی ----- ۶۶۲
- ۴۔ قیس کی جوانمردی ----- ۶۶۳
- ۵۔ قیس بن سعد کا جود و سخا ----- ۶۷۳
- ۶۔ قیس کی خطابت ----- ۶۷۷
- ۷۔ قیس کی جلالت و عظمت ----- ۶۷۷
- ۸۔ قیس بن سعد اور معاویہ جنگ صفین سے پہلے ----- ۶۸۰
- ۹۔ قیس اور معاویہ میں صلح ----- ۶۸۸
- ۱۰۔ قیس اور معاویہ صلح کے بعد ----- ۶۹۱
- ۱۱۔ قیس اور معاویہ مدینے میں ----- ۶۹۲
- ۱۲۔ قیس کا قد و قامت ----- ۶۹۵
- ۱۳۔ قیس کی وفات ----- ۷۹۷
- ۱۴۔ قصیدہ جناب قیس ہمدانی (قیس زنگی پوری) ----- ۶۹۸

جناب ابوذر غفاری

﴿صفحہ نمبر ۷۰۰﴾

- ۱۔ قصیدہ جناب ابوذر غفاری (جناب شوق بہر اپچی) ----- ۷۱۱

حضرت ابوالاسود دؤلی

﴿صفحہ نمبر ۷۱۲﴾

۱۔ علم و ادب پر آپ کے احسانات ----- ۷۱۷

جناب عمارؓ یا سر

﴿صفحہ نمبر ۷۲۸﴾

۱۔ عمار بن یاسر ----- ۷۳۰

۲۔ قصیدہ جناب عمارؓ یا سر (علامہ سید ضمیر اختر نقوی) ----- ۷۶۷

۲۔ قصیدہ جناب عمارؓ یا سر (باقراۃ خانی) ----- ۷۶۹

حذیفہ بنت حلیمہ سعدیہ

امیر المومنین حضرت علیؓ کے کمالات کی ایک شیدائی

﴿صفحہ نمبر ۷۷۸﴾

۱۔ نسبی و ادبی اصول ----- ۷۷۸

۲۔ حذیفہ کے نام میں تحفیف ----- ۷۸۰

۳۔ حذیفہ اپنی تقریر کے آئینے میں ----- ۷۸۱

۴۔ قتل کی دھمکی ----- ۷۸۲

۵۔ استدلال و منطق و حاضر جوابی ----- ۷۸۳

۶۔ حذیفہ کے استنباط کی بنیاد ----- ۷۸۵

صحابیات امیر المومنینؓ

﴿صفحہ نمبر ۷۸۷﴾

۱۔ زرقاء بنت عدی ----- ۷۸۷

- ۲- اُمّ الخیر بارقیہ ----- ۷۹۰
- ۳- سودہ بنت عمارہ ----- ۷۹۵
- ۴- اُمّ البراء بنت صفوان ----- ۸۰۰
- ۵- یکارۃ الہلالیہ ----- ۸۰۲
- ۶- اروی بنت الحارث ----- ۸۰۵
- ۷- عکرشہ بنت الاطرش ----- ۸۱۲
- ۸- دارمیہ حجویہ ----- ۸۱۴
- ۱- کنانہ بن بشر بن عتبہ نجیبی ----- ۸۱۷
- ۲- اعین بن ضبیحہ مجاشعی ----- ۸۱۸
- ۳- شریک بن شداد حضرمی ----- ۸۱۹
- ۴- محرز بن شہاب سعدی ----- ۸۲۰
- ۵- عبدالرحمان بن حسان عشیری ----- ۸۲۰
- ۶- جویریہ ابن مسہر عبدی ----- ۸۲۳
- ۷- مرزوع ----- ۸۲۶
- ۸- خالد بن مسعود ----- ۸۲۷
- ۹- محمد بن اکثم ----- ۸۲۸
- ۱۰- عبداللہ بن عفیف ازدی ----- ۸۲۹
- ۱۱- ہمدان غلام حضرت امیر المومنین ----- ۸۳۲



پیش لفظ

ادارۂ علوم اسلامیہ کی جانب سے اصحاب امیر المومنین علیؑ حضرت علی ابن ابی طالب علیؑ کے حالات زندگی اور ان کی دینی خدمت افراد قوم کے مطالعے کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

اصحاب علیؑ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ حضرت رسول خدا کے پردہ فرمانے کے بعد زمانے کے مظالم کی پروانہ کرتے ہوئے انھوں نے محبت علیؑ پر قائم رہنے کی قسم کھائی اور ایک لمحے کے لئے بھی موذت میں شرک نہیں کیا۔

مناظرے بھی فتح کئے، علمی خدمات بھی انجام دیتے رہے، جمل، صفین اور نہروان میں تلوار کے جوہر بھی دکھائے، مولا علیؑ کے پیغام کو ہر حال پہنچاتے رہے، ان کی کاوشوں سے دین حق آج بھی باقی ہے، قربانیاں آج بھی پیش کی جا رہی ہیں، شہادتیں آج بھی محبت علیؑ میں روزانہ ہو رہی ہیں، پاکستان کا چہہ چہہ محبت علیؑ کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے، دنیا کے بین الاقوامی حقوق انسانی کے بڑے بڑے ادارے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

دنیا کے کئی ممالک محبت علیؑ کا لبوہانے کے لئے اپنی دولت پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔

ماضی میں علیؑ والوں کو کس طرح شہید کرتے تھے چند مناظر دیکھئے۔۔۔۔!

عبداللہ بن خباب بن الارت حضرت علیؑ کے صحابی تھے، نہروان کے خارجی جنگ نہروان کے لئے روانہ ہو چکے تھے خارجیوں کا لشکر ایک نخلستان اور چشمے پر پہنچا۔ خارجیوں نے دیکھا عبداللہ بن خباب گلے میں قرآن حائل کئے ہوئے

گھوڑے پر سوار جارہے ہیں، اُن کے بچے بھی ساتھ ہیں اور بیوی بھی ساتھ ہیں، عبد اللہ بن خُباب کی بیوی حاملہ ہیں بطن میں بچہ ہے۔ خارجیوں نے عبد اللہ بن خُباب سے پوچھا تحکیم کے بعد علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو، عبد اللہ بن خُباب صحابی علیؑ نے کہا کہ علیؑ سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی علم تو حید نہیں جانتا، اللہ کے بارے میں وہ سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

”خارجیوں نے کہا یہ قرآن جو تیرے گلے میں لٹکا ہے یہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم تجھے قتل کر دیں، خارجیوں نے پہلے عبد اللہ بن خُباب کی بیوی کا پیٹ چاک کیا اور تلوار کی نوک سے بچہ پیٹ سے نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بیوی کو قتل کر کے قافلے کی تمام عورتوں کو مار ڈالا پھر بچوں کو ذبح کیا پھر عبد اللہ ابن خُباب کو چٹھے کے کنارے لا کر لٹایا اور جانور کی طرح اُن کا گلا کاٹا، نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جہاں ان شہیدوں کا لہو بہہ رہا تھا وہاں باغ کی کھجوریں پھیلی پڑی تھیں، خارجیوں نے خون میں پڑی کھجوریں چُن چُن کر کھائیں، سامنے سے ایک خنزیر (سور) آگیا ایک خارجی نے اُسے مار ڈالا تو دوسرے نے کہا تم نے خنزیر کو مار کر زمین پر فساد پھیلایا ہے، اُسے نہیں مارنا تھا۔

دوسرا منظر دیکھئے:-

عمر و بن حُتم صحابی رسولؐ اور صحابی علیؑ تھے، ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کو پانی پلایا تو آپؐ نے اُن کے لئے دعا کی خدا یا اس کی جوانی کو برقرار رکھ، ۸۰ سال کی زندگی ملی لیکن سر اور ڈاڑھی کا ایک بھی بال سفید نہیں ہوا تھا۔

زیادہ نہایت بے دردی سے انھیں قتل کیا اور اُن کا سر نیزے پر بلند کر کے کوفے سے شام بھیجا گیا یہ پہلا سر ہے اسلام میں جو نیزے پر بلند کیا گیا۔ امام حسینؑ نے حاکم شام کو بہت سخت خط لکھا کہ تُو نے صحابی رسولؐ کو بے دردی سے

شہید کیا اور متقی و صالح اللہ کے نیک بندے کا سر نیزے پر بلند کیا، اللہ تیری گھات میں ہے۔ عمرو بن لُحَمَق کی زوجہ معاویہ کے قید خانے میں قید تھی، شوہر کا سر قید خانے میں بھیجا گیا، زوجہ نے سر کو دیکھا تو سکتہ ہو گیا، ہوش میں آئیں تو سر کو اٹھا کر گود میں رکھا اور کہا تم کو مجھ سے غائب رکھا گیا اب مقتول کی صورت میں میرے پاس تحفہ بھیجا ہے۔

تیسرا منظر دیکھئے:-

اویس قرنی حضرت علیؑ کی محبت میں کوفے سے میدانِ صفین پہنچے تھے، علیؑ کی محبت میں جہاد کیا، میدانِ جنگ میں معاویہ کے سپاہیوں نے اُن پر چاروں طرف سے پتھر برسائے پھر نیزے کے دار کر کے انھیں زمین پر گرا دیا گیا، لشکر کے ظالموں نے تلوار سے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اُن کے جسم کے اعضا قطع کئے۔

اُسی شام میں اویس قرنی کے مزار کو دہشت گردوں نے بم کے دھماکے سے اڑا دیا ہے یہ ۱۳۳۵ ہجری ہے چودہ سو برس کے بعد بھی علیؑ والوں سے دشمنی اُسی طرح باقی ہے۔

چوتھا منظر دیکھئے:-

یہ حجر بن عدی کنذی صحابی رسولؐ اور صحابی علیؑ ہیں شام کے دیہات عذرا میں معاویہ نے قیدی بنا کر مع اُن کے ساتھیوں کے قبر کھود کر اس کے کنارے بٹھا دیا ہے، علیؑ سے بیزاری کرو تو معاف کر دیا جائے، محبت علیؑ میں سرشارِ حُجْر بن عدی نے پانی طلب کیا مگر پانی نہیں دیا گیا، حجر بن عدی نے دعا کی آسمان سے جھما جھم پانی برسے لگا، پھر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گہرے کنویں میں پھینک دیا گیا، عذرا میں اُن کی قبر قرار پائی، چودہ سو برس کے بعد اُسی عذرا میں اُن کے مزار کو آگ لگا کر منہدم کر دیا گیا، ضریح کو آگ لگانے والے دہشت گرد مسلسل نعرہ

کبیر بلند کر رہے تھے، بغض علی کا تسلسل ابھی باقی ہے۔

پانچواں منظر دیکھئے:-

علی کا مایہ ناز غلام قنبر حجاج بن یوسف کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا ہے، پوچھا کہ علی کی خدمت میں کیا کرتا تھا۔ قنبر نے کہا مولا کے لئے وضو کا پانی لا کر رکھتا تھا۔ حجاج نے کہا۔ جب علی وضو سے فارغ ہوتے تھے تو کیا کہتے تھے، قنبر نے کہا کہ اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط
حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝
فَقَطَّعَ دَائِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ط وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(سورہ انعام، آیت ۴۴ اور ۴۵)

”شیطان کے بچاری ہو گئے وہ لوگ اللہ کی نصیحت کو بھول گئے جو انھیں کی گئی تھی، تو پھر ہم نے ان پر تمام چیزوں اور نعمتوں کے دروازے کھول دیئے حتیٰ کہ جب وہ اُس میں جو انھیں عطا کیا گیا تھا خوب مگن و مسرور ہو گئے تو ہم نے اچانک ان کی گرفت کر لی پھر تو وہ مایوس ہو کر رہ گئے، پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جڑ اور نسل کاٹ دی گئی۔“ سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔

حجاج کہنے لگا، میرا گمان ہے کہ اس آیت کی تاویل ہم پر کرتے تھے، قنبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے، حجاج نے کہا اگر تمہارا سر کاٹ دوں تو کیا کرو گے، قنبر نے کہا میں سعادت مند ہو جاؤں گا اور توشقی ہو جائے گا، حجاج نے حکم دیا قنبر کی گردن اڑا دی گئی، قنبر کا سردار الامارہ کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

کچھ ایسے ہی مناظر آپ کو روزِ کراچی، لاہور اور کوئٹہ میں نظر آتے ہوں گے، حجاج کا دور دوبارہ آ گیا ہے، علی والوں کے لہو سے رنگین داستانیں پڑھیں تاکہ کچھ دل کو تسلی ہو جائے۔ (ادارہ)

تقریر (علامہ سید ضمیر اختر نقوی)

حضرت قنبرؑ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساری تعریف اللہ کے لئے درود و سلام محمد و آل محمد پر

مجالس تفسیر قرآن کی اٹھارویں مجلس آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں، عزائے مولا علیؑ کی پہلی مجلس موضوع مجلس کا کوئی بھی ہو اور کہیں سے بھی بات شروع کی جائے مقصد صرف ایک ہی ہے وہ ہے ولایۃ علیؑ، محبت علیؑ اور مصائب حسینؑ یہ ہے صرف مجلس کا مقصد، بلکہ ہر مومن کا مقصد زندگی، جو اس سے دُور ہے ظاہر ہے کہ اس کے پاس مقصد زندگی نہیں ہے اور اللہ سب کو توفیق عطا کرے کہ وہ ولایۃ علیؑ کی معرفتوں کی منزلوں کو طے کریں اس لیے کہ کہیں تھک کر بیٹھنا نہیں ہے، رُکنا نہیں ہے ہر آن، ہر لمحہ، ہر سانس محبت علیؑ کی تلاش رہنی چاہیے۔ وہ کون سا گوشہ، وہ کون سا ٹلٹہ، کون سا جملہ تلاش کر کے لایا جائے کہ روح کو ایسی غذا ملے۔ جسم کی غذائیں تو بہت ہیں نعمتیں اللہ نے دیں ہیں لیکن روح کے لیے بہترین نعمت ہے چہارہ معصومین کا تذکرہ۔ دنیا جن ہستیوں اور شخصیتوں کی بات کر سکتی ہے ان کا نام لینا یا ذکر کرنا آسان ہے لیکن اس سے روح کو سکون نہیں ملتا اور یہ بات انہیں خود معلوم ہے اس لیے کہ دنیاوی سیاست الگ ہے اور دین الگ ہے، دین کا تقاضہ یہ ہے کہ رسولؐ اور آل رسولؐ کا ذکر ہو اور سیاست کا تقاضہ بھی ضروری یہی لیکن مجبوری کے تحت تاکہ اکثریت ہم زبان ہو جائے کسی چیز

پر، تو وہ ان کی مجبوری ہے ہمارے لیے مجبوری نہیں ہے کیونکہ ہم کسی دور، کسی عہد میں اس بات سے متاثر نہیں ہوئے کہ اکثریت کیا کہہ رہی ہے ہمارا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے، جہاد ہے اور ہمارے نمایاں ہونے کی وجہ، ہماری نسلوں کی بقا صرف یہی ہے کہ ہم اکثریت سے متاثر نہیں ہوتے اور مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہیں یہ ضرور ہے کہ ہم کو اکثریت حیرت سے دیکھتی ہے کہ یہ ہمارے رنگ میں کیوں نہیں رنگتے، یہ متاثر کیوں نہیں ہوتے تو ظاہر ہے کہ اپنے لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی یہ گمراہ لوگ ہیں، یہ گمراہ ہو گئے ہیں، یہ بدعتی ہو گئے ہیں، یہ مذہب سے خارج ہو چکے ہیں، یہ کافر ہیں، ڈر دیا کہ تم یہ سب اختیار نہ کرنا، گلے پہ رہنا، مسلمان رہنا ایسا نہ کرنا بات سمجھ میں ان بچاروں کے آ جاتی ہے اور وہ چپ ہو جاتے ہیں، عقلیں ہوتیں تو سوچتے کہ اصل مذہب تو چودہ سو برس چل سکتا ہے نقل کفر اور بدعتیں چودہ سو سال تک نہیں چلتیں۔ کس نے ہمیں عشق علیؑ کی راہ دکھا کر اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر تاکید کر دی کہ یہ راستہ نہ چھوڑنا تو ہم نے اس کے اشارے کو دیکھا اور ہم حیران ہو گئے کہ وہ کون تھا ہمارے اور علیؑ کے بیچ میں کہ جس کا اشارہ ہمارے کام آیا اس کا نام ہے قبر جس سے ہم نے آداب عشق علیؑ سیکھے، ہم نے اس کا عشق دیکھا ہم نہ ماننے اس کو کہ غلام ہے غلام کی کیا تقلید کرنا تقلید تو آقا کی ہوتی ہے غلام کی راہ پر کیوں چلیں ہم اور قبر کو دیکھ کر ہم عشق علیؑ کیوں کر رہے ہیں لیکن ہم نے پلٹ کر دیکھا کہ غلام کس کا ہے تو ہم نے قبر سے پوچھا کہ تم تو مولا کے لیے مرے جا رہے ہو ادھر سے کیا جواب ہے کہا علیؑ سے پوچھو، ہم نے تو عشق علیؑ کیا علیؑ سے پوچھو وہ ہم سے کتنی محبت کرتے ہیں تو پھر ہم نے علیؑ سے پوچھا آپ ایک غلام سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ جب

ہمیں ثبوت مل گیا کہ علیؑ اپنے غلام سے محبت کرتے ہیں تو ہم نے کہا قبر ہمیں وہ آداب تو سکھاؤ کہ ہمیں مولا کی محبت حاصل ہو جائے، وہ باتیں تو بتاؤ تو قبر نے کہا بیٹھو آؤ اور ہم سے سیکھو ہم تمہیں عشق علیؑ کے اسکول میں داخل کرتے ہیں ہم تمہیں سکھائیں گے، تم نے عشق علیؑ مانگا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں نہ سکھائیں آؤ سنو بیٹھو وہ خوبصورت لوگ تھے وہ حسین لوگ تھے حسین خُسنوں کو پسند کرتے ہیں لیکن ہم حیران ہو گئے کہ ہم کالوں کے ملک سے آئے تھے انہوں نے رنگ و نسل کی بات نہیں کی اور میں یوں حیران ہو گیا کہ دنیا میں کالوں سے کسی نے محبت نہیں کی انہیں غلام بنا کر بیچا جاتا تھا نظریں دیکھ کر میں حیران ہو گیا بیٹھو میں تمہیں عشق علیؑ کے آداب سکھاؤں بیٹھو۔

آپ تقریر سننے کے لیے تیار ہیں، میں نے اعلان کیا تھا کہ تقریر قبر پر کروں گا آج موقع ہے اس لیے میں چاہتا ہوں یہ اعلان وغیرہ ہوتے رہیں گے چونکہ آج شب قدر بھی ہے اعمال وغیرہ ہوں گے تو وہ آپ کو بلائیں گے تو ظاہر ہے ہمیں جانا ہے ایک عمل عشق علیؑ ہے اور دوسرا عمل وہ ہے لیکن پہلے مجلس کر لیں سر شام اعمال نہیں ہوتے، جتنی رات بنتی ہے اعمال کا مزہ پھر آتا ہے بارہ بجے کے بعد تنہائی میں سنانے میں اس لیے کہ یہ اجتماعی عمل وہ ہے کہ عشق علیؑ کے عمل کا مظاہرہ ہو جائے پھر اللہ کی بارگاہ میں جا کر وہاں کوئی اللہ سے باتیں نہیں کرتا کوئی اللہ سے باتیں نہیں کرنی سر پر قرآن رکھ کر یہی کہنا ہے بعلی، بعلی، وہاں بھی علیؑ، علیؑ ہے بس فرق یہ ہے کہ یہاں ہم اور آپ علیؑ کر رہے ہیں وہاں سر پر قرآن رکھ کر علیؑ کہنا ہے، وہ بلا رہے ہیں آپ کو جائے گا ابھی ارے سر پر قرآن رکھ کر عشق علیؑ کیا ہے قرآن کو حاضر و ناظر رکھ کر کیا ہے کلام الہی ہے قرآن تو ایک ہے نہ جو سا قرآن کہو اس کو سر پر رکھ لیں ارے ہم تو قرآن سر پر رکھ کر کہہ سکتے ہیں اللہ کے گھر میں علیؑ۔

قبرؑ نے ہم سب کو بٹھالیا اور کہنے لگے آؤ سنو عشق علیؑ کے اصول سنو ہم کو ہو گئے قبرؑ کی باتوں میں، قبرؑ کہنے لگے کہ ہم تو کالے دیس کے رہنے والے تھے لیکن اے میرے بھائیوں علیؑ کے عشق میں مبتلا لوگو! ہم کوئی عام آدمی نہیں تھے کہ تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارے عہد میں جیسے کالے جینز پہن کر آ جاتے ہیں ہم ایسے ملک کے کالے نہیں تھے ہم کوئی عام آدمی نہیں تھے ہم بادشاہ کے بیٹے تھے، ہماری اسٹیٹ تھی، ہمارے پاس حکومت تھی ہاں ہم چھوٹے سے تھے بڑے نازو نعم میں پالے گئے، شاہی آداب میں ہماری پرورش ہوئی دولت کی کمی نہیں تھی ہمارے بھی نوکر چاکر تھے، ہمارے بھی غلام تھے، ہم ریشمی کھواب کے بستر پر سونے والے، سونے کی زنجیروں کے جھولے میں جھولنے والے لیکن ہم ابھی بہت چھوٹے تھے بچپن تھا ہمارا کہ ہمارا باپ مر گیا چونکہ ہم چھوٹی تھے، کمسن تھے میری ایک چھوٹی بہن تھی اس کا نام میمونہ تھا تو میں اپنی بہن کی خبر گیری کرتا اس لیے کہ باپ مر گیا تھا اور ہم یتیم ہو گئے تھے، میرے باپ نے مرنے سے پہلے میرے چچا کو حکومت سپرد کر دی میرے چچا کا نام اشکبوس تھا تو میرے باپ نے میرے چچا سے کہا تھا کہ جب میرا بیٹا فتح جوان ہو جائے تو اپنی بیٹی کی شادی فتح سے کر دینا اور اسٹیٹ اسے واپس کر کے اس کی تاجپوشی کر دینا اور اس کو جیش کا بادشاہ بنادینا، وصیت نامہ پاس تھا جب میں بڑا ہوا تو میری ماں نے وہ وصیت نامہ مجھے دے دیا پھر ایک دن چچا کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ جیش اپنے عم اشکبوس سے تقاضہ کیا کہ آپ میرے باپ کی وصیت پر عمل کیجئے، مجھے دامادی میں قبول کیجئے اور اسٹیٹ میرے حوالے کیجئے، چچا نے مجھے ٹالنا شروع کیا میں نے بہت تقاضے کیے لیکن میرے چچا نے مجھے ٹال دیا ایک دن میں اپنے جوان ساتھیوں کے ساتھ کمر میں تلوار لگائے ہوئے اپنے چچا کے دربار میں داخل ہوا اور

پھر میں نے ان کو دھمکی دی کہ اگر آپ میرے باپ کی وصیت پر عمل نہ کریں گے تو خوں ریزی ہوگی، میرے چچا نے بھانپ لیا کہ یہ نوجوان ہے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے ایسا نہ ہو کہ خوں ریزی شروع ہو جائے اس لیے میرے چچا نے اس دن مجھ سے بڑے پیار سے باتیں کیں اور کہنے لگے فتاح بیٹھو ہمیں کوئی تکلف نہیں ہے تمہیں حکومت واپس کرنے میں اور ہم اپنی بیٹی بھی تمہیں بیاہ دیں گے لیکن دراصل ہمارا ایک بہت بڑا دشمن ہے اور وہ ہم سے زیادہ ہمارے بھوں کا دشمن ہے، ہمارے دین کا دشمن ہے اگر تم اس کا سر کاٹ کر لے آؤ تو ہم تمہیں حکومت بھی دے دیں گے اور بیٹی بھی دے دیں گے تو میں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ کون ہے چچا نے کہا عرب میں رہتا ہے تمہیں سفر اختیار کرنا پڑے گا میں نے پوچھا نام کیا ہے چچا نے کہا اس کا نام علی ہے وہ تمام بت خانوں کو مسمار کرتا پھر رہا ہے اگر ہمارے یہاں آ گیا تو ہمارے بت خانے بھی ٹوٹ جائیں گے ہمیں اس سے خوف ہے اس سے پہلے کہ وہ جہش تک آئے اس کا سر کاٹ کر لے آؤ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم اس کا سر کاٹ لائیں گے لیکن ہمیں مدد کے لیے کچھ سپاہی درکار ہیں چچا نے کہا ہم تمہیں سات ہزار سپاہی دیتے ہیں اچھے لڑنے والے اور میرا بیٹا فضل بھی تمہارے ساتھ جائے گا دونوں بھائی جاؤ فضل تمہاری مدد کرے گا سر لے کر آؤ گے تو ہم تمہیں تخت پر بٹھا دیں گے اور تمہاری تاج پوشی کر دیں گے۔ تخت و تاج کی شرط ہے علی کا سر جملہ لیں گے آپ یہاں تخت و تاج کی شرط ہے کہ علی کا سر اور ملک عشق علی کی شرط ہے اپنا سر دے دینا اب دو ملک آسنے سامنے ہیں ہم نے یہ جو کہا تو قبر بولے کہ بھی تم بعد میں بول لینا پوری کہانی تو سن لو، قبر ہم سے کہنے لگے کہ، تمہیں ظاہر ہے کہ نعرے سننے کا شوق ہے انجولی والوں سے اس لیے تم سچ میں بول رہے ہو پہلے میری باتیں تو سن لو، پہلے مجھے تو نعرہ

حیدری اپنی باتوں پہ لگانے دو پھر تم بھی لگا لینا تو ہم چپ ہو گئے کہانی سنتے سنتے ہم نے کہا اچھا آپ ہی بولے آپ ہی سنائیے تو پھر قبرستانے کہنا شروع کیا کہنے لگے تو ہم چپ ہو گئے ورنہ عشق علیؑ میں کہاں چپ رہا جاتا ہے ہم چپ اس لیے ہو گئے کہ عشق علیؑ میں قبرستانے سے سینئر ہیں اور ہم جونیئر تو جونیئر کو چپ رہنا چاہئے سینئر کے سامنے، قبرستانے ہم کو ڈانٹا نہیں غصہ نہیں کیا بلکہ کہنے لگے کہ جو عشق کرتے ہیں علیؑ سے ان پر غصہ نہیں کرتے بس یہ کہہ رہے ہیں پوری بات تو سن لو تو ہم چپ ہو گئے ہم نے کہا سنائیے پھر کیا ہوا کہا ہم لشکر لے کر چلے پتہ لگا کہ مدینے پہنچ گئے، ہم جب مدینے کی سرحد پر پہنچے تو صبح ہو رہی تھی، ابھی ابھی لوگ گھروں سے نکل کر باغات اور کھیتوں کی طرف جا رہے تھے، میرے بھائی فضل نے لشکر وہیں بیرون مدینہ رکو دیا کہا اگر ایک دم سے لشکر آگے جائے گا مدینے شہر میں تو خبر نہ ہو جائے اس کو جس کا نام علیؑ ہے تو دشمن کو ہوشیار نہیں کرنا تو ہم نے فضل سے کہا ہم خود جائیں گے پہلے ہم پوچھیں گے ہم یہ پتہ لگائیں گے کہ علیؑ کیسا ہے پھر ہم آکر اسے بتائیں گے، اسے ڈھونڈ لیں گے، فضل نے کہا اچھا جاؤ، قبرستانے کہنے لگے کہ ہم شہر میں داخل ہوئے کیوں کہ سورج نے ابھی سر نکالا تھا اوپر سے روشنی ہلکی ہلکی پھیل رہی تھی میں نے دیکھا ایک خوبصورت انسان سامنے سے آ رہا ہے اس کے کاندھے پر ایک بیچہ رکھا ہوا ہے اور خاموشی سے سر جھکائے ایک سمت جا رہا ہے مجھے ایک ہی آدمی نظر آیا تو میں آگے بڑھا میں نے اس سے کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تو اس نے کہا یہیں شہر مدینہ کا تو میں نے اس سے کہا کہ اے بھائی تم علیؑ کو جانتے ہو تو اس نے کہا ہاں میں علیؑ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، جس طرح میں اپنے کو جانتا ہوں اسی طرح علیؑ کو جانتا ہوں علیؑ مجھ سے بہت مانوس ہیں میں علیؑ سے بہت مانوس ہوں تو میں نے کہا کہ آپ میری طرف

دیکھ نہیں رہے جیسے ہی میں نے کہا آپ میرے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہے ہیں تو انہوں نے میری طرف نظر اٹھائی اور جیسے ہی میرے چہرے کی طرف نظر پڑی بے اختیار پکار کر کہا "صدقاً یا رسول اللہ... یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا میں حیران تھا کہ یہ اس نے کیا کلمہ کہا چونکہ میری سمجھ میں بات نہیں آئی تو میں نے اس سے پوچھا علی کیا ہے، کہا اس کا چہرہ میرے چہرے جیسا ہے، بس اس کی رنگت میری رنگت جیسی ہے، اس کی قامت میری قامت جیسی ہے، اس کے بازو میرے بازو جیسے ہیں کہا اچھا تمہیں تو میں دیکھ رہا ہوں، تم تو بہت طاقتور لگتے ہو، کہا ہاں تو وہ میری طرح طاقتور ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو کہا ہمیں اس کا سر کاٹنا ہے، اس کا سر اتارنا ہے کہا یہ بہت مشکل کام ہے کہا کیوں، کہا اس لیے کہ تم اس سے لڑ ہی نہیں پاؤ گے، کہا کیوں، کہا اس لیے کہ پہلے مجھ سے لڑو اگر تم نے میرا سر کاٹ لیا تو تم اس کا بھی سر کاٹ سکتے ہو ابھی یہ کہا تھا کہ میں نے تلوار کھینچی اور حملہ کیا، کہا تم کیا سمجھتے ہو ہم بہادر نہیں ہیں لڑائی شروع ہوئی میں نے وار کیا آنے والے خوبصورت انسان نے بیلچہ اٹھا کر سامنے کیا بیلچے پہ ضرب پڑی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی، کہا ہم انتظار کرتے ہیں اگر کوئی دوسرا ہتھیار ہو تو نکالو، میں نے گرز اٹھایا انھوں نے بیلچے سے اس کو بھی دو ٹکڑے کر دیا، کہا ابھی دو وار تو تم کر چکے ہو اب ہماری باری ہے یہ کہہ کر آگے بڑھے اور کمر کے پٹکے سے پکڑ کر ایک بار ہاتھ سے مجھے بلند کرنا شروع کیا اور سر سے اوپر اٹھایا کہا اگر چنک دوں تو ہڈیاں تیری چورا چورا ہو جائیں گی لے یہ بیلچہ میں نے پھینک دیا یہ کہہ کر انھوں نے مجھ کو زمین پر آہستہ سے اتار دیا تو میں نے پوچھا کیا علی بھی اتنا ہی بہادر ہے تو اس نے کہا میں ہی تو علی ہوں اب بھی نہیں تو نے پہچانا میں ہی تو علی ہوں تو میں قدموں پر گر پڑا کہا میں نے تو ایسا انسان ہی نہیں دیکھا، آپ نے

مجھے جان بخشی، میں تو دشمن تھا آپ کا آپ نے مجھے ختم نہیں کیا لیکن یہ بتائیں کہ ابھی آپ نے یہ کیا کہا تھا "صدقۃ یا رسول اللہ" کہا ابھی صبح جب میں گھر سے نکلا تو رسول اللہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے علیؑ آج تمہیں ایسا ایک غلام ملے گا جو ساری زندگی تمہارا وفادار رہے گا تو تیرا چہرہ دیکھ کر میں نے کہا "صدقۃ یا رسول اللہ" آپ نے سچ فرمایا تھا اب جملہ سن لو اب کہیں قبر "ماراض نہ ہو جائیں، صبح میں قبر میرے بھی تو جملے سنیں گے، جملہ سن لو ارے بھی غلام محفل سجا کر آقا کا انتظار کرتے ہیں آج پتہ چلا کہ آقا غلام کا انتظار کر رہے ہیں غلام بھی تو ایسا ہو، رسول اللہ کو بھی آمد کا پتہ ہے، مجھے غلامی میں لے لیجئے قبر کہنے لگے، میں مولا کے قدموں سے لپٹ گیا میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا، پھر میں نے اپنے بھائی فضل کو بلوایا اور لشکر کو بھی بلوایا پھر میں نے کھڑے ہو کر اپنے لشکر کے سامنے تقریر کی اور اپنے بھائی کو میں نے بتایا کہ بھی اٹکیوس تو جانے کیسی باتیں کرتا ہے یہ تو آسمانی لوگ ہیں اب ہم اپنی اسٹیٹ میں واپس نہیں جائیں گے، ہاں فضل ہم نے اپنی حکومت تمہارے نام لکھ دی اگر تمہارا باپ علیؑ کے دین کو قبول کرے تو تخت پر بیٹھے اگر وہ بات نہ مانے تو اسے ہٹا کر فضل تم تخت پر بیٹھ جانا لیکن میری بہن کو مدینے واپس کر دینا، اس کو مجھ تک پہنچا دینا اب میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، علیؑ آگے آگے قبر کہتا ہے میں پیچھے پیچھے مجھے کچھ کام تو بتائیں تو علیؑ نے کہا ہمارے یہاں کے کچھ آداب ہیں کام بتانے سے پہلے ہم نام بتاتے ہیں کتنا ہلکا جملہ لے گئے ارے کام بڑا نہیں ہے نام بڑا ہوتا ہے آج کس کو معلوم کہ میرا نام فاتح تھا بس اتنا کہا تھا کہ چکور بولا، عربی میں چکور کو کہتے ہیں قبر، کہا آج سے تجھے یہی کہہ کر پکاروں گا آج سے تو قبر ہو گیا، پہلے نام دیا پھر کام دیا، حیدر کی غلامی میں آ گیا مجھے قبر کہہ کر پکارتے۔ اکیلے میں، تنہائی میں سوچتا تھا

کہ عربوں میں نام رکھنے کے طریقے ہیں، کُتوں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، شیروں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، لومٹری کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، پتھروں کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں، یہ علیؑ نے پرندے کے نام پر میرا نام کیوں رکھا، جب معرفت علیؑ مجھے حاصل ہوئی تو میں بات سمجھ گیا۔ چونکہ میں غلامی میں آیا تھا اور اسلام غلامی کے خلاف ہے اس لیے پرندے کا نام دے کر بتایا کہ پرندہ کھلی فضا میں پرواز کرتا ہے کسی کا غلام نہیں ہوتا، علیؑ نے بتایا کھلی فضا میں سانس لو تم غلام نہیں ہو پرندے کی طرح سیر کرو فضا میں جاؤ، میں کام پوچھتا تو یہی کہتے جب چلیں گے تو یہ تلوار لے کر چلنا ہاں مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے ذوالفقار کو اٹھایا ہے۔ میرے دوستو! تفصیل سننے والو سنو آج تم علیؑ کے گھوڑے کی شبیہ دیکھتے ہو تو چومنے کے لیے دوڑتے ہو، بارہا میں نے علیؑ کے دلدل کو، علیؑ کے ذوالجناح کو سجایا ہے، لجام ڈالی ہے، رکاب رکھی ہے، زین رکھی ہے اور جب میرا مولا سوار ہوتا تھا رکاب کو میں تھامتا تھا قبیرؑ اور تم برابر ہو آج شبیہ آئے تو قبیرؑ کی تقلید کرتے ہوئے علیؑ علیؑ کہتے ہوئے علیؑ کے ذوالجناح کی طرف بڑھ جاتے ہیں لیکن گھوڑا اور تلوار اور اس کی محافظت لیکن جو سب سے بڑی خدمت تمہارے اور میرے مولا علیؑ نے مجھ کو عطا کی جو کسی کو نہیں ملی وہ یہ کہ علیؑ کے وضو کا پانی میں لاتا تھا، سات ہجری خیبر کی لڑائی ہو چکی تھی جب میں آیا فضل حاکم ہوا جش کا اور اھکیوس میرا چچا مارا گیا اس لیے کہ اس نے رسول اللہ کا دین قبول نہیں کیا چونکہ میرے چچا زاد بھائی فضل نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تو اس نے میری چھوٹی بہن کو جش سے بھجوا دیا اس کا نام میمونہ تھا میں بہت خوش قسمت تھا کہ میں باہر علیؑ کی خدمت انجام دیتا تھا وہ میری بہن شہزادی سیدہ کی خدمت انجام دیتی تھی، علیؑ نے میرا نام قبیرؑ رکھا اور میری بہن کا نام فضلہ رکھا میں ہمیشہ مولا

کے ساتھ تھا ہلڑائی میں ساتھ ہوتا تھا، میرے مولانا نے بہت سی لڑائیاں لڑیں خیر کے بعد جب حاکم غلام سے لڑائی ہوئی تو دولت مند بادشاہ اس پہ جب میرے مولانا نے فتح پائی اور اس کی بیٹی سے اپنے دوسرے غلام علقہ کی شادی کروائی میں اس دن بھی ساتھ تھا اور غلام کی ساری دولت جو ستر اونٹوں پہ بار ہوئی تھی اس قطار کی مہار بھی میرے ہاتھ میں تھی اور شاید تم نے یہ واقعہ سنا ہو کہ ستر اونٹوں کی قطار میرے مولانا نے ایک فقیر کو دے دی وہ اندھا تھا اس کو میں نے رسی کا ایک سرادے دیا اور میں دور تھا کہ فقیر کہنے لگا علیؑ کا غلام مذاق کرتا ہے، میں نے روٹی مانگی اس نے سانپ پکڑا دیا، سانپ تشبیہ ہے دولت کے لیے، لوگوں نے کہا بھائی ستر اونٹوں پر دولت ملی ہے تجھے یہ اونٹوں کی مہار ہے سانپ نہیں کہنے لگا ایسی دولت کس کام کی جسے میں دیکھ نہیں سکتا کاش آنکھیں ہوتیں تو اس دولت کو دیکھتا، قبر کہتا ہے کہ میں تو دور بھاگ گیا تھا میں نے دیکھا علیؑ فقیر کے قریب آئے اور میرے مولانا نے اس فقیر کی آنکھ پہ ہاتھ پھیرا اس کی آنکھیں روشن ہوئیں علیؑ نے کہا اب دیکھ دولت دیکھ جیسے ہی اس فقیر نے دولت کو دیکھا کہا اب آنکھوں سے بڑھ کر کون سی دولت ہے مجھے نہیں چاہیے، میں نے دنیا دیکھ لی جو کبھی نہیں دیکھ سکتا تھا تو اب یہ دولت کس کام کی جب میں نے فقیر کا یہ کلمہ سنا پھر میں قریب آیا تو میں نے سوچا کہ علیؑ کے چاہنے والے کیسے کیسے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، تم کیا سمجھے کہ ہم آتے بھلا کہانی سنانے جب ہمیں پتہ چلا کہ انجولی میں ہمارے جیسے بھی بیٹھے ہوئے ہیں تبھی تو ہم آئے ہیں، زبان ضمیر اختر کی ہے کہانی قبر کی ہے، پھر قبر کہنے لگے ذوالفقار لے کر میں چلتا ذوالجناح چلتا، کہتے تھے علیؑ دوسرا گھوڑا تو لے لو تو میں کہتا یہ آداب غلامی کے خلاف ہے میں تو ذل دل کے پیچھے پیچھے چلوں گا اب علیؑ کو کہاں یہ برداشت کے غلام دوڑے تو قبر کہتا ہے

کہ کبھی مجھے ڈوڑنا ہی نہ پڑا اس لیے کہ علیؑ کا گھوڑا تو ہوا سے باتیں کرتا ہے! دھڑلے
کا گھوڑا اڑا اور میں نے محسوس کیا کہ اب میرے قدم زمین پر نہیں ہیں اور اس
دن تو میں حیرت زدہ ہو گیا کہ جب وادیِ رمل کی لڑائی میں آیتیں اتری تھیں گھوڑا
تیز چلا..... ہوا کے گھوڑے پہ علیؑ سوار تھے، ذوالجناح ہوا بن گیا تھا میں نے کہا
مجھے نہیں لے جائیں گے تو کہا رکاب تھام لے آنکھیں بند کر میں نے آنکھیں بند
کیں اب جو آنکھ کھلی تو میں وادیِ عابس میں تھا کہاں ایسا آقا کسی کو ملا اور مجھ
سے سنو میرے آقا کے فضائل میں تمہیں ہر لمحہ سناؤں میں نے علیؑ کو لڑتے بھی
دیکھا ہے، میں نے علیؑ کو جو کی روٹی کھاتے بھی دیکھا ہے، میں نے علیؑ کو زمانے کی
سیر کرتے بھی دیکھا ہے، میں نے علیؑ کی سخاوت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی
عبادت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی شرافت بھی دیکھی ہے، میں نے علیؑ کی
نجات بھی دیکھی ہے اگر میں فضائل بیان کرنے پر آؤں تو صدیاں گزر جائیں
قبر تمہیں فضائلِ علیؑ نہیں سنا سکتا، بیٹھے ہوئے تھے ہم ایک دن مولا کے ساتھ کہ
ہم نے دیکھا ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور آتے ہی سیدھے علیؑ کی قباء کی آستین میں
اندر گیا اور آستین سے نکل کر ہاتھ پر بیٹھ گیا علیؑ نے اُسے جھک کر دیکھا، کہا بہت
گھبرایا ہوا تھا کہ میرے سینے سے گزر کر یہاں تک آیا کیا پریشانی ہے تجھے کہ اتنی
دیر میں علیؑ کے سامنے ایک باز آ کر بیٹھ گیا کبوتر نے کہا مولا یہ میرے پیچھے لگا ہوا
ہے میں ابھی دانہ چک کر دیرانے سے آیا تھا میرے دو بچے ہیں آشیانے میں،
میں ان کو دانہ کھلانے گیا تھا وہ بھوکے ہیں یہ میرے پیچھے لگ گیا مجھے کھانے کے
لیے میں کہاں جاتا، میری نظر میرے مولا پر پڑی وقت نہیں تھا کہ ادب سے
اجازت لیتا میں آپ کے سینے کی طرف آیا کیوں کہ سینہ محبت کا مرکز ہوتا ہے،
میں آپ کے سینے سے لپٹا پہلے پھر میں آستین تک آیا آستین تک اس لیے آیا

کہ زمانے کو بتاؤں کہ آستین کے کچھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں تو اس جگہ آؤں اور یہ بتاؤں کہ بعض آستین کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تاکہ تاریخ میں رہ جائے، اس سے میری جان بچائیے، مولانا باز سے کہا، قنبرؑ کہہ رہا ہے میں بیٹھا دیکھ رہا تھا، میرا مولانا پرندوں سے باتیں کر رہا ہے ہم سب علیؑ کے سامنے بیٹھے ہیں، باز نے کہا میں بھوکا ہوں میں نے بھی کئی دن سے کھانا نہیں کھایا مولانا یہ میری غذا ہے مجھے دے دیجئے، اس کبوتر کو دے دیجئے، مولانا میری طرف مڑے، کہا قنبرؑ ذرا ذوالفقار تو لانا میں گیا ذوالفقار لایا علیؑ نے اپنی قبائلی ذوالفقار نیام سے نکالی کہا جتنا وزن اس کبوتر کا ہے میں یہاں کا گوشت کاٹ کر تجھے دیتا ہوں کھالے قنبرؑ کہتا ہے یہ سنتے ہی باز یہ کہتا ہوا اڑ گیا زمین کی عدالت آپ سے باقی ہے، ہر زمانے میں جو اخباروں میں عادل مشہور ہے وہ ادب سے آ کر میرے مولانا کے سامنے بیٹھتے تھے اور کہتے تھے یہ فیصلہ تو آپ ہی کیجئے اور جب میرا مولانا فیصلہ کر دیتا تو وہ وہاں کی مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈال کر کہتے اگر آپ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا، میں ان کے چہرے پہچانتا ہوں، میں اخبار والوں کو قنبرؑ کا پیغام پہنچا دوں قنبرؑ سب کے چہرے پہچانتا ہے ان کی حقیقت کیا ہے اس لیے کہ جب میں ان کو دیکھتا تھا تو میں سوچتا تھا کہ یہ کہاں بیٹھے ہیں اور قنبرؑ کہاں بیٹھا ہے، قنبرؑ کی معرفت بے مثال ہے، قبر کی معرفت خود ان کی زبانی سینے ایک دن امام حسنؑ نے آواز دی پہلی آواز پر میں آیا تو کہا جاؤ میرے بھائی محمد حنفیہ کو بلاؤ، قنبرؑ یہ بتاؤ اس وقت دروازے پر کون کون ہے، کہا آپ امام ہیں آپ سے بہتر کون جانتا ہے ارے ایک جملہ ہے حسنؑ نے قنبرؑ کو آزما یا معرفت کا جواب پایا، کہا محمد حنفیہ کو بلاؤ، گئے اور کہا چلیے آپ کے بڑے بھائی دین و دنیا کے بادشاہ نے بلایا ہے، جب پیغام پہنچاتے تھے تو بڑے بڑے القاب کہتے تھے پھر مولانا کا ذکر کرتے تھے اسی طرح جب

امام حسنؑ کا ذکر کرتے تھے تو پہلے القابات و خطابات، اسی طرح امام حسینؑ کا ذکر کرتے یہ معرفت کی منزلیں قبر کی تھیں تو قبرؑ کہتے ہیں فیصلے تو روز ہی علیؑ کے دربار میں آتے تھے، ایک دن ایک عجیب فیصلہ آیا، عجیب مسئلہ آیا لڑکی تھی کنواری الزام عدالت میں لگا دیا گیا کہ اس کے شکم میں بچہ ہے، وہ کہتی تھی کہ میں پاکیزہ اور طاہرہ ہوں لیکن آثار سارے موجود فیصلہ ہو تو کیسے ہو اب جب آپ قبرؑ کی اس بات کی صداقت چاہتے ہیں تو کتاب میں سے ڈھونڈ لیجئے گا لیکن جب زیارت کے لیے جائیے گا مسجد کوفہ تو ایک جگہ زیارت کرائی جاتی ہے مقام طشتیہ وہ مقام جہاں علیؑ نے طشت رکھوایا تھا، یہ مسجد کوفہ کا واقعہ ہے اب قبرؑ سناتے ہیں کہ لڑکی کو لایا گیا علیؑ نے طشت منگایا طشت میں برف کی ایک سل رکھوائی لڑکی سے کہا اس کو وہاں بچھو ادو تھوڑی دیر برف پر وہ بیٹھی تھی کہ کئی سیر کی ایک چونک برآمد ہوئی اس برف کی ٹھنڈک سے اب بتانے والا تو علیؑ ہے کہ یہ تالاب میں نہا رہی تھی چونک نے اپنی غذا پائی شکم کے اندر بڑھتی گئی یہ پاک و پاکیزہ ہے، ماں باپ کی آنکھ میں آنسو چھلک آئے، فیصلہ علیؑ کے علاوہ کون کر سکتا تھا، معاشرہ یہی تھا معاشرہ کوئی آسمانی نہیں تھا اگر آسمانی ہوتا تو خلیفہ سقیفہ میں نہ ہوتا اب جملہ لے لو، ارے معاشرہ تو یہی تھا، حکومتیں بھی اسی طرح کی تھیں آسمانی تو علیؑ نے اپنے فیصلوں سے بنائیں اور حکومت کو معلوم تھا علیؑ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے لیکن علیؑ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں جسٹس ہوں اس لیے کہ علیؑ کو معلوم تھا کہ اگر میں حکومت سے جسٹس کی نوکری مانگوں گا تو معزول بھی کیا جاسکتا ہوں اور جب معزول کیا جاؤں گا تو در در پھر ناپڑے گا علیؑ وہ جسٹس ہے جملہ لے لو، علیؑ وہ جسٹس ہے کہ جدھر جدھر علیؑ جاتے تھے اُدھر اُدھر عدل جاتا تھا ارے افتخار چودھری علیؑ کی طرف جاتا کہ عدل تجھے مل جائے تجھے انصاف نہیں

مل رہا رہے افتخار چودھری پورے ملک کو بتا کہ جب عمر علیؑ کی طرف فیصلہ کرانے جاسکتا ہے تو تو کیوں نہیں جاسکتا جب وہ جارہے ہیں تو تم کیوں نہیں جارہے؟ اور علیؑ کی طرف، قنبرؑ آپ پریشان تو نہیں ہوئے یہ ہمارے ملک کی کچھ باتیں تھیں ہم نے آپ کو سنائیں مولا کو بتا دیجئے گا یہاں یہ سب ہو رہا ہے، قنبرؑ پلٹے میں نے آنکھیں دیکھیں تو میں قنبرؑ سے ڈر گیا، کیا تمہیں معلوم نہیں انہیں سب معلوم ہے میں نے کہا مولا کو سب معلوم ہے کہا ہاں سب معلوم ہے اپنے بارے میں سوچ لو تمہیں معلوم ہو جائے گا مولا کو ساری خبریں معلوم ہیں سب دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن سب دیکھنے میں چپ اس لیے ہیں کہ وہاں بیٹھے بیٹھے ساری بلاؤں سے تم کو بچا رہے ہوتے ہیں اب تو سمجھو علیؑ تم سے عشق کرتے ہیں صرف تم ان سے عشق نہیں کرتے ہو تو کیا ہوا، قنبرؑ آپ بتائیے کون سا فیصلہ آیا تھا علیؑ کے پاس جو آپ بتا رہے تھے ایک مقدمہ آیا وہ واقعہ عجیب ہوا تھا کہ ایک بہت امیر آدمی اپنا مال لادے اونٹ پر جاتا تھا وہ کسی ضرورت سے گیا اس کے غلام نے اس کے مال پر قبضہ کر لیا، غلام کہنے لگا میں آقا ہوں تو میرا غلام تو چونکہ میں خود ہی غلام ہوں مولا کا لیکن میں نے سوچا کہ میں بھی کبھی آقا تھا اور میں علیؑ جیسے آقا کا غلام ہوں تو چونکہ آقا اور غلامی میری زندگی کا حصہ تھا اس لیے فیصلہ مجھے زیادہ دلچسپ لگا کہ آج کیا ہوگا دیکھیں مولا میرے سپرد آج کیا خدمت کرتے ہیں بس جوں ہی مقدمہ پیش ہوا وہ کہتا میں آقا یہ غلام وہ کہتا میں آقا یہ غلام وہ کہتا یہ غلام میں آقا۔ اب سمجھ میں میرے نہیں آیا کہ کون آقا کون غلام مولا میری طرف مڑے باغ تو تھا ہی مجھ سے کہنے لگے قنبرؑ ذرا مٹی کا گارا بنا لو اور تھوڑا سا گارا بنا کر ایک کچی دیوار کھڑی کر دو میں نے آنا فانا مٹی کی ایک دیوار بنادی دیوار بنا کر میں نے مولا کی طرف دیکھا میں نے کہا مولا دیوار بن گئی تو میرے مولا نے کہا اس میں دو

سورخ دائرے بناؤ روشن دان جیسے، میں نے کچی دیوار کاٹ کر اس میں دو دائرے بنا دیئے مولا نے کہا قنبرؑ ادھر آؤ میری ذوالفقار اٹھاؤ اب میرے چاہنے والوں میں تمہیں کیا بتاؤں نیام میں رکھی ہوئی ذوالفقار تو میں نے ہمیشہ اٹھائی تھی آج پہلی بار ایسا ہوا کہ اذن مولا ہوا تو اب سوچو میں تو ہواؤں کے بازو پر اڑنے لگا مولا نے کہا ذوالفقار نکالو پہلے تو میں ڈرا لیکن کچھ کچھ ایک واقعہ میرے سامنے ہو چکا تھا تو پھر میرا خوف دور ہوا اور وہ یہ تھا کہ مسجد کوفہ میں میرا مولا درس دے رہا تھا ایسے میں ایک اثر دہا آ گیا اثر دہا منبر کی طرف چڑھ گیا چونکہ میں اپنے مولا کی حفاظت کرتا تھا تو میں نے دوڑ کر اس اثر دہے کو پکڑ لیا کہ اس کو میں مولا کی طرف نہیں جانے دوں گا مولا منبر سے دیکھ رہے تھے میں نے اثر دہے کو پکڑا وہ میری گردن میں کمر میں لپٹنے لگا میری ہڈیاں توڑنے لگا جب میری آنکھوں میں مولا نے بے بسی دیکھی کہا قنبرؑ گھبراؤ نہ یہ اثر دہا نہیں ہے دیکھو تو کیا ہے اب جو میں نے دیکھا کٹڑی کا عصا تھا تو پکار کر کہا علیؑ نے ارے قنبرؑ کیا تو اپنے کو غلام سمجھتا ہے ہم پلہ موسیٰؑ ہے عصا کو چھوڑ دے میں نے اس عصا کو چھوڑ دیا عصا پھر اثر دہا بن گیا کہنے لگے مولا یہ مجھ سے کچھ کہنے آتا ہے اسے آنے دے یہ ایک جن ہے اپنے قبیلے کا سردار ہے یہ کچھ کہنے آتا ہے تو مجھے بڑی ہمت ہوئی میں نے ذوالفقار کو نیام سے کھینچا علیؑ نے کہا قنبرؑ ذوالفقار لے کر دیوار کے اس طرف کھڑے ہو میں ذوالفقار لے کر رُک گیا دیوار کے سامنے، مولا نے حکم دیا آقا اور غلام دونوں کو کہ ادھر آؤ اور اپنا سر اس سورخ سے باہر نکالو آقا نے بھی اپنا سر باہر نکالا غلام نے بھی اور ادھر مولا علیؑ گھوم کر آئے دیوار کے بیچ میں کھڑے ہوئے ادھر دونوں کو بھی نظر میں لیے تھے میری طرف بھی نظر تھی اور ایک بار مجھ سے کہا کہ قنبرؑ جب میں حکم دوں تو ذوالفقار چلے میں نے ذوالفقار کو اٹھایا اور دونوں کے

سر پہ لایا ایک بار علیؑ نے کہا قبر اس میں جو غلام ہے اس کا سر اڑا دو ان میں جو غلام تھا اس نے گھبرا کر سر پیچھے کیا وہ بھاگا تو میں نے سوچا کہ یہ غلام بھگوڑا ہے ارے میں علیؑ کو چھوڑ کر نہیں بھاگا علیؑ نے کہا جو سر کو رکھے رہا یہ آقا ہے تلوار کی چمک اس کو بھاگنے پر مجبور نہیں کرتی علیؑ نے قبر سے کہا فیصلہ تو دو ہو گئے یہ فیصلہ تو آج کا ہے ان کا لایا ہوا جاؤ پکڑو وہ غلام ہے یہ آقا ہے لیکن صدیوں کا فیصلہ ہوا کہ غلام تلوار دیکھ کر بھاگتا ہے آقا سر کو زیر تیغ رکھ دیتا ہے بدر، اُحد، خندق، خیبر اب یہ فیصلہ چلتا رہے گا یہ فیصلہ صدیوں چلے گا پھر قبرؑ مجھ سے کہنے لگے رات گزر رہی ہے اعمال کرنے نہیں جاؤ گے اب تم بتاؤ ہم قبرؑ کو کیا جواب دیں میں مولا کے ساتھ جا رہا تھا اوپر سے مرغابیاں اڑتی ہوئی چلیں، مرغابیاں چلتی ہیں تو اپنی صفیں بنا کے وی V کی شکل میں چلتی ہیں کبھی ڈبلیو W کی شکل میں اور بولتی ہوئی جاتیں ہیں جب واپس شام کو ہوتی ہیں تو مولا نے پلٹ کر مجھ سے کہا قبرؑ یہ مرغابیاں اُڑ کر جا رہی ہیں نا ہمارے سروں پہ سے یہ جھک جھک کر کہتی جا رہی ہیں کہ علیؑ بھی سلامت رہیں ان کے چاہنے والے بھی سلامت رہیں تو کچھ منافق بھی ساتھ تھے انہوں نے دل میں سوچا کب تک ایسے دعوے علیؑ کرتے رہیں گے انہوں نے کہہ دیا اور ہم یقین کر لیں گے ابھی انہوں نے سوچا تھا کہ علیؑ نے مڑ کر قبرؑ سے کہا قبرؑ زور سے کہو کہ میرا مولا علیؑ تمہیں بلا رہا ہے، غلام قبرؑ کہتا ہے میں نے آواز دی امیر المومنین علی ابن ابی طالب تمہیں صدا دیتے ہیں اُڑتی ہوئی مرغابیاں واپس ہوئیں ایک ایک کر کے، علیؑ کو مرغابیوں نے گھیر لیا اور انہوں نے علیؑ سے باتیں کرنا شروع کیں تو قبرؑ کہتے ہیں میرے مولا نے مرغابیوں سے کہا تمہاری زبان تو ہم سمجھ رہے ہیں اور تمہاری زبان میں ہم جواب بھی دے سکتے ہیں لیکن کچھ لوگ ہیں جنہیں یہ یقین نہیں کہ تم کیا کہتی ہو تو فصیح عربی میں بول کر

بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو تو ساری مرغابیوں نے عربی میں کہا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی ولی اللہ مولانا نے اشارہ کیا قبر کہتے ہیں کہ مرغابیاں پھر پرواز کر گئیں، یہ مرغابیاں پرواز کر گئیں قبر نے بلایا تھا پھر واپس چلی گئیں لیکن وہ علی کا کوئی چاہنے والا تھا اس نے کہا کہ حسن اور حسین کے لیے کیا تحفہ لے جاؤں تو چونکہ سندھ سے گیا تھا تو ساتھ میں کچھ مرغابیاں لے گیا اور کہا یہ بچوں کے لیے تحفہ ہے، شہزادوں کے لیے، علی کے گھر میں وہ مرغابیاں رہیں، ان کی نسل بڑھتی رہی بڑھتی رہی علی نے بڑا پیار دیا، اپنے ہاتھ سے دانہ دیتے صرف اس لیے کہ بچوں سے منسوب ہو گئیں، مرغابیاں حسنین سے منسوب ہو جائیں تو علی ان کی خدمت کریں دانہ اور پانی دیں، آستین ان کے سروں پر پھیرتے ہائے ذوالجناح ٹوڑخمی ہو محبت علی میں، کہتے ہیں کہ ٹھارہ کا دن گزرا شب انیس آئی تو مرغابیوں نے بڑا شور مچایا آج تک علی کے صحن میں اتنا نہیں بولیں تھیں مرغابیاں جتنا شب انیس چچ رہی تھیں، علی عبادت میں مصروف تھے اس لیے کہ روزہ زینب اور ام کلثوم کے ساتھ کھولا تھا، بیٹیوں نے دعوت کی تھی کہا تھا آج کا روزہ میرے گھر افطار کیجئے، علی مہمان تھے الگ الگ گھر نہیں تھے گھر ایک تھا حجرے سب کے الگ تھے جب بیٹیاں کہتیں میرے ساتھ روزہ کھولیں تو علی اپنے حجرے سے بیٹیوں کے حجرے میں آتے دسترخوان وہاں لگتا آج زینب نے افطاری بابا کی کی تھی، آج ام کلثوم نے اپنے بابا کی افطاری کی تھی، اٹھارواں روزہ زینب کے بابا نے رکھا تھا افطار کر کے مصلے پر آئے کچھ دیر عبادت کی کہ مرغابیوں کا شور بلند ہوا، آئے دیکھنے کے لیے کہ کیوں چیختی ہیں یہ مرغابیاں، آستین سب کے سروں پہ پھیرا مولا کو پا کر سب چپ ہو گئیں اور اپنے پردوں کو پھیلا کر مولا کے قدموں سے لپٹ گئیں رخصتی سلام ہو رہا ہے پروں کو نچھاور کیے

دیتی ہیں مولا کے قدموں پہ تو علیؑ کی آنکھ میں آنسو آ گئے، زینبؓ در پر کھڑی تھیں
مڑ کر کہا زینبؓ یہ بے زبان پرندے ہیں، ہمیشہ ان کے کھانے کا خیال رکھنا، ان
کے پانی کا خیال رکھنا کبھی یہ پرندے پیاسے نہ رہیں کیا زینبؓ اپنے بابا کا یہ جملہ
کبھی بھولیں ہوں گی کہ زینبؓ پرندے پیاسے نہ رہیں، جب اصغرؓ جھولے میں
پیاسا ہوا تو زینبؓ کو بابا کا جملہ یاد آیا ہوگا جیو سلامت رہو مولا کا ماتم کرنے والو
شبِ ضربت آ گئی، رات گزرے گی صبح آئے گی تو جب صبح کی نماز پڑھنا تو
مصلے پہ مولا کو یاد کر کے بہت رونا، ماتم کا تو وہی وقت ہوتا ہے میں نے اپنے بچپن
میں دیکھا ہے بچپن کی نیند تو تمہیں معلوم ہے ظاہر ہے کہ سو رہے ہیں کوئی کام تو
نہیں لیکن انیس کی شب آنکھ اس وقت کھلتی جب کانوں میں چوڑیوں کے ٹوٹنے
کی آواز آتی اور پھر چوڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز میں ایک صدا گھر کی بیبیوں کی
آتی ”عالم میں شبِ ضربت اے مومنو آئی ہے“ اور دوسرا نوحہ جب شروع ہو
جاتا ”حیدرؑ نے تیغ کھائی ہے تاروں کی چھاؤں میں“ تو پیہ چل جاتا کہ مولا علیؑ
کی شہادت کے دن آ گئے، آج اٹھارہ کا دن گزر کے انیس کی صبح آئی ہے شہادت
علیؑ کی مجلس شروع ہو گئیں، انیس رمضان کی شب کو فے میں بہت اندھیری ہو
گئی تھی اس لیے کہ شام سے بادل چھا گئے تھے بدلی ہو جانے کے سبب نہ
ستارے نظر آرہے تھے نہ چاند نظر آرہا تھا اندھیرا بہت تھا علیؑ گھر میں تھے
اچانک اپنے حجرے سے باہر آئے تو بیٹیاں سوئیں نہیں تھیں اس لیے کہ بار بار
دیکھتی تھیں کہ بابا کبھی صحن میں آتے تھے کبھی حجرے میں جاتے تھے زینبؓ نے
دیکھا کہ بابا باہر آ کر کہتے آسمان کو دیکھ کر علیؑ وہ رات آ گئی جس رات کی خبر رسولؐ
اللہ دے گئے ہیں اپنی کمر کو کس لو اور تیار ہو جاؤ بیٹیاں دیکھ رہی ہیں ایک بار علیؑ
باہر آئے زینبؓ کہتی ہیں، صدر دروازے کو کھولا جو گلی کے سامنے دروازہ کھلتا تھا تو

پکار کر کہا: یہ ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز کیوں ہے کہاں سے آرہی ہے، آواز آئی میں ابنِ حذیفہ ہوں ساتھ میرے قبیرہ بھی ہیں محمد حنفیہ بھی ہیں، علیؑ نے پوچھا کیوں آئے ہو، ادھر سے جواب آیا ہم نے آپ کے گھر کے چاروں طرف لشکر کا پہرا لگایا ہے، علیؑ نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے کیوں پہرے پر لشکر لگایا ہے کیوں لشکر کو تھکاتے ہو، آواز آئی بات یہ ہے کہ آج دن میں کوفے کے بازار میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے جو کسی خطرناک معاملے میں ملوث ہوتے ہیں، چہرے سے ان کے دہشت نکلتی ہے اور اس میں کا ایک آدمی کوفے کے بازار میں اپنی تلوار پر دھار رکھوار ہا تھا اور وہ کوفے کا نہیں معلوم ہوتا تو ہم سب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس خطرناک رات میں مولا کی حفاظت کریں گے، علیؑ نے کہا سنو اگر کسی کی موت آئی ہے تو تم کیا روک لو گے اور اگر کسی کی موت نہیں آئی تو کوئی اس کی موت کو بلا سکتا ہے جاؤ موت خود محافظ ہوتی ہے لشکر کو واپس لے جاؤ علیؑ کو اس لشکر کی ضرورت نہیں لشکر واپس چلا گیا لیکن حذیفہ کے دل میں محبت تھی، قبیرہ کے دل میں محبت تھی قبیرہ تو جا کے مسجد کی دیوڑھی سے لپٹ کر بیٹھ گئے کہ مولا نماز پڑھانے آئیں گے تو یہیں سے ساتھ آئیں گے جس در سے داخل ہوتے تھے اس در پہ قبیرہ وہیں زمین پر بیٹھ گئے ابنِ حذیفہ کہتے ہیں میں گھر واپس آیا لیکن چونکہ میں فوجی لباس پہنے ہوئے تھا تھک گیا تھا پورے کوفے کا گشت کیا تھا دن بھر حفاظت علیؑ میں اس لیے میں تھک گیا تھا اتنا تھکا تھا کہ میں نہ زہ اتار سکا نہ خود اتار سکا تلوار کمر سے اتار کر پہلو میں رکھ لی اور دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھا اور ایسے میں مجھے نیند آ گئی، ابنِ حذیفہ کہتے ہیں میں سو گیا میری آنکھ لگ گئی لیکن آنکھ اس وقت کھلی جب میری بیوی مجھے جھنجھوڑ رہی تھی میرے شانے کو میری بیوی نے بلایا اور کہا ابنِ حذیفہ تیری نیند پہ خاک ہوارے اٹھ کے تو دیکھ مسجد سے رونے

کی آوازیں آرہی ہیں دیکھ تو سہی یہ مسجد میں کیا ہوا کہا کسی آوازیں ہیں کہتی ہے میں نہیں جانتی کسی آوازیں ہیں لیکن آوازوں میں نمازی بار بار میرے مولا علیؑ کا نام لے رہے ہیں، ابنِ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے تلوار اٹھالی اور میں دوڑتا ہوا مسجد کوفہ کی طرف چلا کوفہ کی مسجد اور میرے گھر کے درمیان میں میدان فی فاصلہ تھا اندھیرا بہت تھا میں دوڑتا چلا ایک بار میں نے محسوس کیا سامنے سے کوئی بھاگتا چلا آرہا ہے میں نے اندھیرے میں آواز دی اسے شیخ کیا تو مسجد کی طرف سے آرہا ہے ذرا بتا تو مسجد میں کیا ہوا، اس نے کہا مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مسجد میں کیا ہوا، اس نے ایک طرف بھاگنا چاہا کہ ایسے میں بادلوں میں بجلی چمکی میری نظر اس پر گئی میں نے دیکھا اس نے قباء کے دامن میں تلوار چھپائی تھی اس کی تلوار سے تازہ لہو بہہ رہا تھا میں سمجھ گیا میں نے دوڑ کر دونوں بائیں اس کے گلے میں ڈالیں اس کو گرایا پیچھے سے ایک مجمع ایک غول دوڑتا ہوا آیا انہوں نے آواز دی اسے ابنِ حذیفہ یہ ابنِ ماجم ہے پکڑ لو یہ میرے مولا علیؑ کا قاتل ہے اسے پکڑ لو پورے مجمع نے ابنِ ماجم کو گھیر لیا، میں نے اس کے بازوؤں کو باندھ دیا اب راوی تو ابنِ حذیفہ ہیں کہتے ہیں سب قاتل کو پکڑ کر مسجد کی طرف چلے لیکن مسجد میں پہنچ کر ہم ہوش کھو بیٹھے اس لیے کہ ہم نے دیکھا کہ صفوں کی ترتیب میں لرزہ تھا اور ایسے میں میں نے دیکھا کہ مسجد میں میرا شہزادہ حسنِ مجتبیٰ داخل ہوا بس میں نے منظر یہ دیکھا کہ محراب عبادت میں میرے مولا بیٹھے ہیں اور سر سے لہو کا فوارہ تھا اور مٹی کو اٹھا کر سر میں ڈالتے جاتے اور کہتے رہتے کعبہ کی قسم آج علیؑ کا میاب ہو گیا، (تم سلامت رہو، لو ہو گئی تقریر آج تک کہ مصائب ختم ہوئے، اور دو جملے) جیسے ہی حسنِ مجتبیٰ آئے دیکھ کر بیٹے کو علیؑ نے کہا بیٹا تم نماز پوری کرو تم نماز پڑھاؤ، حسن میں اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھوں گا، حسنِ مجتبیٰ نے نماز پوری کروائی، جب

نماز کامل ہو گئی تو سارے نمازی علیؑ کی طرف دوڑے، ایک بار اٹھارہ بیٹوں نے علیؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور علیؑ نے کہا ایک کبیل لاؤ گلیم لاؤ گلیم لائی گئی علیؑ نے کہا اس پر مجھے لٹاؤ اور میرے بیٹے مجھے اٹھائیں بیٹوں نے علیؑ کو اٹھایا ابھی صحن مسجد تک آئے تھے ایک بار دیکھا سورج طلوع ہو رہا تھا سورج کو دیکھ کر کہا اے آفتاب تجھ کو قسم ہے اپنے رب کی بتا جب بھی تو نکلا ہے اس وقت کبھی تو نے علیؑ کو سوتے ہوئے دیکھا ہمیشہ تو نے علیؑ کو عبادتِ الہی اور سجدے میں دیکھا اور اس کے بعد ایک بار آسمان کو دیکھ کر کہا پروردگار قیامت کے دن جب تیرے انبیاء اوصیاء جمع ہو جائیں تو تو گواہی دینا کہ علیؑ نے کبھی تیری عبادت میں کوتاہی نہیں کی، پروردگار کو علیؑ نے گواہ بنایا اور اس کے بعد کہا میری سواری کو اٹھاؤ بیٹے سلیمان امانت کی سواری کو لے کر چلے (لو تقریر کا آخری جملہ) ابھی مسجد کوفہ کے صدر دروازے تک علیؑ کی سواری نہیں پہنچی تھی کہ بہت سی کنیزیں سیاہ چادر میں اور عورتیں کوفے کی بھاگتی ہوئی در پر آئیں اور آکر پکار کر کہا حسن مجتبیٰ زینبؑ کہہ رہی ہے بابا کو جلدی لاؤ، میرے بابا کو لاؤ ورنہ زینبؑ ابھی گھر سے نکل کر صحن مسجد میں آجائے گی، ایک بار علیؑ مڑے کہا زینبؑ سے کہو یہ کر بلا نہیں یہ حسینؑ کالا شہ نہیں تیرا بابا آ رہا ہے۔ یا علیؑ مولا، حیدر مولا، اتم حسینؑ۔

تقریر (علامہ سید ضمیر اختر نقوی)

حضرت مہتمم تمار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساری تعریف اللہ کے لئے درود و سلام محمد و آل محمد پر

مجالس تفسیر قرآن کی انیسویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں، سلسلہ عزائے مولا کی دوسری تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں ذکر تھا کل کہ عشق علی کی معرفتیں، عشق علی کی طلب، عشق علی کی ضرورت، عشق علی کے فوائد، عشق علی کیوں، عشق علی کس لیے، ہمیں آداب عشق علی کس نے سکھائے، عشق علی کے اصول کیسے مضبوط ہو گئے، اب تک ہم دعوے دار ہیں عشق علی کے، محبت علی کے حالاں کہ یہ دعویٰ آسان نہیں ہے لیکن چونکہ دل چاہتا ہے یہ دعویٰ کیا جائے تو ہم بھی لہو لگا کے شہیدوں میں شامل ہوتے ہیں لیکن پھر شرم سی آنے لگتی ہے کہ کیا واقعی ہم عشق علی کرتے ہیں تو جب جواب مکمل نہیں آتا تو دل گھبراتا ہے جب دل گھبراتا ہے تو پھر کہیں دل نہیں لگتا پھر یہی دل چاہتا ہے کہ کہیں دور نکل جائیں جہاں کوئی نہ ہو اور اگر کوئی ملے بھی تو وہ جو عشق علی میں ڈوبا ہوا ہو، کچھ دل چاہا بھی کہ اتنے لوگ مولا علی کا ذکر سننے آئیں گے چہارہ معصومین میں تو کیا سناں گے

ان کو، ہم کیا بتائیں گے عشق علیؑ بس اس پر جو دل گھبرایا تو ہم صحرا میں نکل گئے جانے وہ عشق علیؑ کی طاقت تھی چلتے چلتے اب جو محسوس کیا کہ کہاں آگئے تو کسی سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اس نے کہا کہ کیوں کہاں سے آئے ہو، ہم نے کہا ہم تو کراچی سے آئے ہیں، انجولی سے آئے ہیں وہاں مجمع بیٹھا ہوا ہے مجلس سننے، ہم ادھر نکل آئے، کہا تو مجمع چھوڑ کر کیوں آئے، میں نے کہا کسی کی تلاش میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا ملے جس کو لے کر میں چہارہ معصومین جاؤں اور وہ پورے مجمعے کو عشق علیؑ سنائے، کہا تو اتنی دور تم آگئے انجولی سے، میں نے کہا کیوں یہ کون سی جگہ ہے، کہا تم تو کوفے کے بازار میں کھڑے ہو، ارے بھائی یہ کوفے کی گلیاں ہیں تو میں بڑا حیران ہوا میں نے کہا کوفے تک آگئے ہم کو یقین نہیں آ رہا ہے اس نے کہا نہیں نہیں تم کوفے میں ہو تو میں نے اس آدمی سے کہا راستہ چلنے والے سے یہ بتاؤ کوفے کا بازار کہاں ہے اس نے مجھے اشارہ کیا کہا کہ ایسے جانا ایسے مڑ جانا پھر وہاں تمہیں کوفے کا بازار نظر آئے گا، چلتے چلتے میں کوفے کے بازار میں پہنچ گیا دیکھا تو بہت سے دکاندار اپنی دکانوں میں بیٹھے تھے ایک دکان دار سے میں نے پوچھا میٹم کی دکان کون سی ہے (واہ، واہ کا شور بلند ہے، مجمع بے خود ہو گیا ہے نعرے لگ رہے ہیں) تم سلامت رہو تم سے یہ رونقیں ہیں تو ایک دکاندار نے مجھ سے کہا کہ میٹم کی دکان یہاں نہیں ہے، میں نے کہا میں نے تو یہی سنا تھا کہ بازار میں ان کی دکان ہے کہا تم غلط آگئے کھجوروں کا بازار الگ ہے وہاں صرف کھجوریں بکتی ہیں میٹم کی دکان کھجوروں کے بازار میں ہے، کدھر سے جاؤں انہوں نے کہا ایسے جاؤ بس جب بازار ختم ہوگا تو کھجوروں کا بازار آ جائے گا تم وہاں کسی سے بھی میٹم کی دکان پوچھ لینا، میں کھجوروں کے بازار میں پہنچا، میں نے پوچھا میٹم کی دکان کہاں ہے دکاندار نے کہا یہ کیا ہے ان کی

دکان تو میں نے کہا یہ تو خالی ہے یہاں کوئی بیٹھا نہیں ہے، کہا نہیں ابھی تو بیٹھے تھے جانے کسی ضروری کام سے گئے ہوں گے روزانہ کہیں تھوڑی دیر کے لیے جاتے ہیں پھر آ جاتے ہیں، میں نے کہا کیا انتظار کروں، کہا کہہ نہیں سکتے کتنی دیر میں آئیں گے اور ویسے تم کسی اور سے پوچھ لو کوئی ان کا قریبی دوست ہو گا وہ بتا دے گا کہ اس وقت وہ کہاں ملیں گے، دل تھا بے قرار میں نے کہا انتظار کون کرے جس کا انتظار کر رہے ہیں وہ تو آ نہیں رہے ہیں تو میثمؓ کا انتظار کون کرے تو میں نے سوچا کہ میں اگر انتظار کروں گا تو لوگ کہیں گے بھائی امام کا انتظار کیا جاتا ہے صحابی کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ ہلکا ہے کیا جملہ نہیں ہم انتظار نہیں کریں گے، ہم جاتے ہیں میثمؓ کو ڈھونڈیں گے چلتے چلتے میں نے ایک آدمی سے پوچھا اس وقت میثمؓ کہاں ملیں گے اس نے کہا تم نے ابنِ حریش کا گھر دیکھا ہے، میں نے کہا بھائی میں کیا جانو ابنِ حریش کا گھر اور کون ابنِ حریش میں تو کراچی سندھ سے آیا ہوں مجھے تو اس شہر کا نقشہ ہی بدلا بدلا لگ رہا ہے میری سمجھ میں یہ گلیاں نہیں آرہی ہیں میں نے تو کھار اور کی گلیاں دیکھی ہیں میں کہاں جاؤں کیا کروں کہنے لگے اچھا آؤ میرے ساتھ یہ میدان پار ہو گا تو حریش کا گھر آئے گا وہاں تمہیں میثمؓ مل جائیں گے اس آدمی نے ایک میدان میں مجھے پہنچا دیا رک کر کہنے لگا وہ کھجور کا درخت جو لگا ہوا ہے نا، یہ آدمی جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے جاؤ یہ ہیں میثمؓ، میں پہنچ گیا تو میثمؓ کھڑے ہوئے اس درخت کو پانی دے رہے تھے تو میں نے اپنے کراچی میں تو دیکھا تھا کہ پھلواری کو پانی دیتے ہیں پیلے میں، چنبیلی میں، میں نے پہلی بار کھجور کے اتنے بڑے درخت کو پانی دیتے جو دیکھا تو میں نے کہا یہ تو سرسبز و شاداب درخت ہے یہ میثمؓ اسے پانی کیوں دے رہے ہیں تو میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، کہا کیا چاہتے ہو میں نے کہا میں آپ کی دکان پر گیا

تھا تو دیکھا دکان تو خالی پڑی ہے، کہا اب دکان میں دل نہیں لگتا پہلے دل لگتا تھا دکان پہ بہت دن ہو گئے اب دکان پہ بیٹھنے کو دل نہیں چاہتا تو یہاں آ جاتا ہوں اس درخت کی سیچائی کرتا ہوں تو میں نے کہا بھی دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ فضائل بہت اچھے پڑھتے ہیں مولانا علیؑ کے اب انہوں نے پانی کا وہ برتن رکھ دیا کہا تم نے کس سے سنا، میں نے کہا بھی میں نے تو کتابوں میں پڑھا ہے تو ہم آئیں ہیں آپ کے پاس دراصل ایک مجمع انتظار میں ہے، میں اسے چھوڑ کر آیا ہوں اگر آپ زحمت کریں تو میرے ساتھ چہارہ معصومین چلیں وہاں سب بیٹھے ہیں انتظار میں تو میثمؑ کہنے لگے بھی اگر علیؑ والے بیٹھے ہیں تو ہم انکار کیسے کر سکتے ہیں بھی سواری آئی کہ نہیں آئی چلو، چلو مڑ کر کہنے لگے میثمؑ دیکھو میرے لیے تو کوئی مسئلہ ہے نہیں مجھے نہیں معلوم کہ تم عشق علیؑ میں کس منزل پر ہو اس لیے کہ مجھے تو طے ارض کا معجزہ علیؑ نے دیا ہے میں پلک جھپکتے میں کہیں بھی پہنچ جاؤں اور مجھے پتہ ہے کہ چہارہ معصومین کہاں ہے اس لیے کہ بھی روئے زمین پر جہاں جہاں علیؑ کے فضائل پڑھے جاتے ہیں میثمؑ وہاں ہوتا ہے پلک بھی تو نہیں جھپکی تھی کہ آپ بھی تھے اور ہم بھی اور پھر ہوئی میثمؑ کی زیارت تو ہم نے میثمؑ سے پوچھا آپ کا عشق علیؑ کتنا پُرانا تھا، آپ نے علیؑ کو کب دیکھا، کہا کہ جاؤ سلمان سے پوچھو، ابو ذرؓ سے پوچھو برہا برس ہو گئے انہیں عشق علیؑ کرتے ارے میرا عشق تو چار برس کا تھا، میں چار برس تو مولانا علیؑ کے ساتھ رہا چار برس میں آپ کو اتنا عشق ہو گیا، کیا آپ کو فے میں ہی رہتے تھے شروع سے، کہا نہیں اب ہم تمہیں کیا سنائیں بچپن تھا ہمارا ہم چھوٹے سے تھے ہم کچھ بھی نہیں جانتے تھے کہ کیا میدان جنگ ہے کیا لڑائی ہے کم سنی کا زمانہ تھا دجلہ کے کنارے ہمارا گاؤں تھا بہت خوبصورت جگہ تھی ہماری پوری برادری کھجور کا کاروبار کرتی تھی اس لیے رتب

کو تر کہتے ہیں کھجور بیچنے والے کو بھی سب تمہارے کہتے تھے، ہمارے باپ کا نام یحییٰ تھا ہم اپنے باپ کے گھر سب کے ساتھ رہتے تھے کچھ بھائی تھے کچھ بہنیں تھیں، ہمارے گاؤں کی طرف سے ایک بڑا لشکر گزرا ہم نے پوچھا یہ کس کا لشکر ہے کہا یہ تو مسلمانوں کا لشکر ہے پوچھا یہ کہاں جاتا ہے کہا یہ ایران عراق پہ حملہ کرنے جا رہا ہے، حملہ ہوا لڑائی ہوئی پہلی بار میں نے جنگ دیکھی اپنی سرحد پہ کیوں کہ سرحدی گاؤں تھا، ہم کبھی ایران جاتے کبھی عرب جاتے ہمیں عربی بھی آتی تھی فارسی بھی آتی تھی اس لیے کہ عجم کے کنارے کنارے نہروان ہے اور ہم دریائے نہروان کے کنارے رہتے تھے دریائے کچھ دور پر، ایک دن ہم نے دیکھا کہ لڑائی کے درمیان ایک بوڑھا تقریر کرنے لگا تو ہم بھی بیٹھ کر سننے لگے اب جو تقریر سنی تو چونکہ کبھی میں نے ایسا بیان نہیں سنا تھا مجھے بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئیں جب تقریر ان کی ختم ہوئی تو میں قریب گیا میں نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے انہوں نے کہا مجھے سلمان فارسی کہتے ہیں چونکہ ہمارے عرب کے لوگوں کو فارسی نہیں آتی اس لیے ہم کو لایا گیا ہے کہ ہم ایرانیوں کو کچھ باتیں سمجھائیں، اسلام سمجھائیں تو ہم نے بھی پوچھ لیا کہ اسلام کیا ہے سلمان فارسی نے ہم کو بتا دیا، ہم نے کہا ہم کلمہ پڑھتے ہیں پھر ہم بھی مسلمان ہو گئے ہمارے باپ بھی مسلمان ہو گئے یہ فتح ایران کی بات ہے ہمارا الزکین تھا لیکن عجیب بات ہوئی جب قافلہ واپس ہوا تو اس نے ہمارے گاؤں پہ حملہ کیا اور اس کو اتنا لوٹا حالاں کہ ہماری برادری کے لوگ چیختے رہے کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہم مسلمان ہو گئے لیکن اس لشکر نے ہماری بات نہیں سنی تو بس لگتا تھا لٹیرے آئے ہیں اور لوٹ کر چلے گئے جب بستی ہماری اجڑ گئی تو ہم کو فنی کے قریب آ کر آباد ہو گئے پھر اس کے بعد کچھ اطمینان ہوا میرے والد نے کھجوروں کا کاروبار شروع کیا ایک دکان کھجور کی کھول

لی میں اس دکان پر بیٹھنے لگا یہاں تک کہ میری جوانی آگئی ابھی شباب میرا مکمل ہوا تھا کہ کونے میں شور ہوا کہ بادشاہ وقت آنے والا ہے اگر سواری کی شان دیکھنا ہے تو چلو، محلہ گناہ سے سواری داخل ہوگی لشکر ادھر سے آئے گا ہم بھی جا کے راہ میں بیٹھ گئے لشکر آیا اور بادشاہ بھی آیا اعلان ہوا مسجد کوفہ میں اتریں گے منبر پر تقریر کریں گے ہم بھاگتے ہوئے مسجد کوفہ میں آئے منبر کو ہم نے دیکھا اور جب منبر پہ ایک ایسے انسان کو دیکھا کہ اس شان کا آدمی ہم نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور جب بیان سنا تو ہم حیران رہ گئے ابھی بیان ختم نہیں ہوا تھا کہ میں دوڑ کر ان کے پیروں کو چومنے لگا پھر میں نے دیکھا دائیں اور بائیں دو خوبصورت شہزادے تھے پھر ایک شخص سے میں نے پوچھا یہ کون ہیں یہ حسن ہیں یہ حسین ہیں چونکہ میں عرب میں کسی عورت کے یہاں کام کرتا تھا ملازمت تھی تو اس کی غلامی میں تھا دکان پہ بھی بیٹھتا تھا، گزارا ہوتا نہیں تھا جیسے ہی مجھ کو دیکھا علی نے میرے چہرے کو دیکھ کر فوراً کہا..... سچ کہا تھا رسولؐ نے کہ مسجد کوفہ کے منبر پہ ہو گے تو میثمؓ آئیں گے تمہارے پیروں کو بوسے دینے کے لیے، منبر سے جواترے تو میرے ہاتھ کو تھام لیا کہا تیری مالکہ قبیلہ بنی اسد کی ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم، کہا رسولؐ اللہ نے بتایا تھا بس مجھے لیے ہوئے اس کے دروازے پر پہنچے کہا ابھی یہ کتنے میں بیچیں گی غلام، اس نے رقم بتائی مولا علیؑ نے جیب سے رقم نکالی اور اسے دے دی اور مجھے لے کر آگے بڑھے، کہا جاؤ میثمؓ تمہیں آزاد کیا اللہ کی راہ میں میں نے کہا ابھی ابھی تو آپ نے غلامی میں لیا اور ابھی آزاد کر دیا آپ نے ہم سے خدمت نہیں لی اور آزاد کر دیا، کہا میثمؓ آزاد اس لیے کیا ہے کل سے تم میرے پہلو میں بیٹھو گے روزانہ بس یہی خدمت ہے میثمؓ کہنے لگے کہ میں نے تو ایسا آقا ہی نہیں دیکھا میں جاؤ غا تو مسند کے پاس بٹھا لیتے اور پھر جو باتیں

کر تے تو پہلے یہ کہتے میثم ہماری حدیث بڑی سخت ہے اے میثم ہماری حدیث کا وزن ہر آدمی نہیں اٹھا سکتا اور یہ میں نہیں کہہ رہا رسول اللہ نے مجھ سے کہا کہ ہماری حدیث کا وزن یا ملک مقرب اٹھائے یا صادقین، اولیاء یا اوصیاء اور انبیاء اٹھا سکتے ہیں یا میثم تم وہ وزن اٹھا سکتے ہو، مجھے رسول اللہ نے یہ خبر دی ہے تو جو اس حدیث کی گہرائی کو نہیں سمجھے گا تو وہ بے تکی باتیں ہی تو کرے گا ٹی وی پر بیٹھ کر کہ علیؑ نے کوفے کو دار الحکومت کیوں بنالیا، میثم کو پڑھو معرفت حاصل کرو، معرفت حاصل ہی نہیں کرنا ہے مسلمانوں کو تو مجھے تو حاصل کرنے دو، اس مجمع کو تو حاصل کرنے دو بھی معرفت ہے بلند جہی تو میثم کو لے کر آئے ہیں اب میثم کی باتیں ہیں ہر ایک میری حدیث کا بار نہیں اٹھا سکتا، میں چلا جاتا رات ہوتی آدھی رات تو صحرا کی طرف چلے جاتے پھر تنہائیوں میں میں ہوتا اور علیؑ ہوتے حالاں کہ میں سمجھتا تھا کہ میں تنہا ہوں لیکن کم از کم چودہ آدمی ایسے تھے جو مجھ جیسے تھے ان میں رشید جبری، خُجرا بن عدی، کمیل بن زیاد بھی تھے اصغ بن نباتہ بھی تھے زید بن صوحان بھی تھے صعصہ بن صوحان بھی تھے یہ چودہ افراد تھے جو علیؑ کو صحرا میں ڈھونڈتے تھے محل میں نہیں، ادھر سے آئیں گے اور پھر معرفت کی باتیں سنائیں گے جن کا پتہ دوسروں کو نہیں اور جب ہم نہ جا پاتے، ہم نہ پہنچ پاتے تو عجیب مولا تھا میرا ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھجوروں کے بازار میں آتا میثم کہاں ہوا رے میثم کہاں ہے تو میں حیران ہو جاتا عرب اور عجم کا بادشاہ کھجوروں کے بازار میں آ رہا ہے، سیدھے میری دکان پر آ جاتے، میں ترازو میں کھجوریں تول رہا ہوتا آتے ہی بیٹھ جاتے میری دکان پر اب تمام دکاندار اپنا کاروبار چھوڑ دیتے خلیفہ وقت میثم کی دکان پر تشریف فرما ہیں پھر میرا ہاتھ تھام کر کہتے میثم تھک گئے ہو گے، بچے چھوٹے ہیں یاد آتے ہوں گے گھر پہ کچھ کام ہو گا جاؤ ہو کے آ جاؤ، کہنے

لگے مولا تو کیا دکان خالی رہے گی، کہا ہم بیٹھے ہیں، بتاؤ کہیں ایسا حاکم تم نے دیکھا کیوں کہ حکم تھا تو ہم گھر چلے جاتے میرے چھ بیٹے تھے صالح، شعیب، سب سے چھوٹا مجھے بہت پیارا تھا تو مولا کے نام پہ میں نے اس کا نام علی رکھا تھا اس کو میں علی کہتا تھا پیار سے، بچے چھوٹے تھے اس لیے میں گھر آ جاتا ایک دن عجیب بات ہوئی بعد میں مجھے بازار میں پتہ چلا تمہیں پتہ ہے تم چلے جاتے ہو بعد میں جب گا ہک آتے ہیں تو تمہارے مولا ترازو میں کھجور بیچتے ہیں یعنی میری روزی کو موقوف نہیں کیا مولا نے، ایک دن جو میں آیا تو درہم و دینار پہ نظر گئی کہ مولا سے پوچھوں کہ کوئی گا ہک آیا تھا، میں نے دیکھا کہ سامنے ایک سکہ پڑا ہوا تھا میں سمجھ گیا کہ کوئی گا ہک آیا تھا اور مولا نے کھجوریں بیچی ہیں، میں نے جلدی سے وہ سکہ اٹھایا اب جو میں نے دونوں طرف پلٹ کر دیکھا تو میں نے کہا مولا یہ تو کھوٹا ہے تو مولانے کہا یہ کھوٹا ہے اگر تو کھجوریں بھی کڑوی ہیں، میثم کہتے ہیں کہ ابھی مولانے کہا ہی تھا ایک آدمی ہاتھ میں کھجوریں لیے اور تھوٹھو کرتا ہوا آیا کہ یہ کڑوی کھجوریں دے دیں تو مولانے کہا یہ کھوٹا سکہ بھی تولے جاؤ لے جاؤ یہ سکہ، میں نے کہا میثم سے کہ تم تو بہت قریب ہو گئے میرے مولا کے اب کون اتنے قریب ہو گا میثم یہ بتاؤ عشق علی کیا اتنا آسان ہے کہ چار برس میں سیکھ لیا جائے، میثم کہنے لگے آسان نہیں ہے عمر گزری ہے سلمان فارسی، ابوذرؓ و مقدادؓ اور عمارؓ کی ٹوٹے ٹوٹے برس گزارے ان لوگوں نے تو میں نے کہا کہ پھر چار برس میں تم نے وہ عشق کیسے سیکھ لیا جو ٹوٹے اور اتنی برس میں ان بڑھوں نے سیکھا، کہنے لگے تم کیا ہمارے سارے راز آج امام بارگاہ چہارہ معصومینؑ میں پوچھ لو گے تو میں نے کہا کہ میں لایا کیوں ہوں آپ کو امام بارگاہ چہارہ معصومینؑ میں، یہ سب بیٹھے کیوں ہیں کچھ راز تو بتائیں یہ محبت میں ڈوبے لوگ محبت ہی سننا چاہتے ہیں تو کہا سنو کسی سے علم

اگر سیکھنا ہے تو صرف علم سیکھنا آسان ہے میں نے کہا پھر، کہنے لگے دیکھو علم اگر آ بھی جائے تو کام نہیں آئے گا اس کے لیے ایک چیز کی ضرورت ہے میں نے کہا کیا چیز علم کے ساتھ کیا ہو، کہا جب تک علم کے ساتھ بصیرت نہیں ہے کام نہیں آتا اور میں نے کہا بصیرت کیسے آتی ہے، میثم نے کہا اس کے لیے عقل کامل ہو جائے میں نے کہا کچھ اور بھی سمجھائیے اس لیے کہ آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ سب عربی بیٹھے ہیں، عجمی بیٹھے ہیں ارے ذرا میثم دیکھئے تو چہرے تو دیکھئے یہ سارے مہاجر بھی نہیں ہیں بھئی اگر لکھنؤ میں پیدا ہوئے ہوتے تو بھی صحیح ہے بات سمجھ میں آ جاتی سب کراچی میں پیدا ہوئے انہوں نے آنکھ کھول کر سندھی سنی پنجابی سنی پشتو سنی بلوچی سنی اردو تو بس پڑھ لی اور عربی یہ لوگ پڑھتے نہیں کسی ایک مولوی کو نجف بھیج دیتے ہیں تم پڑھ کے آؤ سب کے حصے کا اور جب وہ پڑھ کے آ جاتا ہے تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں، میثم یہ صرف اسی پہ خوش ہوتے ہیں قرآن سے پڑھ رہا ہے، قرآن سے پڑھ رہا ہے اسی پہ خوش ہیں کہ قرآن سے پڑھ رہا ہے وہ کیا پڑھ رہا ہے بس قرآن سے پڑھ رہا ہے ارے میثم کہنے لگے کیا باتیں کرتے ہو قرآن ہم نے مولاعلیٰ سے پڑھا، چار سال میں آپ نے قرآن بھی پڑھ لیا کہا قرآن تھوڑی تفسیر بھی پڑھی چار سال میں آپ نے تفسیر بھی پڑھ لی، کہا ہاں بھئی تم سن چکے ہو نہ کہ بہت اچھے راج دلارے شاگرد عبد اللہ ابن عباس تھے مولاعلیٰ کے برہنہ برس کے مدینے میں میں نے کہا ہاں جی ہاں تھے کہنے لگے وہ تو تم نے سنا ہو گا نا کہ انہوں نے سورہ الحمد کی تفسیر پوچھ لی تھی پوری رات گزر گئی اور بائے بسم اللہ کے نقطے کی شرح ہوتی رہی صبح ہو گئی اتنے پائے کے مفرزتھے، میں نے کہا جی کہنے لگے ایک دن وہ شہادتِ مولاعلیٰ کے بعد میرے آخری دور میں کو فہ آ گئے کو فہ میں شور ہوا کہ عبد اللہ ابن عباس مولاعلیٰ کے شاگرد ہیں میں پہنچ گیا

انہوں نے کہا کہ کون، میں نے کہا میثم، کہا آؤ آؤ بڑی تعریفیں کرتے تھے میرے استاد علیؑ، میں نے کہا دیکھئے میرے استاد علیؑ میرے چچا زاد بھائی میثم کہنے لگے رشتہ داریاں نہ بتائیے وقت کم ہے اگر تفسیر لکھوانی ہے میں بولتا ہوں آپ لکھیے وقت کم ہے میرے پاس، عبد اللہ ابن عباس نے قلم اٹھایا کہا میثم، کہا کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے قرآن میں نے علیؑ سے سیکھا ہے، میں نے اس کے اسرار اس کے رموز علیؑ سے سیکھے ہیں جلدی لکھیے میں بولتا گیا عبد اللہ ابن عباس لکھتے گئے ذرا سا وہ دیر لگاتے قلم رکتا تو میں ادھر ادھر دیکھ کر ایک جملہ کہتا وہ چونکتے لیکن وہ لکھنے میں منہمک تھے ایک بار مجھے پسینہ جو آیا میں نے اپنا عمامہ اتارا میں نے کہا آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں آپ کا کیا حال ہو گا جب آپ سنیں گے کہ میثم کو کھجور کے درخت پر سولی پہ لٹکایا گیا، عبد اللہ قلم رکھ کر کہنے لگے تم تو کاہنوں کی جیسی باتیں کرتے ہو کہا ایک بات سن کر آپ نے مجھے کاہن کہہ دیا قیامت تک میں جتنی بلائیں اور مصیبتیں آئیں گی کہیں تو سناؤں سب مولانا بتایا تھا آپ تو ابھی تفسیر کا علم ہی جانتے ہیں علم منایا یہ علم بلایا میں نے علیؑ سے سیکھا وہ حدیثیں میں نے علیؑ سے لی ہیں جن کا وزن صرف فرشتہ اٹھا سکتا ہے یا انبیاء اٹھا سکتے ہیں اگر آپ وزن اٹھا سکیں تو پتہ چلا اس کا وزن میثم اٹھا سکتے تھے عبد اللہ ابن عباس نہ اٹھا پائے اس لیے علیؑ نے ان کو نہیں بتایا اب ذرا اپنے دل کو تم ٹٹو کہ آج تم کیسے سن لیتے ہو وہ حدیثیں، آج تم کیسے سن لیتے ہو تو اگر نہ ہوتے میثم، نہ ہوتے قبیر اور ہمیں معرفت کی راہ نہ بتاتے تو ہم بھی نہیں سن سکتے تھے سن کر پاگل ہوتے، کپڑے پھاڑ کر کہتے غلط (معاذ اللہ) اس لیے تو ہم نے آپ کو زحمت دی ہے ہم آپ سے حدیثیں تھوڑی سنا چاہتے ہیں حدیثیں تو ہم نے سب پڑھ لیں سلیم بن قیس کی کتاب میں نے پڑھ لی، ہم نے آپ کو

اس لیے بلایا ہے کہ آپ نے حدیثوں کا وزن کیسے اٹھایا وہ بتا دیجئے، تو تم جب حدیثیں سن چکے ہو تو یہ کیوں پوچھ رہے ہو مجھ سے، میں نے کہا اس لیے کہ کوئی نیا فارمولا ہمیں بتا دیجئے کچھ لوگ انکار کرتے ہیں ہماری باتوں کو ہم سے سنتے ہیں باہر جا کر پردہ پیگنڈہ کرتے ہیں کہ ہم ضمیر اختر کے علم کے تو قائل ہیں لیکن ان کے عقائد ہمیں پسند نہیں ہیں ان کو سنانا ہے، کہنے لگے ایسے بھی بد تمیز لوگ یہاں رہتے ہیں، ایسے کینے لوگ بھی یہاں رہتے ہیں میں نے کہا جی ہاں رہتے ہیں ہمیں بتائیے تاکہ ہم ان تک کچھ پہنچائیں، کہنے لگے تو سنو علم لینے کے لیے ظرف کا وسیع ہونا ضروری ہے اگر کسی کے پاس ظرف نہیں تو چاہے جتنا لکھ پڑھ لے، سیکھ لے شاعری، کرے خطابت اگر ظرف نہیں تو سب بے کار تو ایسے کم ظرف اگر تمہیں ملیں تو ان کے سامنے کچھ نہ بتانا انہیں کچھ نہ سکھانا پہلے ان کا ظرف آزماؤ کہ عشق علیٰ ان کے ظرف میں سماتا ہے یا نہیں اور ظرف بڑا اس کے پاس ہوگا جوتخی ہوگا، کنجوسوں کے پاس ظرف نہیں ہوتا یہ کہا مجھ سے میثم نے تو میں نے میثم سے کہا آپ کو کتنے علوم علی نے دیئے، کہا ہمیں علم اموات دیا یعنی ہم چہرہ دیکھ کر بتا دیں گے کہ کب مرنے والا ہے، کیسے مرے گا اپنی موت مرے گا یا مارا جائے گا یہ علم مولانا ہمیں دے دیا، کوئی بلا پہلے سے آنے والی ہے ہمیں پہلے سے پتہ ہے کہ یہ بلا آنے والی ہے آگے کیا گزرے گا ہمیں معلوم ہے یہ علم مولانا ہمیں دیا اور کیا بتایا آپ کو کہا بھی ہم تمہیں کیا کیا بتائیں کہ کیا کیا بتایا یہ سمجھ لو کہ ایک دن حبیب ابن مظاہر ہمیں مل گئے تھے بازار میں تو وہ ذرا گورے رنگ کے تھے حبیب اور بال ان کے ذرا بھورے بھورے تھے تو وہ خضاب خرید رہے تھے، میں نے کہا اے حبیب کیا دن ہو گا وہ جب تمہاری داڑھی اور تمہارے سر کے بال خون سے خضاب ہو جائیں گے تو حبیب پلٹے اور کہنے لگے اچھا واقعہ کر بلا تمہیں

بھی معلوم ہے، میثمؑ نے کہا صرف معلوم نہیں ہے میرے مولانا نے پورا واقعہ سنایا ہے کہا اچھا سچ کہا تم نے لیکن مجھے بھی تو مولانا نے کچھ بتایا ہے اور تمہارا اس دن کیا حال ہوگا جب حریت کے گھر کے سامنے کھجور کے درخت پر لٹکایا جائے گا، پھانسی دی جائے گی تو پھر میں نے پلٹ کر کہا کہ حبیب تمہارا سر تو نیزے پہ رکھا جائے گا بھرے بازار میں تماشا بنا کر پھرایا جائے گا تو حبیب مجھے دیکھنے لگے اور پھر حبیب سمجھ گئے کہ کتنا علم میں نے مولانا سے لیا ہے حبیب اپنی راہ چلے گئے میں اپنی راہ چلا گیا بعد میں مجھے پتہ چلا رشیدؒ حُجری آئے وہ کہنے لگے کہ یہاں کیا کوئی دو اشخاص آئے تھے دکاندار کہنے لگا اشخاص کیا دو دیوانے تھے، کیا کہتے تھے، کہا وہ عجیب باتیں کر رہے تھے ایک دوسرے کو موت کی خبر دے رہے تھے، رشیدؒ حُجری نے کہا مجھے بتاؤ تو کیا جملے کہے تھے، کہا ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمہارا سر نیزے پہ پھرایا جائے گا تو رشیدؒ حُجری کہنے لگے خدا رحمت نازل کرے میثمؑ پہ بتانا بھول گئے کہ جو نیزے پہ سرائے گا اسے سو روپے انعام ملے گا تو میں نے میثمؑ سے کہا کہ کیا آپ یہ جملہ بھول گئے تھے واقعہ کر بلا آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نے مولانا سے سنا تھا یہ جو حبیب کے سر کو اٹھانے والا ہے نیزہ لے کے آئے گا اس کی تنخواہ میں سو روپے اضافہ ہو ایہ بات کیا آپ بھول گئے تھے، کہا نہیں بھولے تھوڑی جو ہمیں معلوم تھا وہ حبیب کو بھی معلوم تھا جو حبیب کو معلوم تھا وہ رشیدؒ حُجری کو بھی معلوم تھا یہ کیوں انہوں نے کہا کہ بھول گئے، کہا نہیں ان سے سہو ہوا بتایا سب کو تھا لیکن کچھ حصوں کے بتانے کی اجازت تھی کچھ کی اجازت نہیں تھی جہاں تک مجھے اجازت تھی میں نے بتایا جہاں تک رشیدؒ حُجری کو اجازت تھی وہاں تک انہوں نے بتایا اچھا یہ ہے ظرف کی بات ورنہ اگر کوئی کچھ سن لے تو چاہتا ہے کہ سب پیٹ سے نکال کر رکھ دے بات کہنا آسان ہے روکنا مشکل ہے لیکن جب

سب کہہ جاتا ہے آدمی تو بڑا پیٹ ہلکا ہے نہیں روکی نہ پیٹ میں بات یہ تھی مشکل منزل کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا معلوم تو سب ہے تو میں نے کہا کہ عشق میں آپ بڑھتے چلے گئے کہ مصیبتوں کے بارے میں آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا تو کیا اپنے بارے میں بھی آپ کو معلوم ہوا، کہا ہاں وہ تو ہر وقت جب کوئی اچھا کام میں کرتا تو مولا یہی کہتے کیا حال ہوگا تیرا میثمؑ جب تجھے سولی پہ لٹکایا جائے گا سنتے سنتے میں عادی ہو گیا مولا ہمیشہ کہتے بھی کیا حال ہوگا تیرا میثمؑ کہتے کہ ہر بار کوئی نیا جملہ کہتے تو پھر میں رُک جاتا اس لیے کہ یہ جملہ تو میں سن چکا تھا ایک دن کہنے لگے کہ دیکھو وہ حاکم تمہیں بلائے گا اور تم سے کہے گا کہ علیؑ سے بیزاری کرو، علیؑ پہ تبرہ کرو تو میثمؑ ایسا کرنا نہ مجھے گالی دے لینا مگر تبرہ نہیں کرنا اس لیے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اگر گالی دینے سے تمہاری جان بچ جائے تو گالی دے لینا، کہا نہیں جان نہیں بچانی اب بتائیے، کہا تو پھر پھانسی چڑھو گے، کہا یہ میرے لیے کچھ نہیں ہے ارے کہاں سمجھ میں بات آئی ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے کہا میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں کہا میں صبر کروں گا، میثمؑ نے یہ نہیں کہا کہ میرے لیے یہ بہت کم ہے.....

مولا کہتے ہی رہتے میں سنتا ہی رہتا تو میں کہتا میں یہ تو نہیں کہہ سکتا، نہ میں گالی دوں گا نہ ہی آپ کو برا بھلا کہوں گا میں نے تو عشق کیا ہے مولا نے کہا، ہاں کنا سہ کے میدان میں کھجور کا درخت ہے وہ کاٹا جائے گا اس کے ایک ٹکڑے پہ تمہیں سولی پر چڑھایا جائے گا ایک دن میں نے پوچھا کہ یہ کون کرے گا کہا کمینہ بدکار عورت کا بیٹا زین زانیہ کا بیٹا ابن زیاد آج مجھے میرے مولا نے قاتل کا نام بتا دیا اور جگہ بھی بتادی میں نے جگہ کی رکھوالی شروع کر دی اور میں سرحد کوفہ پر قاتل کا انتظار کرنے لگا کب آئے گا ابن زیادہ آج لوگ قاتل سے دور بھاگتے ہیں علیؑ والے قاتل کا انتظار کرتے ہیں یہ ہے عشق علیؑ، میں نے کہا میثمؑ یہ آپ کیسی باتیں

کر رہے ہیں ہم انجولی والے ہیں، بہت ڈرتے ہیں، ہم دھماکے وغیرہ سے آپ تو ہمیں خوف دلا رہے ہیں، کہنے لگے میثم کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو آج تمہارے دل مضبوط نہ ہوتے تو آج تم عشق علیؑ پر جے نہ رہتے تم بھی بھاگ رہے ہوتے! ادھر ادھر، میں نے کہا میثم سے کہ میرے مولا کے عقیدے میں تقیہ بھی تو ہے آپ نے تقیہ کیوں نہیں کر لیا، میثم کہنے لگے سنو ہم تمہاری کسی بات پہ غصہ نہیں کریں گے اس لیے کہ ہم اعلیٰ فطرت ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا علم کم ہے ہم تمہیں سکھائیں گے تم ہم سے پوچھ رہے ہو تقیہ کیوں نہیں کیا ارے تقیہ کر کے بھاگ جاتے عشق علیؑ تم تک کیسے پہنچتا، میں نے کہا میثم آپ تو بلوغ باتیں کرتے ہیں ذرا تشریح تو کر دیں، میثم تمار کہنے لگے نہیں ہم نے مولا سے یہ سیکھا ہے کہ ہم جھنجھلاتے نہیں ہیں، جاہل بار بار پوچھیں ہم بتائیں گے پوچھو، بس یہ بتا دیجئے میثم کہ آپ نے تقیہ کیوں نہیں کیا، کہا ابھی تو تم نے پوچھا میں نے کہا ایک بار اور بتا دیجئے کچھ اور شرح کر دیجئے، سنو تقیہ وہاں ہوتا ہے جہاں یہ یقین ہو کہ جان بچ جائے گی، جب موت سامنے آ جائے تو تقیہ کرنا بز دلی ہے تو پھر تقیہ نہیں اب تو جان جائے، میں نے کہا کہ کوئی مثال، کر بلا میں حسینؑ کو معلوم تھا کہ کہیں بھی جائیں بنی امیہ چھوڑیں گے نہیں تو حسینؑ نے تقیہ نہیں کیا میں تقیہ کیوں کرتا اور اگر میں تقیہ کر کے چلا جاتا تو بنی امیہ کو دربار میں گالیاں کون دیتا، میثم کہنے لگے تم امام بارگاہ چہارہ معصومین میں اتنا سا مجمع لے کر بیٹھ جاتے ہو تم سمجھتے ہو بڑا مجمع ہے ارے ہم کوفہ کی ایک گلی میں اس سے دس گنا زیادہ مجمع جمع کر کے کہتے ہیں آؤ فضائل علیؑ سنو مجھے لگ جاتے لیکن اگلا جملہ بہت سے لوگ کمزور دل کے برداشت نہیں کر پائیں گے میثم نے مجھ سے کہا کہ میں صرف یہ نہیں کہتا تھا کہ آؤ فضائل علیؑ سنو اس لیے کہ یہ جابر بھی کہتے تھے، یہ غمار بھی کہتے تھے، یہ ابوذر بھی

کہتے تھے اگلا جملہ کہتا تھا آؤ فضائل علیؑ سنو اور بنی امیہ کے عیب سنو آؤ میں بتاؤں کہ کیا ہیں بنی امیہ تو میں تو لی اور تیرہ دونوں اپنی تقریر میں رکھتا تھا، میثمؑ اچھا ہوا تم نے بتا دیا ہم تمہاری سیرت پر چلنا چاہتے ہیں تم مدد دو گے، کہا ہم ساتھ ہیں، میثمؑ نے کہا ہم ساتھ ہیں اب کیا ڈر ہے میثمؑ تمہارے ساتھ ہیں ابنِ حرث دشمنِ اہل بیتؑ تھا لیکن کھجور کے درخت کے سامنے اس کا مکان کناسہ میں تھا جب بھی نکلتا میں پکار کر کہتا ابنِ حرثؑ ہم تمہارے پڑوس میں آنے والے ہیں وہ کہتے میں سمجھتا کہ مکان یہاں نیا لینے والے ہیں، اپنا محلہ چھوڑ دیں گے میں ابنِ زیاد سے جا کر میثمؑ کی شکایت کرتا یہ ابنِ حرثؑ نے بیان کیا میثمؑ کو معلوم تھا میثمؑ نے بیان کیا اسی نے جا کہ بتایا اس نے کہا کہ میثمؑ بنی امیہ کے عیب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کوفے والوں کو بنی امیہ سے نفرت ہو جائے گی اور پھر تختہ الٹ جائے گا تم لوگوں کا میثمؑ کے بیانات سے کچھ کرو، جب سے میثمؑ کی شکایتیں ابنِ زیادہ نے سنی پریشان رہنے لگا پریشان اس پنہیں تھا کہ فضائل علیؑ پڑھ رہے ہیں پہلا ٹکرایا تھا جو کھلے عام کوفے کی گلیوں میں ان کے کالے کرتوت سنارہا تھا، اسے معلوم تھا شام تک خبر جائے گی اور ہم سے سوال طلب ہوگا غصے میں تو رہتا ہی تھا ایک دن جو نکلا تو پرچم والا پرچم لیے ہوئے تھا ابنِ حرثؑ کے گھر کے سامنے جو شاہراہ تھی ادھر ہی سے نکلا جاتا تھا کناسہ، پرچم جو ہوا سے لہرایا تو کھجور کے درخت میں انک گیا پرچم پھٹ گیا وہیں رُکا اور رُک کر کہنے لگا درخت کاٹ کر پھینک دو، منحوس ہے یہ درخت اس میں الجھ کر ہمارا پرچم پھٹ گیا آرے لے کر بڑھی آئے پورے درخت کے تنے کے چار ٹکڑے کیے اور وہاں ڈال کر چلے گئے کوئی دوڑا دوڑا آیا کہا میثمؑ وہ جس درخت کو تم پانی دیتے تھے کٹ گیا سنا تم نے مجھے پتہ چلا تھا کہ درخت کاٹ ڈالا گیا، میثمؑ نے اپنے بڑے بیٹے عمران کو بلایا میں نے کہا

عمران ایک کیل لے لو اور جلدی سے جاؤ ان چاروں ٹکڑوں میں جو سب سے چھوٹا ٹکڑا ہے اس پہ کیل سے میرا نام لکھنا، میثم ابن یحییٰ میرے باپ کا نام اور کیل اسی میں ٹھونک دینا، عمران ابن میثم کہتا ہے کہ بعد میں میں نے جا کر دیکھا تو یہ وہی تھا اب میں نے بہت پوچھا میثم سے کہ کیا مولانا نے چاروں ٹکڑوں میں پہچان کوئی بتائی تھی کہ یہ والا ٹکڑا آپ کا ہے کہا ہاں تو میں نے کہا کہ لکڑی میں کیسے پہچان ہو گی تو یہ چاروں ٹکڑوں کا ہوا کیا میثم نے یہ کہا تھا کہ ایک ٹکڑے پر محمد بن اکثم کو پھانسی دی جائے گی ایک پہ رشید حجری کو ایک پہ خالد بن مسعود کو اور ایک پہ تم کو تو میں نے کہا کہ ٹکڑا آپ اپنا خود دیکھتے تو پہچانتے بیٹے کو آپ نے کیسے بتا دیا کہ کیل لگا کر آ جاؤ بولے یہی تو علم معرفت ہے جو مولا کے پاس بیٹھ کر سیکھا جاتا ہے یا جو مولا سے معرفت کرتا ہے وہ سکھا سکتا ہے اس کی شرح نہیں ہو سکتی میں نے کہا نہ بتائیے مگر اتنا تو بتائیے کہ آگے کیا ہوا، میثم کہنے لگے میں اس دن کا انتظار کرنے لگا تین ٹکڑے وہاں سے غائب ہو گئے ایک پڑا رہا، ذی الحج کا مہینہ آیا تو میں سوچنے لگا کہ میرا آخری سال ہے چلو حج کرائیں میں حج کے لیے گیا حج کرنے کے بعد میں یہ سوچنے لگا کہ مدینے بھی ہواؤں قبر نبیؐ کی زیارت کے لیے میں نے قبر نبیؐ کی زیارت کی اور میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا جیسے ہی ام المومنین ام سلمہؓ کو پتہ چلا کہ میثم آئے ہیں اپنے غلام کو آواز دی کہا کہ عطر کی شیشی لاؤ اور ان کی ریش میں، بالوں میں، زلفوں میں عطر لگاؤ میثم کہنے لگے آپ اتنا اہتمام کیوں کرتی ہیں کہا کہ بس اس لیے یہ اہتمام کیا کہ بہت جلد تمہاری یہ ریش خون میں تر ہونے والی ہے، میثم نے کہا کہ کیا آپ کو بھی یہ راز معلوم ہے تو ام سلمہؓ نے کہا کہ رات کو جب میرے حجرے میں سناٹے میں علیؑ کو کچھ رسولؐ بتاتے تو کچھ کچھ میں نے بھی سنا، تو میں نے کہا کہ کیا میرے آقا حسینؑ یہاں نہیں

کہا ہاں وہ بیرون مدینہ گئے ہیں لیکن میثم جتنا حسین تمہیں یاد کرتے ہیں اتنا کوئی مدینے میں تم کو یاد نہیں کرتا بار بار آ کر مجھ سے تعریف کرتے ہیں کہتے ہیں نانی میثم کا جواب نہیں، اتنا بڑا دل میرا ہو گیا میثم کہنے لگے کہ میرا شہزادہ میری تعریفیں کرتا ہے تقریر ختم ہو گئی میثم کو کوئی جاننا ہے لیکن ہم سب میثم کے ساتھ آج کوئی چلیں گے میثم کو اکیلے نہیں جانے دیں گے آج تو کوئی جاننا ہے میثم کہتے ہیں کہ میں مدینے سے واپس ہوا جیسے ہی کوئی داخل ہوا دوسو آدمی کو تو الی شہر کے ساتھ موجود تھے مجھے دیکھتے ہی داروغہ نے کہا میثم تم آگے ابن زیاد کا حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ جلد از جلد میثم کو لا کے سامنے پیش کیا جائے قید کر کے، میثم کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ وہ دن آگئے ہیں تمہارا آخری حج ہو گا مجھے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا ابن زیاد نے مجھ سے کہا کہ سنا ہے کہ تم علی کے بہت دُلا رہے تھے، کہا ہاں وہ آقا ہمارے تھے ہم ان کے غلام تھے وہ اپنے ہر غلام سے محبت کرتے تھے، کہا تم ان کی جھوٹی حدیثیں سناتے ہو، کہا تجھ سے کس نے کہا، کہا حریث نے کہا جھوٹ بولتا ہے میں سچی حدیثیں سناتا ہوں وہ جھوٹا ہے ابن زیاد نے کہا میں تمہیں قتل کر دوں گا ورنہ علی سے بیزاری کرو تو میثم نے کہا کہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا لیکن میں علی سے بیزاری نہیں کروں گا ابن زیاد نے کہا کہ کیا معلوم ہے تمہیں کیا معلوم ہے، کہا ہاں میرے مولا نے بتایا ہے کہ بدکار عورت کا بیٹا زنا زادہ کمینہ خصلت ابن زیاد تمہیں قتل کرے گا چوٹ کھایا ہوا سانپ دیکھیں یہ منزل کیا ہے یعنی میثم کو معلوم ہے کہ میں قتل کیا جاؤں گا تو بھائی موقعہ کیوں چھوڑ دیں نہیں سمجھے بھی قتل تو ہونا ہے تو کیا دب کے زبان بندی کر کے جائیں ارے وہ تو بتاتے جائیں جو اس کی حقیقت ہے، کیا بتایا ہے علی نے میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا اب غصے

میں اٹا ہوا ہے اور تازیانہ ہاتھ میں ہے میثم نے کہا یہ بھی مولا علیؑ نے بتایا ہے کہ تو میرے ہاتھ کاٹے گا تو میرے پیر کاٹے گا، کہا اور کیا علیؑ نے بتایا ہے، کہا کہ علیؑ نے بتایا کہ تمہیں قتل کرنے سے پہلے تیرے پیٹ میں خنجر ڈالا جائے گا، پیٹ کو چاک کیا جائے گا، زبان کو کاٹا جائے گا، کہا تو آج میں کوفے والوں کو دکھاؤں گا کہ تیرا مولا علیؑ (نعوذ باللہ) جھوٹا تھا، میں نہیں کاٹوں گا تیری زبان تاکہ ساری دنیا تجھ پہ بھی ہنسے کہ تو بھی جھوٹ بولتا ہے تیرا مولا بھی، جلد سے کہا اس کے ہاتھ پیر کاٹ دے، کناسہ کے درخت کی لکڑی پہ گاڑ دو اس کو کیلوں سے لے جاؤ، میثمؑ کہتے ہیں مجھے زخمی حالت میں کناسہ کی لکڑی پہ کیلوں سے میرے ہاتھ پاؤں ٹھونک دیئے ایسے میں میں نے آواز دی ابنِ حریث میں کہتا تھا پڑوس میں آ رہا ہوں آگیا ناب اگر انسانیت ہے تو میرا ایک کام کرو تم تو دشمنِ اہل بیت ہو لیکن مرنے والے کی وصیت پوری کی جاتی ہے کہا تھوڑا سا پانی لاؤ حریث نے اپنے بیٹے کے ہاتھ پانی بھیجا میثمؑ نے کہا یہاں پانی چھڑکو، زمین کو صاف کر دو خاک کو ہٹا کر پانی چھڑکو پھر میں نے کہا لاؤ تھوڑی سی لو بان اور اگر بتی لا کر یہاں سلگاؤ اگر بتی اور لو بان سلگائی گئی کہا میں نے محفل سجائی ہے ذکرِ علیؑ کی یہ دار نہیں ہے یہ میثمؑ کا منبر ہے کوفے والو آؤ وہ حدیثیں سناؤ جو تم نے اب تک فضائلِ علیؑ میں نہیں سنیں اور وہ لعنتیں بنی امیہ کی بتاؤ جو تم نے نہیں سنیں ذرا سی دیر میں ہزاروں کا مجمع ہوا اور سب قلم کاغذ لائے تھے میثمؑ کہہ رہے تھے جلدی جلدی لکھو میں سنا تا ہوں لکھتے جاؤ لکھتے جاؤ دار کو منبر بنانے والے ذکرِ علیؑ کا منبر بنانے والے اے میثمؑ تجھ پر ان سارے ماتم داروں کا سلام، حریث بھاگا ہوا گیا، کہا ابنِ زیاد تجھ کو پتہ ہے کہ انقلاب آ جائے گا ہزاروں کا مجمع میثمؑ کو سن رہا ہے اور وہ فضائل سن رہے ہیں اور جھوم جھوم کر سن رہے ہیں ہاتھ پیروں سے لہو بہہ رہا ہے مگر زبان ہے کہ

فصاحت اور بلاغت سے چل رہی ہے اور بنی امیہ کو گالیاں دے رہے ہیں اگر تو نہیں روکے گا تو سمجھ لے تیری پیش تباہ ہو گئیں اور نکھوار ہے ہیں میثمؓ، جلاؤ کو حکم دیا میثمؓ کی زبان کاٹ کر میرے پاس لے آ جلاؤ خنجر لے کر چلا جاتے ہی غصے میں پیٹ پر کوکھ پر ناف کے نیچے خنجر مارا خنجر کھینچا میثمؓ نے کہا کیوں آیا، کہا ابن زیاد نے کہا ہے کہ زبان کاٹ لو کہا ذرا قریب آ جلاؤ قریب آیا منہ میں تھوک جمع کیا تھوک جمع کر کے سارا تھوک جلاؤ کے منہ پر تھوک دیا اور پھینک کر کہا کہ جس طرح میں نے تھوکا ہے تو ابن زیاد کے منہ پر تھوک اور کہہ دے ابن زیاد سے میرا مولا سچا ہے، لے میرا مولا سچا ہے میثمؓ نے زبان نکالی کہا لے زبان کاٹ لے خنجر سے زبان کٹی لیکن جیسے ہی زبان کٹی پکار کر زبان کو تالو میں اڑا کے زور سے کہا یا علیؑ، ہو گئی تقریر میثمؓ ہم بھی پکار رہے ہیں یا علیؑ آج تو پورا کوفہ پکار رہا ہے یا علیؑ جب بھی پکارا وہ مدد کو آئے آج تو مولا زخمی ہیں تم جو سلامت رہو کل کی مجلس کے بعد شبیہ تابوت ہے، پرسوں بھی شبیہ تابوت ہے شب ضربت گزر چکی آج دن ہے انیس رمضان کا مصائب یہاں پر ختم ہوئے تھے علیؑ کے بیٹے علیؑ کو لے کر چلے در مسجد کوفہ تک آئے تھے کہ کنیزیں دوڑتی ہوئی آئیں شہزادہ حسنؑ ہماری شہزادی زینبؑ اور اُم کلثومؑ بہت پریشان ہیں کہتی ہیں بابا کو جلدی لاؤ ورنہ ہم گھر سے نکل پڑیں گے علیؑ نے پکار کر کہا زینبؑ سے کہو بابا تمہارا آ رہا ہے آتا ہے آ رہا ہے مسجد کوفہ سے سواری علیؑ کی گھر پہنچی گلی میں ابھی سلطان امامت کی سواری پہنچی تھی کہ مڑ کر حسنؑ سے کہا بیٹا چاہنے والوں سے کہو واپس جائیں ایسا نہ ہو کہ میری بیٹیاں روئیں تو ان کی آوازیں سب کے کانوں تک جائیں ان کو واپس بھیجو میرے گھر کے افراد رُک کر مجھے لے چلیں چاہنے والے واپس ہوئے بیٹے علیؑ کو لیے ہوئے ابھی صدر دروازے تک پہنچے تھے اور ابھی دروازے میں داخل ہو رہے تھے کہ

پردہ ہٹا اور بیٹی آکر باپ سے لپٹ گئی کہا بابا کیا ہم یتیم ہو گئے جلدی جلدی بستر لایا گیا بستر بچھایا گیا تکیے رکھے گئے دونوں پہلوؤں میں علیؑ کو آرام سے بٹھایا گیا اثر دہام بڑھتا چلا گیا، مسجد بھری، مسجد کے باہر میدان بھرا سب سے عظیم مملکت کا خلیفہ ہے اس وقت پورا دار الحکومت ٹوٹا ہوا ہے خبر پا کر دروازے پہ ہیں سب کہتے ہیں ہزاروں کے مجمعے میں جگہ جگہ لوگوں نے دیکھا چھوٹے چھوٹے بچے اور سب رو رہے ہیں سر پیٹ رہے ہیں راوی کہتا ہم بڑے حیران ہوئے ایک طرف ساری عورتوں کے غول ایک طرف چھوٹے چھوٹے بچے رو رہے تھے تو میں نے پوچھا یہ بچوں کو کیسے خبر ہو گئی یہ بچے کون ہیں تو قبرستان بتایا کہ صفین، جمل، نہروان میں جو لوگ مارے گئے یہ ان کے یتیم بچے ہیں، شہیدوں کے بچے علیؑ روز ان کے گھر جاتے ہیں اپنے ہاتھ سے روٹی تنور میں لگا کر کھلاتے ہیں پانی پلاتے، بچوں کو گود میں بٹھاتے ان بچوں کو خبر ہو گئی ان کا مولا زخمی ہو گیا یہ سب یتیم بچے رو رہے ہیں، یہ بیوہ عورتیں ہیں جن کی مدد علیؑ کرتے ہیں، گریہ کا شور تھا علیؑ کے گھر کے باہر جس نے زیارت کی ہے اس نے علیؑ کا گھر دیکھا ہے ساتھ ہی فاصلہ ہے شاہراہ سے علیؑ کے گھر تک وہ سب بھرا ہوا ہے مسجد کوفہ کے سامنے میثم تمار کا مزار بیچ میں ایک میدان وہ پورا میدان بھی بھرا ہوا ہے اثر دہام لوگوں کا مجمع ایسے میں کوفے کے حکیم، جراح، طبیب سبھی آگئے سب کی تمنا ہے کہ میں مولا کو دیکھوں کچھ ہو سکے تو کروں اس لیے کہ ہمارا بادشاہ وقت ہے، ہمارا سلطان ہے، ہمارا خلیفہ ہمارا امام، طبیب آیا اس نے زخم کو دیکھا کہا زخم گہرا ہے تلواریں ہر میں بجھائی گئی ہے زہر اثر کر رہا ہے خون بہت زیادہ بہہ گیا ہے اور مڑ کر ایک بار طبیب نے امام حسنؑ سے کہا اگر آپ کی اجازت ہو تو ایک دو ابنائوں مولا کے لیے اور وہ پلا دیں امام حسنؑ تو چپ رہے لیکن سب نے پکار کر طبیب سے کہا ہاں ہاں پلا دو،

طیب نے کہا اس دوا کے لیے ہمیں تھوڑا سا بکری کا دودھ چاہیے کوئی جائے اور لا دے بادشاہ وقت تھا بات گھر سے دروازے تک آگئی بس ابھی کسی نے پکار کر کہا تھا ذرا سا دودھ چند لکھوں میں کئی ہزار گوزے دودھ سے بھرے ہوئے اور ہر ایک کہہ رہا تھا یہ میرے مولا کو پہنچا دو تو میں نے مڑ کر کہا میثم تمہارے قبہر تمہارے مولا کے لیے اتنا دودھ کر بلا میں علی اصغر حسین کے ہاتھ پر، حسین پکار رہے تھے تھوڑا سا پانی جزاک اللہ جو سلامت رہو، بہت گریہ کرتے ہو بڑا ماتم کرتے ہو میں کہتا ہوں ہر مجلس میں جواب نہیں تمہارا ماتم میں اور گریہ میں جیسے لگ رہا ہے کہ آج ہی یہ واقعہ ہوا ہے، دن گزر ا شام آئی تمہاری شہزادی زینب ایک جام شربت بنا کر لائیں کہا بابا روزہ تو آپ نے نہیں توڑا لیکن افطار کا وقت ہو گیا بابا یہ شربت پی لیجئے مڑ کر کہا حسن بیٹا ادھر آؤ دیکھو کل سے ابن ماجہ بھوکا اور پیاسا ہے پتہ نہیں اس کو کسی نے کھانے اور پینے کو دیا یا نہیں جاؤ یہ شربت لے جا کر پلا دو کچھ سنا تم نے شربت لائی ہیں زینب حسن سے علی نے کہا ہے کہ یہ شربت قاتل کو پلا دو زینب نے یہ منظر دیکھا ہے ناب جملہ سننا ایک بار زینب نے حملہ زینبیہ پہ کھڑے ہو کر کہا ابن سعد اتنا کام کر دے کہ میں اپنے بھائی کو تھوڑا سا پانی لا کر پلا دوں میرا بھائی پیاسا ہے میرا حسین پیاسا ہے ایک بار کر بلا میں آندھی چلی طوفان آ یا زمین کا نپی شور ہوا قتل الحسین پکڑ بھلا، ایک بار بھگدڑ مچی ادھر کے لوگ ادھر، ادھر کے لوگ ادھر بس سب یہی کہتے تھے حسین مارے گئے، میری طرف دیکھنا جیسے ہی یہ آواز آئی حسین مارے گئے ایک بار اُمّ ربابؓ نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور ایک بار کہا بھائی ذرا رک تیرا نام کیا ہے کہا میں قبیلہ بنی کلب سے ہوں کہا یہ تو میرا قبیلہ ہے تو میرا بھائی ہے، کہا تم کون ہو، کہا میں غم کی ماری ربابؓ ہوں زوجہ حسینؓ ہوں کہا کیا پوچھنا ہے کہا بس اتنا بتا دے میرے والی کو جس وقت گلا

کاٹا گیا پانی ملا یا نہیں، کسی نے پانی دیا یا نہیں، میرے آقا کو پانی ملا یا نہیں اللہ اکبر یہ ہے پیاس اب سمجھ میں آیا کہ جب مجلس ہو جلوس ہو تو سبیلیں کیوں لگتی ہیں اس لیے کہ سب سے بڑا مسئلہ پیاس ہے جب پانی جیسی شے اور اس کے لیے حسینؑ کے بچوں کو ترسایا گیا اللہ، اللہ علیٰ رحمی ہوئے حسینؑ نہیں تھے صفین کا لشکر آیا ہوا تھا حسینؑ کو علیؑ نے کوفے سے باہر بھیجا تھا علیؑ انتظار کر رہے ہیں اب حسینؑ آنے والے ہیں شام ہوتے ہوتے گھر کا دروازہ کھلا اور حسینؑ داخل ہوئے تو سر پر پٹی دیکھی دوڑ کر بابا سے لپٹ گئے کہا بابا یہ کیا ہو گیا، کہا میرے حسینؑ صبر کرو اور شام تو ہو ہی چکی تھی زینبؑ، ام کلثومؑ نے کہا بابا بھائی حسنؑ بھی روزے سے ہیں میں نے دسترخوان لگا دیا آپ بھی آئیے سب کو لایئے علیؑ نے کہا جتنے میرے بیٹے ہیں سب کو بلا لو سب بیٹیوں کو بھی بلا لو میں آخری بار اپنے بھرے گھر کو دسترخوان پر دیکھ لوں، بیچ میں علیؑ بیٹھے سامنے ساری بیٹیاں اور بیٹے ایک بار اشارہ کر کے کہا حسینؑ تم میرے پاس آؤ حسینؑ علیؑ کے قریب آئے ابھی افطار شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک بار علیؑ نے اپنے کانپتے ہاتھ سے ایک کوزہ پانی کا بھرا ایک ہاتھ حسینؑ کے گلے میں ڈالا اور کوزے کو حسینؑ کے لب سے لگا کر کہا حسینؑ کر بلا کے پیاسے علیؑ کے ہاتھ سے آخری بار پانی پی لے حسینؑ ماتم حسینؑ۔

تقریر (علامہ سید ضمیر اختر نقوی)

حضرت مالک اشترؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساری تعریف اللہ کے لئے درود و سلام محمد و آل محمد پر

مجلس تفسیر قرآن کی بیسویں تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں گویا آج ہم نے دو عشرے تمام کیے کل سے تیسرا عشرہ شروع ہوگا جس کا اختتام آئیس رمضان کو ہوگا، عزائے مولائے کائنات کے سلسلے کی تیسری تقریر آپ حضرات سماعت فرما رہے ہیں شہادت اکیس کو، جنازہ اٹھنا اور دفن مولانا اکیس رمضان کو پڑھتا ہوں آج مجلس شب اکیس پر ہی رکے گی اور ختم ہوگی آپ کی معرفت، محبت، محبت علیٰ عشق علیٰ نے مجھے مجبور کیا کہ میں کچھ ہستیوں سے خصوصی ملاقات آپ کی کرواؤں اور اس بات کی خوشی ہوئی کہ سامعین اس منزل تک آئے کہ انہوں نے مجبور کر دیا کہ کان سے تو بہت کچھ سن چکے آنکھوں سے بھی تو دکھاؤ تو ہم نے سوچا کہ معرفتوں میں ہماری اور آپ کی اضافہ ہو، قرآن کی آیت ہے زمین پر چلو پھرو اور سیر کرو ہمارے عجائبات دیکھو، جب آیت نہیں بھی پڑھی تھی اس سے پہلے سے زمین کی سیر بہت ہی کم عمری سے میں نے شروع کر دی تھی چونکہ دس سال کی عمر سے مجلسیں پڑھنا شروع کیں اور پچاس برس ہو گئے پڑھتے ہوئے تو ذکرِ مولا کی وجہ سے ملکوں ملکوں کے سفر ہوئے جانے کہاں کہاں مولانا نے

پہنچایا اور بھیجا پھر کم عمری میں ہی حج کے لیے بلایا گیا، لوگ بڑھاپے میں حج کرتے ہیں، جوانی میں حج کیا، زیارتیں کیں ایک بار نہیں کئی کئی بار تجسّس بڑھتا گیا عشرے پڑھنے امریکہ کی مختلف اسٹیٹس میں گئے، یورپ کی تمام ریاستوں، اسٹیٹس میں گئے، بارہا انگلینڈ جانا ہوا، ترکی تک کا سفر، اردن بھی گئے، شام بھی گئے، ایران، عراق بھی گئے، یونان بھی گئے تو میں نے سوچا کہ جن ملکوں میں نہیں گئے تصور میں اگر وہاں پہنچا جائے تو کیسا ہے تو چلتے چلتے میں مصر پہنچ گیا، مصر پہنچا تو وہاں دو تین زیارتیں تھیں کبھی میں مصر گیا نہیں تھا تصور میں مصر پہنچ گیا اس بحسین کی زیارت کی، زید شہید کی صاحبزادی زینب کا روضہ دیکھا روضے کی زیارت کی اس کے بعد میں باہر نکلا تو میں نے پوچھا کہ مصر سے شہرِ قلزم کتنی دور ہے کسی نے کہا زیادہ دور تو نہیں ہے لیکن وہاں جا کر کیا کرو گے، کہا وہاں ایک ہستی سے مجھے ملنا ہے اور ان کو اپنے ساتھ انچولی لے جانا ہے اور ہم ان سے فضائلِ علیؑ سنیں گے وہاں ایک مجمع انتظار میں بیٹھا ہے ہم ان سے فضائلِ علیؑ اپنے مجمعے کو سنوانا چاہتے ہیں تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ کیا تم مالکِ اشتر کی بات کر رہے ہو، جانے کیا سوچ کر گھر سے نکل رہے تھے کہ دروازے تک نہ پہنچے تھے کہ میرے بیٹے حسین رضّا نے مجھ سے کہا کہ آج مالکِ اشترؑ پر پڑھ دو، میں نے کہا کیسے پڑھ دوں یہ تو بڑا مشکل کام ہے تو انہوں نے کہا نہیں بھیتا پڑھ دو تمہارے لیے کیا مشکل کام ہے، میں نے کہا بھی بہت مشکل ہے اب انہوں نے اتنا اصرار کیا دو تین بار پھر شہر یا صاحب نے بھی اور بھی کئی لوگوں نے چلتے پھرتے کہا کہ مالکِ اشترؑ پر تقریر کر دو، بھی ڈر لگتا ہے مالکِ اشترؑ سے اس لیے ڈر لگتا ہے کہ ان کی ہیبتِ موسیٰ کی ہیبت سے کم نہیں ہے ایسا قد و قامت، ایسا چہرہ اور ایسا سینہ اور ایسی چہرے پہ رعب و جلال کی کیفیت ہم تو انہیں دیکھ کر قریب تھا کہ بے ہوش ہو

جائیں تو ہم نے ان سے کہا کہ رحم کیجئے ہم بھی مولا کے چاہنے والے ہیں اس طرح گھور کر جلال سے تو نہ دیکھئے ہم تو مر کر رہ جائیں گے، ہم آپ کی نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے تو وہ کہنے لگے کہ جب تم ہماری نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتے تو میرے مولا علیؑ سے کیسے ملاقات کرو گے (مجھے میں نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ علامہ صاحب دعائیں دے رہے ہیں۔۔۔ تم جو سلامت رہو) میں نے مالک اشتر سے کہا کہ آپ چونکہ مولا علیؑ کے بہت قریب رہے ہیں اور بے پناہ محبت مولا علیؑ سے کی ہے اور مولا علیؑ کا قول آپ کے لیے یہ ہے کہ مالک اشتر میرے لیے ایسے تھے کہ جیسے میں رسول اللہ کے لیے تو آپ کی عظمت کا تو زمانہ قائل ہے پھر میں نے ان سے کہا کہ میں نے یہ بھی حدیث پڑھی ہے آپ کے بارے میں کہ اگر میرے لشکر میں مالک اشتر جیسے دو ہوتے تو میں پوری دنیا کو فتح کر کے رکھ دیتا تو وہ نگاہیں مالک اشتر کی جو مجھ پر بجلیاں گرا رہیں تھیں میں نے دو حدیثیں جو پڑھیں تو ان کی پلکیں جھکیں مجھ کو ملی پناہ میں نے کہا چلیں گے انجولی، انہوں نے کہا چلو چہارہ معصومین چلیں گے انہوں نے کہا بھائی جب تمہیں ایسے موذت کی حدیثیں یاد ہیں تو جو تمہارے ساتھی ہوں گے ضرور وہ معرفت سمجھتے ہوں گے تو آہی گئے مالک اشتر تو ہم نے کہا چلو سوال و جواب ہو جائیں موقع اچھا ہے سننے والے بھی ہیں تو ہم نے مالک اشتر سے کہا کہ آپ کا نام تو ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں مالک اشتر ہمیں یہ نہیں پتہ کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں آپ کہاں سے آئے تھے، آپ کی قوم قبیلہ آپ کے باپ دادا یہ کون لوگ ہیں، کہنے لگے ہاں اس میں ذرا مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ دیکھو مولا علیؑ کے دشمن بہت زیادہ تھے مالک اشتر نے بات سمجھنا شروع کی کہ بھی دشمن بہت تھے کیوں کہ میں مولا سے بہت قریب تھا اس لیے دشمنوں نے فضائل لکھتے وقت جہاں مولا کے فضائل

چھپائے اسی طرح انہوں نے چاہا تھا کہ میرا نام بھی تاریخ میں دفن کر دیں لیکن میرا نام اس طرح رہ گیا کہ بھی دیکھو بات یہ ہوئی کہ ایک خط مولاعلیٰ نے مجھ کو لکھا کہ حکومت کیسے کرنا چاہیے، اب مولاعلیٰ کے خطوط جب جمع کیے ابن ابی الحدید نے مصر میں تو میرا وہ خط بھی ایک کتب خانے میں مل گیا اس طرح لوگوں کو تلاش ہوئی کہ مالک اشتر کون ہیں جن کو علیٰ خط لکھ رہے ہیں تو میرا نام رہ گیا ”نبج البلاغہ“ کی وجہ سے، (خدا آپ کو نظر بد سے بچائے منٹوں میں کمپیوٹر کے ذریعے یہ مجالس دوسرے ملکوں میں پہنچ جاتی ہیں تو اس وقت آپ پورے ورلڈ کے سامنے ہیں)

اس لیے ہم اپنے بچوں اپنے جوانوں کو معرفت کی اس منزل پر لائے کہ یہ بیٹھے ہوئے مالک اشتر کی باتیں سن رہے ہیں، مالک اشتر کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں یہ معرفت والے لوگ ہیں، ایسے میں میں نے مالک اشتر سے کہا کہ آپ کے والد کا کیا نام تھا تو مالک اشتر نے کہا میرے والد کا نام خریث تھا ہم یمن کے رہنے والے ہیں اور غمی (قبیلہ مذحج) قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں مذحج کے معنی ہیں سرخ جھاڑیاں کیونکہ ہمارے اجداد یمن میں پیدا ہوئے تھے جہاں سرخ جھاڑیاں اُگتی تھیں اس لیے ان کا نام مذحج رکھا گیا ہم یمن میں ہی پیدا ہوئے لیکن جب یرموک کی جنگ ہوئی تو ہم لشکر میں شامل ہوئے اور ہم نے یرموک کی لڑائی لڑی، یرموک کی لڑائی میں ہم پر رومیوں نے حملہ کیا تھا اور اس وقت جب کہ میرا نام مالک تھا میرے دشمن نے مجھ پر جو تلوار کا وار کیا تو میری بھوں کٹ گئی تھی چونکہ عربی میں ابرو، بھوں کے کٹنے کو اشتر کہتے ہیں تو اس دن سے میرا نام مالک کے ساتھ اشتر بھی پڑ گیا اب تم تو جانتے ہو کہ میں مالک اشتر کیوں مشہور ہوا تو سمجھ لو کہ اشتر میرا خطاب ہو گیا میرا نام مالک ہے لیکن میں مشہور اشتر کے نام سے ہو گیا، چونکہ دشمن زیادہ تھے علیٰ کے اس لیے چاہنے

والوں کا شجرہ کون لکھتا، حالات کون لکھتا لیکن ہم لوگوں کو اس کی پروا نہیں تھی ہم سب علیؑ کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے، ہم چاہتے تھے کہ ہماری معرفت بڑھتی چلی جائے ہم نے کبھی علیؑ کو دیکھا ہی نہیں تھا صرف نام سنا تھا، یرموک کی لڑائی سے واپس ہوئے تو ہم نے سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم یمن جائیں کوئی چلے جائیں کوئی جو نیا نیا شہر آباد ہوا تھا اور ہمارے قبیلے والے سب کوئی آباد ہو گئے چونکہ میں سردار کا بیٹا تھا اس لیے پورے قبیلے والوں نے مجھے سردار مان لیا اور میرے رعب اور دبدبے کو سب تسلیم کرتے تھے اور جب بھی کوئی کوئی حاکم آتا تھا اس وقت تک فیصلہ نہیں ہوتا تھا جب تک مجھ کو نہ بلایا جائے اور میرے قبیلے کی رائے نہ لی جائے، دیکھتے ہی دیکھتے زمانے گزرتے رہے، خلافت کے ادوار گزرتے رہے یہاں تک کہ تیسری خلافت کا دور آیا میں بہت ہی گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا جب کبھی میدان جنگ کی ضرورت پڑتی تو میں اپنے قبیلے والوں کو لے کر جاتا اس لیے کہ مجھے تو اسلام سے محبت تھی اور پھر میں ابھی معرفت کی اس منزل پر پہنچا بھی نہیں تھا ابھی عشق علیؑ سے میں واقف بھی نہیں تھا میں اسلام کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا لا الہ کہنے کے بعد یہی دین کی خوشنودی ہے مجھے کیا پتہ تھا کہ علیؑ ولی اللہ کا نشہ کیا ہے ابھی تو میں اسلام کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا لیکن قدرت چاہتی تھی کہ میں واقف ہو جاؤں کہ اصل حقیقت کیا ہے اصل دین کیا ہے ایسے میں پتہ چلا کہ حضرت عثمان جو خلیفہ ہیں انہوں نے اپنے سوتیلے بھائی کو کوئی گورنر بنا کر بھیج دیا یہ اطلاع بھی آئی کہ وہ بہت زیادہ شراب پیتا ہے، ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا ہے ہم کو یقین نہیں آیا کہ اسلامی نظام میں کوئی گورنر شراب پیتا ہو اس لیے کہ ہم نے کبھی بھی شراب نہیں پی ہمیں شراب سے نفرت تھی، ہمیں جھوٹ سے نفرت تھی اس لیے کہ ہم نے قرآن میں سارے

سبق اسلام کے پڑھے تھے اور جو قرآن پڑھ رہا ہو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شراب پیتا ہو، جو قرآن کی تلاوت کرے گا وہ شراب کیسے پیئے گا کیوں کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا تو جھوٹا الزام بھی شراب پیئے کا کسی پہ نہیں لگا سکتا پتہ چلا کہ اگر بولے گا تو جھوٹ بولے گا تو وہ قرآن بھی ظاہری طور پر پڑھ رہا ہے اور الزام بھی جھوٹ لگا رہا ہے ہم تو نہیں جانتے تھے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے میں ہمیں اطلاع دی گئی کہ شراب کے نشے میں نماز پڑھا رہا ہے، میں پہنچ گیا مسجد کوفہ میں تو وہ سجدے میں تھا میں بھی رک گیا وہاں کہ یہ کیا بات ہے کہ ایسے میں سجدے میں ولید کی آواز میں صاف سن رہا تھا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا فصیح عربی میں کہ شراب پیو اور پلاؤ پیو اور پلاؤ اور سب پیچھے نماز پڑھ رہے تھے لیکن جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ولید پر حملہ کر دیا اس کو بچا کر اس کے سپاہی لے گئے، لوگ اتنے ناراض تھے اور اسے دارالامارہ لے گئے دیکھا تو وہ بستر پر پڑا تھا اور قے پہ قے کر رہا تھا ایسے میں کوفے والوں نے ایک وفد بنایا اس وفد میں مجھ کو بھی شامل کیا کہ خلیفہ وقت سے گورنری شکایت کی جائے کہ وہ بہت شراب پیتا ہے اور شراب پی کر اس نے نماز پڑھائی ہے۔ (ڈاکٹر اسرار کو ایسے شرابی نظر نہیں آتے)

میں جنگ جمل میں مولاعلیٰ کی نصرت میں جنگ کر رہا تھا، میدان جنگ میں اچانک میرے مقابل عبداللہ بن زبیر آگئے، تھوڑی دیر تک وہ تلوار چلاتے رہے اور میرا مقابلہ کرتے رہے، میں نے اُن کے سر پر تلوار کا بھرپور وار کیا اُن کے سر پر کاری زخم آیا۔ پھر تو وہ مجھ سے لپٹ پڑے اور مجھے لے کر زمین پر ڈھیر ہو گئے، ہم دونوں میں کشتی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ میں نے انھیں زیر کر دیا اور اُن کے سینے پر چڑھ بیٹھا، عبداللہ بن زبیر نے چیخا چلا نا شروع کیا کہ مجھے بھی مار ڈالو اور مالک کو بھی قتل کر دو، عبداللہ بن زبیر کے ساتھی اُن کا مطلب نہیں سمجھے

انھیں پتہ ہی نہیں چلا کہ مالک کون ہے؟ میں تو اشتر کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔ مالک اشتر کہنے لگے اس دن اس لیے فوج گیا کہ مالک میرا نام کوئی جانتا ہی نہیں تھا میں اشتر کے نام سے مشہور تھا عبداللہ ابن زبیر اگر کہتے کہ اشتر کو مار ڈالو تو سب مجھے مار ڈالتے وہ مالک مالک کہتے رہے کسی کو پتہ ہی نہیں چلا یہ تو ہو گیا..... لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اس دن میں بھی مارا جاتا اور وہ بھی مارے جاتے تو ان کو فائدہ کیا ہوتا اگر وہ بھی مارے جاتے میں بھی مارا جاتا تو ان کو فائدہ کیا ہوتا وہ بھی مر جاتے میں بھی مر جاتا، مالک اشتر جب یہ سوچنے لگے تو میں نے ان سے اجازت طلب کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں، کہنے لگے ہاں بھی تم علی والے ہو تم بھی کچھ بولو تو پھر میں بولنے لگا اور کہا میں مختصری بات کہتا ہوں بات اصل میں یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ یہ مجھے مار ڈالیں گے مالک اشتر مجھے مار ڈالیں گے لیکن اس سے پہلے کے میں مر جاؤں یہ بھی مر جائیں اس لیے کہ دشمن یہ چاہتا ہے کہ اگر میں مر گیا تو ان کا مشن قائم رہے گا میرا مشن ختم ہو جائے گا تو دشمن یہ چاہتا ہے کہ اگر ان کا مشن مٹ رہا ہے تو ان کا مشن بھی ختم ہو جائے تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرتے مرتے بھی شیطان نے یہ کیوں کہا کہ ہمیں مہلت دے دے وہ یہ چاہتا تھا کہ اگر آدم کا سلسلہ چلے تو میرا بھی چلے، اللہ نے کہا گھبراؤ نہیں سلسلہ تو چلے گا اور اس سلسلے کا تم کچھ بگاڑ نہیں سکتے اگر اللہ کو خطرہ ہوتا کہ ایسا ہو جائے گا تو نہ معاویہ کو پیدا کرتا نہ یزید کو۔ پھر مالک اشتر کہنے لگے ابھی جمل تمام نہ ہوئی تھی کہ صفین کی لڑائی کا آغاز ہوا مولا علی کا لشکر میرے مولا کا لشکر ڈیڑھ لاکھ کا روانہ ہوا میں بھی اس لشکر میں تھا لشکر آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچے کہ لشکر پیاسا ہوا، مالک اشتر بیان کرتے ہیں کہ جب ہم پیاسے قریب ہلاکت پہنچے تو اب مولا ایک جگہ رُکے اور پھر ایک سمت آگے

بڑے دو قدم پیچھے ہٹے اور اس کے بعد کہا مالکؑ یہاں سے کھودنا شروع کرو میرے مولا کا حکم تھا میں نے زمین کو کھودنا شروع کیا اور تھوڑی سی دیر میں زمین کو کھود ڈالا ایک سیاہ رنگ کا پتھر نظر آیا مٹی ہٹاتے گئے اور پتھر کی لمبائی چوڑائی پھیلتی جا رہی تھی یہاں تک کہ دو سو آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اس پتھر کو ہٹا دیں اس لیے کہ حکم مولا تھا کہ پتھر ہٹے گا تو پانی ملے گا اس لیے ہم نے یہ طے کیا کہ پتھر کو ہٹائیں گے لیکن پتھر اس جگہ سے نہیں ہلا جب بہت دیر ہو گئی اور ہم پسینہ پسینہ ہو گئے تو مالکؑ اشتہر کہتے ہیں کہ مولا آگے بڑھے اور ہم نہیں جانتے کہ کون سی زبان مولا نے استعمال کرنا شروع کی نہ وہ عربی تھی نہ فارسی تھی لیکن ہم نے دیکھا کہ بار بار در در کرتے کچھ پڑھ کر کہتے کہ طاب طاب اور ایک بار انگلی سے اشارہ کیا پتھر ہٹا اور چالیس گز دور جا کر گرا ادھر پتھر ہٹا اور ایک چشمہ ابلا تو ہم سب اس کی پھوار میں نہا گئے اور تیز چشمہ ابلنے لگا اور ایسا میٹھا پانی، ایسا سفید پانی ہم نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا پورا لشکر ڈیڑھ لاکھ آدمی اس چشمے پر ٹوٹ پڑے اور خوب سیر ہو کر ہم سب نے پانی پیا بعد میں پتہ چلا کہ سامنے جو گر جا ہے اس کا نام بڑا ثا ہے ہم نے تو ادھر نہیں دیکھا ہم سب تو پیا سے تھے یہاں تک کہ پانی پینے کے بعد مولا نے کہا مالکؑ اشتہرؑ بند کر دو اس چشمے کو اب قیامت تک اس چشمے کو کوئی نہیں پائے گا مٹی ڈال دو اب یہ مہدیؑ کے لیے ہے وہ آئے گا ٹھوکر مارے گا چشمہ پھر ابل پڑے گا بند کر دو پتھر اسی طرح رکھ دو مٹی ڈال دی گئی لشکر چلا، جب لشکر آگے بڑھا تو علیؑ نے کہا کہ واپس چلو لشکر پھر واپس ہوا علیؑ نے کہا مالکؑ اب وہ جگہ تو تلاش کرو جہاں سے چشمہ نکلا تھا مالکؑ اشتہرؑ کہتے ہیں کہ پورے لشکر نے مل کر پورے صحرائیں ڈھونڈا کہ کہاں ابلا تھا چشمہ لیکن نام و نشان نہ ملا ایسے میں جو راہب گر جا کے دروازے پہ کھڑا تھا وہ اتر کر آیا، مالکؑ اشتہرؑ کہتے ہیں کہ وہ

میرے پاس آیا اس نے آکر کہا کہ یہ بتاؤ تمہارے ساتھ یہ جو تمہارے رہنما ہیں کوئی نبی ہیں یہ کوئی پیغمبر ہیں مالک اشتر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تو نے کیسے سمجھا کہ یہ پیغمبر ہیں اس نے کہا اس لیے کہ ہماری انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ یہاں پر ایک چشمہ ہے اس چشمے کا پتہ صرف پیغمبروں کو ہے اور کسی کو نہیں ہے اور اس چشمے سے تین ہزار پیغمبروں نے پانی پیا ہے اور انجیل میں یہ لکھا ہے کہ آخری بار جو آئے وہ تیری زندگی میں آئے گا تو یہ میری زندگی میں آیا ہے یہ کون سا پیغمبر ہے، علیؑ آگے بڑھے، کہا پیغمبر نہیں پیغمبر کا وصی علیؑ ہوں (سلامت رہو، خدا انظر بد سے بچائے تم سب کو، جو) مالک اشتر کہتے ہیں کہ میدان سجا صفین کا ادھر بھی لشکر ادھر بھی لشکر تھا سال بھر وہ لڑائی چلی میں حکم علیؑ سے لشکر کا سپہ سالار تھا، میں جب صفین کے میدان میں پہنچا تو میرا مولا اس وقت باسٹھ سال کی عمر تک پہنچ چکا تھا لیکن مولا میں میں دیکھتا تھا کہ شان وہی ہے لیکن ایک دن اتفاق سے میں اپنے مولا کے خیمے میں چلا گیا اس وقت گیا جو مولا کے کھانا کھانے کا وقت تھا، میں نے دیکھا کہ مولا نے ایک رومال کھول دیا ایک جو کی روٹی نکالی اس کے چار ٹکڑے کیے اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر پانی میں بھگو کر کھا گئے دوسرے دن بھی دیکھا تیسرے دن بھی دیکھا میں پریشان ہو گیا دیکھو تم لوگ عشق تو کرتے ہونا علیؑ سے اگر تم خود دیکھتے اپنی آنکھ سے تو تمہارا کیا عالم ہوتا، تم افطاری کرتے ہو دل بھر کر کھانا کھاتے ہو تو تمہیں غذا اور نعمتوں کا پتہ ہے تم وہاں ہوتے تو کیا کرتے، تمہیں عشق ہے ناعلیؑ سے، مالک اشتر کہتے ہیں جب میں پریشان ہو گیا تو خیمے سے پردہ ہٹا کر باہر نکلا میں نے اپنے پورے لشکر کو پکار کر کہا سب میری بات سنو اگر مولا علیؑ کی غذا اتنی تھوڑی رہ گئی میرے بھائیوں یہ بتاؤ کہ ہم جنگ کیسے جیتیں گے ہم کیسے لڑیں گے اس لیے کہ مولا علیؑ میں طاقت ہی نہ رہے گی تو ہم کو کون لڑائے گا

خدا کے لیے تم سب جاؤ باری باری اور مولا علیؑ سے کہو میرے مولا سے کہو اپنی غذا بڑھائیں مجھ کو نہیں معلوم کہ یہ آواز میری میرے مولا تک پہنچ رہی تھی جب میری تقریر ختم ہوئی پردے کو ہٹا کر میرا مولا خیمے سے برآمد ہوا میں سمجھا آفتاب طلوع ہوا اور ایک بار میرے مولا نے نیزے کو پکڑ کر زمین میں گاڑا اور اس کے بعد پورے لشکر سے کہا سنو ہم نے مالک اشترؓ کی تقریر سن لی اب چند جملے میرے سنو، میرے لشکر والو اور یہ کہہ کر مالک اشترؓ کو مخاطب کیا کہا سنو! باسٹھ سال کی عمر میں ابو طالبؓ کے بیٹے سے پورا عرب مل کر لڑنے آئے تو علیؑ فاتح رہے گا اکیلے اور یقین کرو جیسا میرے مولا نے کہا تھا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا اس لیے کہ رات و دن کی جنگ تھی نگرانی میری تھی میمنہ اور منبرہ میرے پاس تھا کبھی میں قلب لشکر میں آتا میں لڑتے ہوئے بڑھتا جاتا اور میری تلوار کی تیزی کی دشمن پہ دھاک بیٹھی تھی کہ اگر مالک اشترؓ رہ گیا تو ملک شام فتح ہو جائے گا اور بنی امیہ کا نام و نشان نہ رہے گا، کتوں کی طرح مخالف لشکر راتوں کو چلاتا تھا اس لیے اس لڑائی کا نام لیلۃ الحریر پڑ گیا، حریر کہتے ہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز کو وہ راتیں جن میں دشمن بھونک رہا تھا بھونکنے کو عربی میں حریر کہتے ہیں لیلۃ الحریر کی لڑائیاں دشمن چیخ رہا تھا سردی پڑ رہی تھی میری تلوار چل رہی تھی ابھی میں تلوار چلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا میں نے دیکھا اب میرے مولا نے آکر میسرے کو سنبھال لیا جب میں نے دیکھا مولا آگے تو میں میمنہ کی طرف بڑھا میرے کی طرف مولا علیؑ بڑھ رہے تھے لیکن اس طرح بڑھ رہے تھے کہ مجھ سے قربت رکھ کر بڑھ رہے تھے یہ نہیں چاہتے تھے کہ فاصلہ ہو جائے بلکہ کاٹتے چھانٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، مولا علیؑ کی ذوالفقار چلتی جاتی تھی جنگ کرتے جاتے تھے میں آگے بڑھتا جاتا تھا میرے سامنے جو بھی آتا میں اس کا

سراڑا دیتا تھا ایک وقت میں پانچ پانچ کے سراڑ جاتے میرے سامنے جو آتا تلوار چلتی جاتی لیکن میں مڑ کر دیکھتا تو میں عجیب شان مولا کی دیکھ رہا تھا مولا یہ کر رہے تھے ایک کو مارا پھر رُک گئے واپس آ گئے پھر ایک کو مارا آ گئے بڑھ گئے پھر ادھر دیکھا ایک کو مارا، دس کو چھوڑا آ گئے بڑھ گئے بیس کو چھوڑا ایک کو مارا آ گئے بڑھ گئے بیس کو چھوڑا دس کو مارا ایک کو چھوڑا پچاس کو مارا آ گئے بڑھ گئے، میں نے کہا مولا یہ کیا، ایسے میں میں مولا کے کچھ قریب ہوا اور مڑ کر میں نے مولا سے کہا مولا حد ادب دیکھئے تو میں نے لاشوں کا ڈھیر لگا دیا، کہا ہاں مالک مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے پتہ ہے کہ تم نے لاشوں کا ڈھیر لگا دیا، میں نے کہا مولا آپ کی طرف تو لاشے کم ہیں آپ رُک رُک کر کیوں لڑ رہے ہیں، علی تلوار چلاتے جاتے تھے اور جواب دیتے جاتے تھے مالک تم تو اندھے بن کر مار رہے ہو میں شجرے دیکھ کر مار رہا ہوں، جس کی نسل میں مومن آنے والا ہے اس کو چھوڑ دیا جہاں کفر ہے اسے مار دیا میرے دوستو مالک اشتراک کہنے لگے میرے انجولی کے دوستو دیکھیے لقب انہوں نے آپ کو کتنا اچھا دے دیا چارہ دہ معصوم کے دوستو کہنے لگے اب بتاؤ میری معرفت کس منزل پر آ گئی، دیکھو جب تک معرفت کی کمی ہوتی ہے تو لوگ مولا کو کسی اور نظر سے دیکھتے ہیں تم لوگ مجھ سے سبق لے لو، مولا پہ تنقید وہی کرتا ہے جس کے دل میں معرفت نہیں ہوتی قریب آؤ مولا کو قریب سے سمجھو پھر کبھی یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا ارے میں بھی یمن سے آیا تھا میں نے مولا کی پوری زندگی کہاں دیکھی تھی میں نے مولا کو دیکھا تو میں دیکھتا ہی رہ گیا میں زرہ پہنے تھا میں خود پہنے تھا میں چار آئینہ پہنے تھا لوہے کے دستانے پہنے تھا اب جو میں نے مڑ کر دیکھا تو مولا علی ایک باریک کرتا پہنے تھے ہوا میں وہ کرتا علی کا اڑتا تھا نہ زرہ تھی نہ بکتر میں نے کہا مولا ارے یہ قیامت کی لڑائی زرہ تو پہن لیجئے تو

میرے مولانا نے کہا مالک اشتر زہ پہن کر کیا کروں کسی کی مجال ہے کہ میرے سامنے سے آکر حملہ کرے تو میں نے کہا مولانا سامنے سے تو آپ کے کوئی نہیں آئے گا اگر پشت سے آکر کسی نے نیزہ مار دیا تو کیا ہوگا، کہا تو اس دن کے لیے اللہ مجھے زندہ نہ رکھے کہ جب پشت پر سے کوئی آجائے، علی جیسے سامنے دیکھتا ہے ویسے ہی پیچھے دیکھتا ہے مالک اشتر کہتے ہیں صفین میں مولانا علی کی جنگ یادگار تھی، آخری دن تھا صفین کا دشمن شکست کھا گیا میں نے میدان فتح کر لیا مولانا علی خیمے میں تھے یہاں تک کہ دشمن ہتھیار چھوڑ کر بھاگنے لگا اور میں معاویہ کے خیمے تک پہنچا قریب تھا کہ میں خیمے میں داخل ہو کر اس کا سراڑا دوں کہ پیچھے سے آکر قاصد نے کہا مالک اشتر تلوار روکو، تلوار تو میری معاویہ کے سر پر تھی یہ میری امتحان کی گھڑی تھی تلوار چلے اور سر کٹ جائے اور قصہ ختم ہو جائے شر اور فتنہ ختم ہو جائے اب بتاؤ میں کہاں تھا ایک طرف مولانا کا حکم تھا دوسری طرف دشمن کا خاتمہ تھا بتاؤ میں کہہ جاؤں علی کے دشمن کو مار ڈالوں یا امام کا حکم مانوں، ادھر امام کا حکم تھا، ادھر دشمن کا قتل تھا، بتاؤ مالک کہاں ہے تم ہی بتاؤ میں کیا کرتا میں نے کہا چند لمحے فتح قریب ہے مجھے نہ روکا جائے تمہیں معلوم ہے کیا ہوا تھا خیمے میں خیمے میں یہ ہوا تھا ہم تولنے میں لگے تھے عمر عاص سے معاویہ نے کہا تھا مجھے بچاؤ ورنہ لشکر کا خاتمہ ہو جائے گا عمر عاص عیار تھا مگر اس نے کہا نیزوں پہ قرآن چڑھا دو اور علی سے پکار کر کہو ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے، قرآن پر فیصلہ کر لیں، علی کا لشکر بگڑ جائے گا قرآن دیکھ کر تو قرآن کا احترام کریں گے ایسے میں معاویہ نے کہا قرآن کہاں سے آئیں گے، کہا قرآن کی کیا ضرورت ہے اینٹیں جزدان میں لپیٹ کر اس کو قرآن کہہ دو کون انکار کرے گا کہ یہ قرآن نہیں ہے، کوئی پڑھنے آ رہا ہے، کوئی کھول کر دیکھنے آ رہا ہے، کپڑے میں اینٹیں باندھ کر نیزوں

میں باندھی گئیں، لشکر نے پکار پکار کر کہا علیؑ والو قرآن اس میں ہے چھوڑ دو ہماری جان، ہم مسلمان ہیں قرآن ہے سچ میں، بیس ہزار کا لشکر الگ ہو اتکو ارکھنچ کر علیؑ کے خیمے میں آ کر علیؑ کو گھیر لیا، تلواریں علیؑ کے چہرے کے سامنے نچانچا کر کہا ہم تم کو اس طرح ماریں گے جیسے ہم نے عثمان کو مارا ہے لشکر کو واپس بلائیے ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے، (سُنی ہے صفین کبھی مالک ابشر سنا رہے ہیں واقعات چشم دید ہیں) مالک ابشر کہتے ہیں بھی تم بتاؤ میں کیا کرتا میں نے سوچا اگر تلوار میں نے چھوڑی تو لوگ کہیں گے کہ تم نے فتح ہوتے ہوتے علیؑ کے ساتھ غداری کی لیکن میں نے سوچا کہ امام کی خوشنودی امام کے حکم کے خلاف کیا تو میری آخرت خراب ہو جائے گی دنیا نہیں ملتی تو نہ ملے میرا امام تو راضی رہے، میرا امام بلا رہا ہے کہ جا کر تو دیکھو کیا ہوا میں نے تلوار روکی لیکن سپاہیوں سے کہا لڑتے رہنا جب تک میں دوبارہ نہ آ جاؤں وہ لڑتے ہوئے آ گئے بڑھ رہے تھے میں واپس آیا علیؑ کے خیمے میں آیا تم سوچ سکتے ہو میں نے کیا منظر دیکھا مالک ابشر کا چہرہ تو دیکھو اس لیے کہ اس لمحے کو ان کی آنکھوں نے وہ منظر محفوظ کیا تم سن سکو گے ذرا دل مضبوط کرو پھر مالک ابشر کے جملے سنو مالک کہتے ہیں میں خیمے میں آیا تو میں نے بیس ہزار آدمی دیکھے جن کی لمبی داڑھیاں تھیں، پیشانیاں سجدے سے سیاہ ہو رہی تھیں میں ان کو پہچان گیا یہ کون تھے جو علیؑ کو قتل کر دینے پہ تیار تھے جن کو معاویہ نے رشوت بھیجی تھی کہ جاؤ علیؑ کو قتل کر دو ہم قرآن کو نہیں مانتے لڑائی تو رک گئی وہ لوگ پہنچانے گئے تاریخ میں لمبی داڑھی اور سجدے کے نشان والوں کو تاریخ نے کہا خارجی تھے اور یہ جو صفین سے نکلے تو بغل میں قرآن لٹکا کے تبلیغ کرتے ہوئے نکلے پہچان گئے مالک کہتے ہیں کہ اگر میں واپس نہ آتا تو یہ دشمن کیسے پہچانا جاتا جانے میرے مولا پر حملہ کر دیتے اور کہا جاتا کہ بلوے میں سب

کچھ ہو گیا لیکن ضروری تھا کہ یہ ٹوٹ کر الگ ہوں اور پھر کسی میدان میں یہ ٹکرائیں اور پھر وہ ٹکرائے اور میں نے دیکھا کہ مولانا نے نہروان میں خطبہ دیا خطبہ دے کر کہا ہم تمہیں پہچانتے ہیں ہم تمہیں جانتے ہیں تمہارا نطفہ کہاں ٹھہرا تم کس شجرے کے ہو اور آؤ تمہاری ولدیتیں بتائیں تو ایسے میں مالک اشتر کہتے ہیں کہ دریا پار کرتے کرتے سب کو کشتیوں سے اتارتے اتارتے کسی نے کہا شام ہو جائے گی یہ تازہ دم ہیں ہم ان سے لڑیں گے کیسے رات کو لڑائی کیسے ہوگی دن تو چڑھا ہوا تھا پورا دن کشتیوں پر ڈھوتے ڈھوتے لشکر کو ہو جائے گا علیؑ نے کہا مالک ابھی سورج چڑھے گا اور لشکر دریا کے پار ہو جائے گا لشکر ابھی اترے گا بھی نہیں کہ علیؑ فتح پائے گا لڑائی ہوگی فتح ہوگی مالک اشتر کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر علیؑ آگے بڑھے خطبہ دیا اور خطبہ دے کر کہا گھبرانا نہیں یہ تیرہ ہزار ہیں ان تیرہ ہزار میں سے کل تیرہ بچیں گے ہمارے لشکر سے کل تیرہ مارے جائیں گے جو لشکر والے ان کے مارے جائیں گے ان کے نام یہ ہیں یہ ہیں ان کی ولدیتیں یہ ہیں یہ ہیں، مالک اشتر کہتے ہیں یہ کہہ کر علیؑ نے تلوار کھینچی اور میں بھی علیؑ کے ساتھ تھا سورج نہیں ڈوبا تھا کہ لڑائی ختم ہوگئی میدان میں لاشے ہی لاشے تھے اور پھر ہم نے دیکھا کچھ لوگ بھاگ رہے تھے علیؑ نے کہا انہیں پکڑو جو بھاگ رہے ہیں سب مارے گئے علیؑ نے کہا ان کو شمار کرو، گنتی کرو، مالک اشتر کہتے ہیں میں نے گنا تیرہ آدمی تھے اچھا نام پوچھو نام پوچھا گیا ان کی ولدیتیں پوچھو قبیلہ پوچھو عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حیران ہو گیا میں نے تو نام لکھ لیے تھے ولدیتیں لکھ لی تھیں سب کچھ صحیح بتایا انہوں نے پھر مولانا نے کہا ہمارے جو مارے گئے ہیں بارہ تیرہ آدمی ان کی لاشیں لاؤ دیکھو جو نام میں نے بتائے تھے وہی مارے گئے نا، مالک اشتر کہتے ہیں پھر ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ حنین کی لڑائی تھی اسلام کی آخری لڑائی

حضور کی زندگی میں لڑائی ختم ہوئی سارے مسلمان آئے مال غنیمت لینے رسول اللہ نے مال غنیمت تقسیم کرنا شروع کیا جھگڑے شروع ہوئے اس کو زیادہ دیا اس کو کم دیا ایسے میں ایک شخص آ کر رسول اللہ سے بدتمیزی کرنے لگا یہ کتے والوں کو اتنا کیوں دیا اور ہمیں کیوں نہیں دیا رسول اللہ نے چہرہ اٹھا کر اسے سر سے پیر تک دیکھا کہا عمار علی کو بلاؤ مولا آئے کہا علی ذرا اس کی آستین کو کھولو، کہا بازو تک اس کی آستین ہٹاؤ اب جو آستین ہٹی تو سب نے دیکھا عجیب سے عجیب تر ایک تھیلی نما الگ سے جیسے گائے کا تھن ایک ٹکڑا لٹکا ہوا تھا، کہا اس کو باہر نکالو علی نے اُسے باہر نکال دیا، پھر رسول اللہ نے علی سے کہا علی ایک لشکر نہروان کے کنارے تم سے لڑنے آئے گا اس لشکر کے باطل ہونے کی پہچان یہ ہوگی یہ اس لشکر میں مارا جائے گا اس وقت تم حق پر ہو گے، نہروان کی لڑائی ختم ہو گئی تیرہ پڑے گئے جو بچے تھے اور سارے مارے گئے ایک بار علی نے کہا مالک اشتر لاشوں کو الٹتے جاؤ الٹتے جاؤ اور دیکھنا جس کا گائے کے تھن کی طرح گوشت کا لوتھڑا بازو پر لٹکا ہو اس کی لاش لاؤ، (تقریر ختم ہو گئی) مالک اشتر سب جگہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آئے علی نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ ملے رسول اللہ نے کہا ہے علی تیرے لے کر ہاتھ میں چلے اور ایک ایک لاش کو پیر سے الٹتے جاتے تھے اور تیر سے ہٹا ہٹا کر کپڑا دیکھتے جاتے تھے چلتے چلتے ایک جگہ ایک لاش کو الٹا آستین سے اس کے گوشت کا ٹکڑا باہر آیا علی نے پکار کر کہا یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا تھا، رسول اللہ نے خدا کی قسم جو کہا تھا تصدیق ہو گئی، رسول کی سچائی کا سب سے بڑا معجزہ علی ہیں جگہ جگہ علی رسول اللہ کی پیشین گوئیوں کو بیان کر کے صداقت رسول پر علی ولی اللہ کی مہریں لگاتے گئے (کچھ کہا میں نے تقریر ہو گئی) جس پر علی ولی اللہ کی مہر نہ لگے وہ صداقت محمد کا ثبوت کا کاغذ نہیں ہے کہاں ہیں کس کے پاس ہے علی ولی

اللہ کی مہر رسول اللہ کی سچائی رسالت کی سچائی نبوت کی سچائی تو شب ۱۹ رمضان کی خبر بھی رسول اللہ دے گئے تھے، علیؑ نے وہ رات بھی دیکھی، علیؑ نے مسجد کوفہ میں منبر سلونی سے امام حسنؑ کو مخاطب کر کے پوچھا رمضان کی کتنی راتیں گزر چکیں بے اختیار کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ کہاں ہے قبیلہ بنی مراد کا وہ بد بخت انسان ابنِ الحکم کہ جو میری داڑھی کو محرابِ مسجد میں خون سے لال کرے گا اور وہ دن آ گیا علیؑ زخمی حالت میں اپنے گھر میں لائے گئے، تمہارے لیے دعائیں، تم سلامت رہو، تمہارے گھر آباد رہیں ظاہر ہے کہ شبِ شہادت ہے تفصیلی دعا نہیں ہو سکتی یہی دعا ہے کہ تابوت کو کا ندھا دینا شبیہ تابوت کا سایہ تمہارے سر پر ہو جائے گا یہی ہیں برکتیں، ہم تو ان ہی چیزوں سے برکتیں لیتے ہیں اور صدیاں گزر گئیں ان ہی چیزوں کا احترام کرتے ہیں، عزاداری ہے یہی عزائے مولا انیس کا دن گزر گیا بیس کا دن گزر گیا شام آئی تو کہا بار بار حسن مجتبیٰ سے جتنے بھی لوگ باہر ہیں اگر وہ آنا چاہیں تو آہستہ آہستہ کچھ لوگوں کو آنے دو جو میرا چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں باہر اصغ ابن نباتہ تڑپ رہے تھے مجھے ایک بار مولا سے بات کرادیجئے شہزادے اصغ ابن نباتہ کو امام حسنؑ لائے، کہا آپ سے فضائل سننا چاہتا ہوں کہا اصغ ابن نباتہ اس وقت بھی علیؑ تمہیں اپنے فضائل سنائے گا اصغ ابن نباتہ نے پوچھا آپ انبیاء سے افضل کس طرح ہیں علیؑ نے آیت پڑھ کر بتایا میں آدمؑ سے افضل ہوں، میں ابراہیمؑ سے موسیٰؑ عیسیٰؑ سے افضل ہوں یہ زخمی علیؑ کچھ دیر کے بعد رات کافی ہو چکی تھی کانوں میں رونے کی آواز آئی کہا حسن مجتبیٰ یہ باہر کون روتا ہے کہا تین دن سے قبر ڈیوڑھی سے لپٹے ہوئے ہیں، کہا قبر کو بلاؤ بیٹا حسنؑ قبر کو بلاؤ، قبر آئے سر سے پیر تک قبر کو دیکھا کہا قبر میرے بعد میری محبت میں حجاج بن یوسف تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے

گا کیا حال ہوگا تیرا، کہا مولا ستر بار مار کے دوبارہ پھر جلایا جائے اور خاک کو ہوا میں اڑایا جائے اور پھر جلایا جائے مجھ سے کہا جائے محبت علیؑ چھوڑ دو قبر، کبھی محبت علیؑ نہیں چھوڑ سکتا، رو رہے ہیں دھاڑیں مار کر، کیا عشق کیا ہے ان لوگوں نے علیؑ سے، کیا محبتیں کیں ہیں اور ہمیں سبق دے گئے کہ معرفت کی محبت کیا ہے، بیٹوں کو آواز دی سب بیٹے آئے حسنؑ مجتبیٰ کو پہلو میں بٹھایا سب بیٹوں کے ہاتھ حسنؑ کے ہاتھ میں دیئے، کہا احترام کرنا یہ تمہارا بڑا بھائی بھی ہے تمہارا امام بھی ہے میں نے حسنؑ کو اپنا جانشین، اپنا امام، اپنا خلیفہ بنایا ہمیشہ ان کی اطاعت کرنا، ایک ایک بھائی نے ادب کے ساتھ مولا کو سلامی دی، علیؑ کے سب بیٹے الگ الگ ایسے میں بھگتی رات میں کسی بی بی کے رونے کی آواز آئی چونک کر کہنے لگے زینبؑ یہ تو گھر میں کوئی روتا ہے کون ہے زینبؑ نے ادب سے کہا مادرِ گرامی ام البنینؑ رو رہی ہیں کہا بلاؤ ام البنینؑ کو علیؑ کے پاس لاؤ، بالوں کو بکھرائے ہوئے سر پہ خاک پڑی ہوئی ام البنینؑ آئیں، علیؑ نے کہا ام البنینؑ میں ابھی زندہ ہوں رونے کا کیا سبب، کہا میرے والی، میرے سرتاج سب بیٹوں کو آپ نے حسنؑ مجتبیٰ کے حوالے کیا میرے عباسؑ سے کیا خطا ہوئی، کہا ٹھہر جاؤ میرے پاس آؤ حسینؑ کو بلاؤ حسینؑ آئے پہلو میں حسینؑ کو بٹھایا اب میرے بیٹے عباسؑ کو بلاؤ، عباسؑ آئے عباسؑ کا ہاتھ لے کر حسینؑ کے ہاتھ میں دیا کہا عباسؑ خیال رکھنا یہ تمہارا امام ہے اس کی حفاظت کرنا بس یہ منظر جو دیکھا تو ام البنینؑ چپ ہو گئیں لیکن زینبؑ کی آنکھ میں آنسو آئے، ایک بار کہا زینبؑ میرا علم لاؤ علم آیا کہا زینبؑ علم سجاؤ، زینبؑ نے علم سجا دیا یہ اپنے ہاتھ سے عباسؑ کے ہاتھ میں دو، زینبؑ آگے بڑھیں علم عباسؑ کو دیا مولا علیؑ نے فرمایا دیکھا ام البنینؑ تیرا بیٹا کر بلا کا علم دار بن گیا، ماتم حسینؑ، یا علیؑ مولا، حیدر مولا

حضرت رسالتآبؑ کے

وہ جلیل القدر اصحاب جنہوں نے

امیر المومنینؑ کی معیت میں صفین میں جنگ کی

ہم ذیل میں پیغمبرؐ کے اُن جلیل القدر اصحاب کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں جنہوں نے جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی ان اصحاب میں ستر یا اسی وہ عظیم المرتبت صحابہ کبار بھی تھے جنہیں جنگ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور جن کے متعلق جمہور اسلام کا عقیدہ ہے وہ سب کے سب جنتی ہیں شاہ محمد علی حیدر کا کوروی لکھتے ہیں:-

”اصحاب بدر وہ عظیم المرتبت گروہ ہے جس کے علوئے مرتبت کی اطلاع خود آنحضرتؐ کو دی گئی حدیث صحیح ہے:-

إِنَّ اللَّهَ أَطْلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ أَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غُفِرَتْ لَكُمْ

نیز کلام مجید خود بایں الفاظ ناطق ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ
حضرت عمرؓ تو ان لوگوں کو حقدارِ خلافت بھی سمجھتے تھے۔ عبدالرحمان ابن انبری

حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امر خلافت اہل بدر کا حق ہے جب تک کہ ایک بھی اُن میں باقی ہے دوسرا حقدار نہیں پھر اہل اُحد اس منصب کے لائق ہیں تا وقتیکہ ان میں سے ایک بھی رہے دوسرے کو نہ ملنا چاہیئے۔ پھر دیگر مہاجرین و انصار ہیں۔ لیکن طلحہ بن طلحہ اور مسلمانانِ فتح مکہ کا اس خلافت میں کوئی حق نہیں۔“ (اسد الغابہ ذکر معاویہ، ۶، ۷، ۳، ۷، ۳)

- ۱۔ اسید بن ثعلبہ الانصاری (بدری)
- ۲۔ ثابت بن عبید الانصاری (بدری) آپ جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔
- ۳۔ ثعلبہ بن قتیض بن صخر الانصاری (بدری)
- ۴۔ جبر بن انس بن ابی زریق (بدری)
- ۵۔ جبکہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی (بدری)
- ۶۔ حارث بن حاطب بن عمرو الانصاری الاوسی (بدری)
- ۷۔ حارث بن نعمان بن أمیہ الانصاری الاوسی (بدری)
- ۸۔ حصین بن حارث بن مطلب قریشی (بدری)
- ۹۔ خالد بن زید بن کلیب ابویوب انصاری (بدری)
- ۱۰۔ خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین انصاری اوسی (بدری) (جنگِ صفین میں شہید ہوئے)

- ۱۱۔ خلیفہ یاعلیفہ بن عمرو البیاضی (بدری)
- ۱۲۔ خویلد بن عمرو الانصاری اسلمی (بدری)
- ۱۳۔ ربیع بن عمرو انصاری (بدری)
- ۱۴۔ رفاعہ بن رافع بن مالک انصاری خزرجی (بدری)
- ۱۵۔ زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی السہلوی (بدری)

- ۱۶۔ جابر بن عبد اللہ بن عمرو الانصاری السلمی (بدری)
- ۱۷۔ خباب بن الارت ابو عبد اللہ التیمی (بدری)
- ۱۸۔ سہل بن حنیف بن واہب الانصاری الاوسی (بدری)
- ۱۹۔ سماک بن اوس بن خرشہ الانصاری الخزرجی (بدری)
- ۲۰۔ صالح الانصاری (بدری)
- ۲۱۔ عبد اللہ بن عتیک الانصاری (بدری)
- ۲۲۔ عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابو مسعود الانصاری (بدری)
- ۲۳۔ عمار یاسر (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے۔)
- ۲۴۔ عمرو بن انس الانصاری الخزرجی (بدری)
- ۲۵۔ عمرو بن حنق الخزاعی الکعبی (بدری)
- ۲۶۔ قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری الخزرجی (بدری)
- ۲۷۔ کعب بن عامر السعدی (بدری)
- ۲۸۔ مسعود بن اوس بن اصرم الانصاری (بدری)
- ۲۹۔ ابوالہیثم مالک بن تیہان بلوی (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے۔)
- ۳۰۔ ابو حبیہ عمرو بن غزیہ (بدری)
- ۳۱۔ ابو عمرہ بشر بن عمرو بن محصن الانصاری (بدری) (آپ صفین میں شہید ہوئے۔)
- ۳۲۔ ابو فضالہ الانصاری (بدری)، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔
- ۳۳۔ ابو محمد الانصاری (بدری)
- ۳۴۔ ابو بردہ ہانی بن نيار یا نمر (بدری)
- ۳۵۔ ابوالسیر کعب بن عمرو بن عباد الانصاری السلمی (بدری)
- ۳۶۔ اسود بن عیسیٰ التیمی

- ۳۷۔ اشعث بن قیس کندی (جنگ صفین میں میمنہ کا سردار)
 ۳۸۔ انس بن مدرک ابوسفیانؓ انصاری۔
 ۳۹۔ اخف بن قیس ابو بھر تميمی سعدی۔
 ۴۰۔ اعین بن ضبیعة الحنظلی (جنگ صفین میں ایک رسالہ کے افسر تھے)
 ۴۱۔ برید الاسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) ان کے متعلق امیر المومنینؓ نے یہ اشعار فرمائے تھے:-

جزی اللہ خیراً عصبۃ اسلامیۃ
 حسان الوجوۃ صرعو حول ہاشم
 برید و عبد اللہ منہم و منقلد

و عروۃ ابنہ مالک فی الاکارم
 (خداوند عالم اسلمی جماعت کو جزائے خیر عنایت فرمائے جو خوبصورت
 چہروں والے ہیں جو ہاشم کے ارد گرد دعویٰ شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ برید اور
 عبد اللہ اور انھیں میں سے منقلد اور عروہ مالک کے دونوں فرزند بھی ہیں جن کا شمار
 معززین و شرفاء میں ہوتا ہے۔

- ۴۲۔ براء بن عازب انصاری خزرجی
 ۴۳۔ بشر یا بشیر بن ابی زید الانصاری
 ۴۴۔ بشر بن ابی مسعود الانصاری۔
 ۴۵۔ ثابت بن قیس بن الخطیم الانصاری۔
 ۴۶۔ جاریہ بن زید (جنگ صفین میں شہید ہوئے)
 ۴۷۔ جاریہ بن قدامہ بن مالک تميمی سعدی۔
 ۴۸۔ جبلة بن عمرو بن ثعلبة الانصاری۔

- ۴۹۔ جبیر بن حباب بن منذر انصاری۔
 ۵۰۔ جندب بن زہیر الازدی الغامدی (یہ امیر المومنینؑ کے افسر فوج تھے)
 ۵۱۔ جندب بن کعب عبدی ابو عبد اللہ الازدی الغامدی۔
 ۵۲۔ حارث بن عمرو بن حزام الانصاری الخزرجی۔
 ۵۳۔ حازم بن ابی حازم الاحسی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)
 ۵۴۔ حبشی بن جنادۃ بن نصر سلولی۔
 ۵۵۔ حجاج بن عمرو بن عزیر الانصاری۔
 ۵۶۔ حجر بن عدی کنذی جو حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ (جنگ صفین میں افسر فوج تھے)۔

- ۵۷۔ حجر بن یزید بن سلمہ الکندی۔
 ۵۸۔ حنظلہ بن نعمان الانصاری۔
 ۵۹۔ حیان بن ابجر کنانی۔
 ۶۰۔ خالد بن ابی خالد الانصاری۔
 ۶۱۔ خالد بن ابی وجانہ انصاری۔
 ۶۲۔ خالد بن معمر بن سلیمان السدوسی۔
 ۶۳۔ خالد بن ولید الانصاری۔
 ۶۴۔ خوشہ بن مالک بن جریر الاودی۔
 ۶۵۔ رافع بن خدیج بن رافع الانصاری الخزرجی الحارثی۔
 ۶۶۔ ربیعہ بن قیس العدوانی۔
 ۶۷۔ ربیعہ بن مالک بن وہیل النخعی۔
 ۶۸۔ زبید بن عبد خولانی۔ (یہ جنگ صفین میں پہلے معاویہ کے ساتھ تھے

اور اُس کی فوج کے علمدار تھے جب جناب عمار شہید ہو گئے تو پیغمبر کی حدیث عمار
”تقتله الفئة الباغية“ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کے پیش نظر
امیر المومنینؑ کے لشکر میں چلے آئے۔

۶۹۔ زیاد بن ارقم بن زید بن قیس کعبی خزرجی۔

۷۰۔ زید بن جاریہ الانصاری۔

۷۱۔ زیاد بن حنظلہ تمیمی۔

۷۲۔ زید بن جبلة یاحبلہ۔

۷۳۔ سعد بن حارث بن صمۃ الانصاری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)۔

۷۴۔ سعد بن مسعود الثقفی جناب مختار کے چچا تھے۔

۷۵۔ سلیمان بن مرد بن ابی الجون ابوالمطرف الخزاعی۔

۷۶۔ سلیمان بن مرد بن ابی الجون ابوالمطرف الخزاعی۔

۷۷۔ سہیل بن عمرو الانصاری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۷۸۔ شبث بن ربعی تمیمی یربوعی ابو عبد القدوس۔

۷۹۔ شعیب بن عبد اللہ بن شکل مذحجی۔

۸۰۔ شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک ابوالمقدام الحارثی۔

۸۱۔ شیبان بن محرث۔

۸۲۔ صدی بن عجلان بن الحارث ابو امامہ باہلی۔

۸۳۔ صعصعہ بن صوحان عبیدی۔

۸۴۔ صفر بن عمرو بن محسن (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۸۵۔ صفی بن ربعی بن اوس۔

۸۶۔ عاذ بن سعید بن زید بن جندب الحارثی البصری (صفین میں شہید ہوئے)

۸۷۔ عائد بن عمرو الانصاری۔

۸۸۔ عامر بن وائلہ بن عبد اللہ ابو الطفیل اللیثی۔

۸۹۔ عبد اللہ الاسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) یہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی امیر المومنینؑ نے مدح فرمائی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حضرت کے اشعار ہم نے ذکر کئے ہیں۔

۹۰۔ عبد اللہ بن بدیل ورقاء خزاعی۔ (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۹۱۔ عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب (صفین میں امیر المومنینؑ کے میسرہ لشکر کے افسر تھے)۔

۹۲۔ عبد اللہ بن خراش ابو یعلیٰ الانصاری۔

۹۳۔ عبد اللہ بن خلیفہ بولانی طائی۔

۹۴۔ عبد اللہ بن ذباب بن الحارث المذحجی۔

۹۵۔ عبد اللہ بن طفیل بن ثور بن معاویہ بکائی۔

۹۶۔ عبد اللہ بن کعب مرادی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)، یہ بزرگوار امیر المومنینؑ کے اکابر اصحاب سے تھے۔

۹۷۔ عبد اللہ بن یزید الحنفی الانصاری الاوسی۔

۹۸۔ عبد الرحمن بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگ صفین میں)

۹۹۔ عبد الرحمن بن حسل الجبعی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۱۰۰۔ عبید بن خالد السلمی۔

۱۰۱۔ عبد اللہ بن سہیل الانصاری۔

۱۰۲۔ عبید بن عازب، براء بن عازب کے بھائی۔

۱۰۳۔ عبید بن عمرو السملانی۔

۱۰۴۔ عبدخیر بن یزید بن محمد الہمدانی (امیر المومنین کے اکابر صحابہ میں سے تھے)۔

۱۰۵۔ عدی بن حاتم بن عبد اللہ بن سعد الطائی

۱۰۶۔ عروہ بن زید انخیل الطائی۔

۱۰۷۔ عروہ بن مالک اسلمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے) یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کی امیر المومنین نے اپنے اشعار میں مدح فرمائی ہے۔

۱۰۸۔ عقبہ بن عامر سلمی۔

۱۰۹۔ علاء بن عمرو الانصاری۔

۱۱۰۔ علیم بن سلمہ النہمی۔

۱۱۱۔ عمرو بن بلال۔ یہ بزرگ مہاجر بھی تھے۔

۱۱۲۔ عمیر بن حارثہ اللیثی۔

۱۱۳۔ عمیر بن قرہ سلمی۔

۱۱۴۔ عمار بن ابی سلامۃ بن عبد اللہ بن عمران۔

۱۱۵۔ عوف بن عبد اللہ بن احمر ازدی۔

۱۱۶۔ فاکہ بن سعد بن جبیر الانصاری الاوسی الخطمی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۱۱۷۔ قیس بن ابی قیس انصاری۔

۱۱۸۔ قیس بن مشکوح ابوشداد المرادی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۱۱۹۔ قرظہ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو انصاری خزرجی۔

۱۲۰۔ کرامہ بن ثابت الانصاری۔

۱۲۱۔ کعب بن عمر ابو زعنے۔

۱۲۲۔ کسمل بن زیاد نخعی (کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے ۱۸ سال انھوں

نے دیکھے یہ بہت معزز و محترم اور ثقہ بزرگ تھے)۔ اصحابہ جلد ۳، ص ۳۱۸۔

۱۲۳۔ مالک بن حارث بن عبد یغوث نخعی مشہور بہ اشتر۔

۱۲۴۔ مالک بن عامر بن ہانی بن خفاف الاشعری۔

۱۲۵۔ محمد بن بدیل بن ورقاء خزاعی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)

۱۲۶۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب البہاشی (جنگ صفین میں درجہ شہادت پر

فائز ہوئے)۔

۱۲۷۔ مخنف بن سلیم بن حرث بن عوف بن ثعلبہ ازدی غامدی۔ (جنگ صفین میں قبیلہ ازد کے علمدار تھے)۔

۱۲۸۔ معقل بن قیس ریاحی تمیمی ربوعی۔

۱۲۹۔ مغیرہ بن نوفل بن حرث بن عبد المطلب ہاشمی۔

۱۳۰۔ منقذ بن مالک اسلمی، عروہ بن مالک کے بھائی (جنگ صفین میں

شہید ہوئے)۔

۱۳۱۔ مہاجر بن خالد بن ولید مخزومی (جنگ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۳۲۔ فضلہ بن عبید الاسلمی ابو بریزہ۔

۱۳۳۔ نعمان بن عجلان بن نعمان الانصاری الرزقی۔

۱۳۴۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المرقال (امیر المومنینؑ کے علمدار لشکر

تھے، جنگ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۳۵۔ ہبیرہ بن نعمان بن قیس بن مالک بن معاویہ جعفی۔ (امیر المومنینؑ

کے سردار لشکر تھے)۔

۱۳۶۔ وداعہ بن ابی زید الانصاری۔

۱۳۷۔ یزید بن حویرث الانصاری۔

- ۱۳۸۔ یزید بن طعنے بن جاریہ بن لوزان الانصاری النخعی۔
 ۱۳۹۔ یعلیٰ بن اُمیہ بن ابی عبیدہ بن ہام بن حرث تمیمی حنظلی۔
 ۱۴۰۔ یعلیٰ بن عمیر بن یعمر حارثہ بن عبید نہدی۔
 ۱۴۱۔ ابوشمر بن ابرہہ بن شرجیل بن ابرہہ بن الصباح الحمیری (جنگ صفین میں شہید ہوئے)۔

۱۴۲۔ ابویعلیٰ الانصاری، عبدالرحمن کے والد۔

۱۴۳۔ ابو جحیفہ السوائی۔

۱۴۴۔ ابو عثمان الانصاری۔

۱۴۵۔ ابوالورد بن قیس بن فہر الانصاری۔

اس فہرست کے دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گروہ صحابہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف تھا۔ معاویہ کو لوگ باغی سمجھتے تھے۔ اصحاب بدر کے اجماع سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ (الغدير جلد نہم، ص ۳۶۲ تا ۳۶۸۔ وسيرة علوية شاه محمد علي حيدر کا کوردی صفحہ ۷۳ تا ۷۴) (۳۷۶ تا ۳۷۷)

حالاتِ زندگی اصحابِ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

حُجْر بن عدی

حُجْر بن عدی الکندی:

حُجْر نام، کنیت ابو عبد الرحمن، کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔
سلسلہ نسب اس طرح ہے:-

”عمر بن عدی بن معاویہ بن حیلہ بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ
الاکرین الحارث بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن
بزخ بن معاویہ بن کندہ الکندی“۔

کوفہ کے سربراہ اور رؤسا میں آپ کا شمار ہے، تاریخ میں حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں، حجر الادیر بھی آپ کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ مورخین لکھتے ہیں کہ ان کے والد عدی نے ایک مرتبہ پشت پھیرتے ہوئے نیزے کا وار کیا تھا اس وقت سے ان کا لقب الادیر ہو گیا۔

اسلام:

حجر بن عدی کے زمانہ اسلام کی تعیین میں تاریخ خاموش ہے صرف اتنا ملتا ہے کہ آپ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مؤلف ”سیر الصحابہ“ لکھتے ہیں۔

”اغلب یہ ہو کہ ۹ھ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے ہوں

گے کیونکہ اسی سنہ میں کندہ کا وفد مدینے آیا تھا اس میں حجر بھی تھے“

(سیر الصحابہ حصہ ۷ صفحہ ۴۶)

حجر بن عدی کی اسلامی عظمت:

حجر بن عدیؓ کا شمار ان اصحاب میں ہے جو اپنے علم و تقویٰ اور زہد و تقدس میں نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کے صحابی رسولؐ ہونے پر تمام ارباب سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں۔

حجر بن عدیؓ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جنگہ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلا و صحابہ میں سے تھے۔

(اسد الغابہ، جلد اول ۲۸۵، اصحابہ ۱/۲۳۹)

(۲) علامہ ابن کثیر اپنی مشہور کتاب ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں:-

محمد بن سعد نے صحابہ کے طبقہ رابعہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز طبقہ اول میں ان کو تابعین اہل کوفہ

سے لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۸/۵۰)

علامہ ابن عبد البر مکی لکھتے ہیں:-

”کان حجر من فضلاء الصحابة وصغر من عن كبارهم
”حجر بن عدی فضلاء صحابہ میں سے تھے اگرچہ سن کے لحاظ سے وہ کبار صحابہ

سے کم تھے۔“ (استیعاب ۱۳۱/۱)

آگے چل کر یہی مؤلف ایک دوسری روایت میں لکھتے ہیں:-

احمد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سلیمان سے کہا کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ
حجر مستجاب الدعوات تھے۔ انھوں نے کہا بیشک اور افاضل اصحاب رسولؐ میں تھے۔

(استیعاب ۱۳۲/۱)

آپؑ کا مستجاب الدعوات ہونا اتنا مشہور تھا کہ آپؑ کا خصوصی لقب قرار دیا گیا
جس کا قریب قریب تمام علمائے رجال نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی
نے ”کتاب الاولیاء“ کے حوالے سے ایک روایت درج کی ہے جس سے ان کی
روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابراہیم بن جنید نے ”کتاب الاولیاء“ میں سند منقطع کے ساتھ روایت کی ہے
کہ حجر بن عدی کو (اپنے زمانہ نظر بندی) میں ایک مرتبہ نہانے کی ضرورت
ہوگئی۔ آپؑ نے اپنے نگران اور موکل سے کہا کہ میرے پینے کے لیے جو پانی
تمہارے پاس ہے وہ مجھے دے دو تا کہ میں غسل کر لوں اور کل مجھ کو بالکل نہ دینا
موکل نے جواب دیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ آپؑ پیاس سے ہلاک ہو جائیں گے اور
اگر معاویہ کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ حجر
نے اسی وقت اللہ سے دعا کی ابھی وہ تمام نہ ہوئی تھی کہ بادل چھا گیا اور پانی
برسنے لگا، حجر نے اپنی ضروریات کے مطابق اس میں سے پانی لے لیا، یہ دیکھ کر

ان کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ ہماری رہائی کے لیے بھی اللہ سے دعا کریں حجر نے اس وقت ان الفاظ کے ساتھ دعا کی اللہم خزلنا "بارِ الٰہا ہمارے لیے جو تیری نظر میں بہتر ہو وہی اختیار فرما اس کے بعد حجر مع اپنے اصحاب کے قتل کر دیئے گئے۔

(اصابہ ۲۲۹/۱)

علامہ ابن عبد البر کی لکھتے ہیں۔

(مشہور تابعی) محمد بن سرین سے جب قتل سے پہلے نفل پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ دو رکعتیں ضعیف اور حجر نے پڑھی میں اور یہ دونوں فاضل تھے۔

علامہ ابن کثیر حجر بن عدی کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

مرزبانی کا قول ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدیؓ کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب سے زیادہ عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے نیز نماز روزے میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے اور ہر حدث کے بعد وضو ضرور کرتے اور جب بھی وضو کرتے تھے تو دو رکعت نماز بجا لاتے تھے، اسی طرح اور دوسرے لوگوں کا بھی بیان ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ہم سے یعلیٰ بن عبید نے اور ان سے اعش نے اور انھوں نے ابو اسحق سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلمانؓ نے ایک مرتبہ عجز سے کہا اے ماں کے بیٹے اگر کثرت عبادت سے تمہارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تب بھی ایمان کا حق نہیں ادا ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ ۵۰/۸)

حجر بن عدی کے بارے میں امام حسینؑ کا ارشاد:

حجر بن عدی کے قتل کے بعد امام حسینؑ نے معاویہ کو جو خط لکھا ہے اس میں حجر

بن عدی اور ان کے اصحاب کے متعلق آپ نے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے حجر بن عدی کی حقیقی عظمت سامنے آ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

(اے معاویہ) کیا تم حجر بن عدی کنندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے اور منکرات سے روکتے تھے۔ (کتاب الامامت والسیاست، صفحہ ۱۶۸)

ابو مشرک کا قول ہے کہ حجر عبادت گزار تھے اور جب بھی کوئی حدیث صادر ہوتا تھا تو فوراً وضو کرتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو نماز پڑھتے تھے اور اپنی ماں کا فرش اپنے ہاتھ سے جھاڑتے تھے اس کے بعد خود لیٹ کر دیکھتے تھے۔ جب یقین ہو جاتا تھا کہ بستر پر کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے تب ان کی ماں اس پر سوتی تھیں۔

(ابن عساکر ۵/۴)

روایت حدیث:

حجر بن عدی نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ، حضرت عمارؓ یا سر اور شریل بن مرہ سے احادیث کو سنا ہے اور ان سے غلام ابولیلی نیز عبدالرحمن بن العباس اور ابوالخثری طائی نے روایت کی ہے۔

مؤلف طبقات ان کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "وكان ثقة معروفاً ولم يرو عن غيره على شئياً" حجر بن عدی ثقہ اور معروف تھے اور بجز علیؑ کے انھوں نے کسی دوسرے سے روایت حدیث نہیں کی۔

(البدایہ والنہایہ، ۸/۸۵۰)

مؤرخ ابن عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو حجر بن عدی سے مروی ہیں۔

حافظ نے اپنی سندوں کے ساتھ جو حجر بن عدی تک پہنچی ہیں روایت کی ہے،

وہ کہتے ہیں کہ میں نے شرجیل بن مرہ سے سنا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے علیؑ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تمہاری زندگی اور موت میرے ساتھ ہے۔

(۲) رحوی عن حجر افہ قال سمعت علی بن ابی طالبؑ یقول الوفیو نصف الایمان (ابن عساکر ۸۵/۴)

جنگی خدمات:

حجر بن عدی کا تذکرہ تاریخ میں عموماً ایک عابد و زاہد صحابی رسولؐ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ایک جنگ جو سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے کسی سے کم نہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے ابتدائی حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے ورنہ ان کی زندگی کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہتا۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپؐ بہت آخر میں ایمان لائے اس لیے عہد رسالتؐ کے کسی غزوے میں شرکت نہ کر سکے لیکن تعجب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی خلافت ثانیہ کے ابتدائی زمانے تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا البتہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے جستہ جستہ ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس سے بہت کچھ ان کے جنگی کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں با تفاق مؤرخین آپؐ کی موجودگی پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد شام میں اس لشکر کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس نے عذرا کو فتح کیا۔ (البدایہ والنہایہ ۵۰/۸)

قادسیہ کے بعد مدائن کی فتح میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ مدائن فتح ہونے کے بعد جب یزیدؓ نے جلولار میں فوجیں جمع کیں تو سعد بن وقاصؓ نے اس کے مقابلے کے لیے ہاشم بن عتبہؓ کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی حجر اس فوج کے

میمنہ کے افسر تھے۔ (فتوح البلدان)

اسی طرح حلوان کی فتح میں حجر نے بیش قیمت خدمات انجام دیں جیسا کہ بلاذری کی حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

مجھ سے محمد بن سعد نے، ان سے واقدی نے، ان سے محمد بن نجاد نے، ان سے عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ جب معاویہ نے حجر بن عدی کو قتل کیا تو میرے والد (سعد بن ابی وقاص) نے کہا۔ اگر معاویہ نے دیکھا ہوتا کہ فتح حلوان میں حجر کے کیا کارنامے تھے تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اسلام میں ان کی کیا منزلت ہے۔

عہدِ امیر المومنینؑ:

حجر بن عدی کا شمار امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے مخصوص اصحاب اور فداکاروں میں ہے۔ آپ نے ابتدائاً کواشعث بن قیس کی جگہ کندہ کی گورنری دینی چاہی تھی لیکن حجر نے اس سے نسبی قرابت ہونے کی بنا پر معذرت کر دی۔ بہر حال اس دور کی شخصیتوں میں وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے عہدِ خلافت میں جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۳۸)

جنگِ جمل کی تیاری کے دوران میں جب امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت عمارؓ کو اہل کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا تو حجر وہاں پہلے سے موجود تھے چنانچہ انھیں کی تحریک پر کوفے والے حضرت علیؑ کی حمایت پر آمادہ ہوئے۔ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حجر بن عدی مجمعے میں کھڑے ہو گئے اور کہا لوگو! ”امیر المومنینؑ کی دعوت قبول کرو اور جس طرح ممکن ہو سامان کے ساتھ یا غیر سامان کے حاضر خدمت ہو، مجمعے نے ہر طرف سے ان

کی دعوت پر لبیک کہی اور کہا کہ ہم ہر حالت میں مدد کے لیے تیار ہیں۔ دوسرے روز صبح کو جب امام حسنؑ نے شمار کیا تو وہ تعداد میں ۹۶۵۰ تھے۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۱۵۴)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کوفہ سے حسن بن علیؑ کے ہمراہ روانہ ہوئے حسب تفصیل ذیل سردار تھے۔

کنانہ واسد و تمیم و رباب و مزینہ پر معقل بن یسار ریاچی اور قبائل قیس پر سعد بن مسعود ثقفی عم مختار اور بکر و تغلب و علہ پر محمود ج ذہلی اور مذحج اور شعریں پر حجر بن عدی اور بحیلہ و انمار و خشم و رزد پر مخنف بن سلیم ازدی یہ سب لوگ حضرت علیؑ سے مقام ذی قار میں ملاقاتی ہوئے۔ (ابن خلدون ۱۶۰/۲)

اس کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت علیؑ نے حجر کو کندہ حضرت موت قضاہ آور مہرہ کا افسر بنایا۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۵۵)

جنگ صفین:

جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے، اس معرکے میں انھوں نے نہایت بہادری سے جنگ کی۔ علامہ مجلسی نصر بن مزاحم کی ”کتاب الصفین“ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

عمرو بن شمر نے جابر سے انھوں نے شجعی سے روایت کی ہے کہ صفین کے ساتویں روز جو انتہائی سخت دن تھا سب سے پہلے دو بہادر جو نہر دآزما ہوئے وہ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے حجر بن عدی اور معاویہ کے اصحاب میں سے ابن عم حجر تھے، دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی، اسی اثنا میں خزیمہ اسدی معاویہ کے لشکر سے برآمد ہوا حجر نے اس پر نیزہ کا وار کیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کے اور اصحاب بھی اُس پر حملہ آور ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس ہنگامہ میں حجر کا ابن

عم جان بچا کر نکل گیا۔

اس روز حجر بن عدی نے معاویہ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ادہم بن لام قضاعی اور حکم بن ازہر رجز پڑھتے ہوئے مقابلے کے لیے نکلے حجر نے دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔

(بحار الانوار جلد ۸، صفحہ ۴۸۹)

یہ دیکھ کر مالک بن مسہر قضاعی جو حکم بن ازہر کا ابن عم تھا، شیر کی طرح پھر کر حجر کے مقابلہ کو نکلا اس وقت یہ رجز اُس کی زبان پر تھا۔

انا بن مالک بن مسہر

اقدم اذا شئت ولا توخر

تھوڑی دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا، بالآخر حجر نے موقع پا کر اُس کو بھی قتل کر دیا۔ (بحار الانوار ۵۱۲/۸)

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں۔ صفین کے میدان میں ایک شامی جوان حجر الشمر نے جب مبارز طلبی کی ہے تو حجر بن عدی ہی اس کے مقابلے کو گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بالآخر حجر نے موقع پا کر اس پر ایسا وار کیا کہ شامی اپنے گھوڑے پر نہ سنبھل سکا اور زمین پر آ گیا۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۱۸۷)

حجر بن عدی نے اس جنگ میں بڑی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔ اور شروع سے آخر تک برابر امیر المومنینؑ کے ساتھ رہے۔

اس کے بعد حکیم کے موقع پر بھی حجر کی موجودگی ملتی ہے۔ چنانچہ جب اقرار نامہ لکھا گیا ہے تو حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہی دینے والوں میں آپ کا نام بھی ہے۔

مورخ طبری لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے گواہوں میں اشعث بن قیس کندی، عبد اللہ بن عباس، سعید بن قیس ہمدانی، ورقاء بن سبی الجہلی، عبد اللہ بن مغل غلی، حجر بن عدی کندی، عبد اللہ بن طفیل عامری، عقبہ بن زیاد حضرمی، یزید بن جحیہ، تیبی اور مالک بن کعب ہمدانی تھے۔ (طبری ۳۰:۶)

صفین سے فارغ ہونے پر امیر المومنینؑ نے جب دوبارہ اہل شام سے جنگ کرنا چاہی تو آپؑ نے رؤسا و اکابر اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

”تم لوگ میرے معاون و مددگار ہو، مناسب ہے کہ ہر سردار اپنے اپنے گروہ کی ایک فہرست تیار کرے تاکہ لڑنے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ ہو جائے، حجر بن عدی اور دیگر سرداروں نے بسر و چشم اس حکم کی تعمیل کی۔ حجر نے اپنے لڑکوں اور غلاموں کو لڑائی کے لئے آمادہ کیا اور کسی تنفس کو جو جنگ کے قابل تھا نہ چھوڑا۔ فہرست تیار ہونے پر معلوم ہوا کہ چالیس ہزار نبرد آزما تجربہ کار، سترہ ہزار نو عمر، آٹھ ہزار خادم جنگ میں جاسکتے ہیں لیکن امیر المومنینؑ اپنے اصحاب کے اختلاف کی وجہ سے اقدام نہ فرما سکے۔ (کامل ۱۳/۱۱۲، ابن خلدون ۲: ۱۷۹)

اس کے بعد نہروان میں جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا تو وہاں بھی حجر میسنہ کی قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں (اخبار الطوال صفحہ ۲۲۳، الامامۃ والسیاسۃ، ص ۱۳۱)

جنگِ تدمر:

۳۹ھ میں معاویہ نے ضحاک بن قیس کو ہزار سواروں کے ہمراہ اسفل واقضہ پر روانہ کیا۔ یہ لشکر جابجا لوٹ مار کرتا ہوا تعلبیہ تک پہنچ گیا۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپؑ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سواروں کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجا، ان سپاہیوں کو آپؑ نے فی کس پچاس پچاس درہم پہلے دے دیے

تھے، غرضیکہ تدمر کے مقام پر دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ضحاک کے ۱۹ آدمی اور عراق کے ۲ آدمی مارے گئے، جب رات ہوئی تو لڑائی موقوف ہوگئی۔ ضحاک مع اپنے لشکر کے بھاگ گیا، حجر بن عدی واپس آگئے (طبری ۸/۶، ۷ و کامل ۱۶۳/۳) ۴۰ھ میں بسر بن ارطاة نے حجاز و یمن کے علاقوں میں قتل و غارت شروع کیا تو اُس وقت امیر المومنینؑ نے کوفے کی جامع مسجد میں نہایت پُر جوش خطبے دے کر اپنے اصحاب کو حدودِ عراق سے شامی فوج کے نکال دینے پر ابھارا۔ ان تقریروں سے تمام اہل کوفہ آمادہ ہو گئے لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف ۳۰۰ آدمی رہ گئے۔ جناب امیرؑ کو اس بے حسی کا بہت صدمہ ہوا۔ اس موقع پر امیر المومنینؑ کی تقریر کے بعد حجر بن عدی اور سعید بن قیس الہمدانی کھڑے ہو گئے ان دونوں نے عرض کی کہ ان لوگوں کو چلنے کے لیے مجبور کیا جائے اور ان میں منادی کرادی جائے اس کے بعد جو تحلف کرے اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ایسا ہی کیا۔ (اخبار الطوال ۲۲۷)

عہدِ امام حسنؑ:

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد بھی خانوادہٴ رسالت سے آپ کی وابستگی بدستور رہی اور جس طرح امیر المومنینؑ کی حمایت کرتے تھے اُسی طرح اُن کے فرزند جناب امام حسنؑ کی نصرت و حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

خلفائے ثلاثہ کے بارے میں حجر بن عدی کے خیالات:

تمام اربابِ سیر و رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ حجر بن عدی حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور اُن کے مخلص شیعوں میں تھے، اس بنا پر ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور اُن کے ہم خیال افراد سے اُن کو مذہبی طور پر عقیدت نہیں

ہوسکتی پھر بھی جہاں تک شیخین، حضرات ابو بکر و عمر کا تعلق ہے، ان کے بارے میں کوئی ایسی تصریح تاریخ میں نہیں ملتی جس سے حجر بن عدی کے خیالات کا اندازہ کیا جاسکے البتہ حضرت عثمان اور معاویہ وغیرہ کے متعلق بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدی اُن کو حق پر نہیں سمجھتے تھے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

ابن جریر نیز دیگر مؤرخین نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان پر شدت سے نکتہ چینی کرتے تھے اور اُن کو ظالم سمجھتے تھے نیز امر پر تنقید کرتے تھے اور ان کے احکام کے منکر تھے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور شیعہ علیؑ کو دوست رکھتے تھے اور دین میں بہت شدید تھے۔ (الہدایہ والنہایہ ۵۴/۸)

مغیرہ بن شعبہ اور دیگر حکام سے اُن کو اختلاف صرف اسی بنا پر رہا کہ وہ حضرت عثمان کی مدح اور امیر المومنینؑ کی مذمت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا خصوصاً معاویہ اور اہل شام سے وہ علی الاعلان برأت کرتے تھے، اس میں ان کی سختی اس حد تک تھی کہ خود امیر المومنینؑ کو فہمائش کی ضرورت پڑی۔ ابن ابی الحدید ”کتاب الصنفین نصر بن مزاحم“ کے حوالے سے لکھتا ہے۔

نصر نے عبداللہ بن شریک سے روایت کیا ہے کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حنظل کے متعلق امیر المومنینؑ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اہل شام سے اظہار برأت کرتے ہیں تو آپ نے کسی شخص کو اُن کے پاس بھیج کر اس امر سے باز رہنے کو کہا، یہ سن کر وہ دونوں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا! ”کیا ہم حق پر نہیں ہیں!“ فرمایا ”بیشک تم حق پر ہو“ پھر کہا! ”کیا ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”ضرور وہ باطل پر ہیں“ یہ سن کر ان دونوں نے کہا ”پھر آپ ہم کو

ان پر سب و شتم کرنے سے کیوں منع فرماتے ہیں؟ امیر المومنینؑ نے جواب دیا کہ ”میں تمہارے لئے اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ تم لغان اور شتم کہلائے جاؤ اور اسی کو اپنا شعار بنا لو لیکن اگر تم ان کے مساوی اعمال بیان کرو اور اُن کی سیرت اور اُن کے عمل کی برائیاں کرو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور اس حد تک تم معذور قرار دیے جاؤ گے نیز اُن پر لعن اور برأت یہی ہے کہ تم یوں کہو! اے اللہ! ہمارے اور اُن کے خون کو بہانے سے بچا“ اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کرو اور گمراہی سے اُن کو ہدایت کی طرف لاتا کہ جو حق سے ناواقف ہو وہ حق کو پہچان لے اور جو گمراہی اور سرکشی میں مبتلا ہے وہ اس سے نکل جائے یقیناً یہ امر میرے لئے بھی زیادہ محبوب ہے اور تمہارے لئے بھی اسی میں بہتری ہے“ یہ سن کر ان دونوں حضرات نے کہا اے امیر المومنینؑ! ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

(شرح ابن ابی الحدید: ۱۵۵)

حجر بن عدی اور اموی دورِ حکومت:

امام حسنؑ کی صلح کے بعد معاویہ تمام اسلامی قلمرو کا خود مختار فرماں روا تھا۔ یہ پورا دور حجر بن عدی کے لئے سخت صبر آزمائی تھا اس لئے کہ حکومت کی طرف سے تمام عمال کے نام یہ احکام نافذ کر دیے گئے تھے کہ منبروں پر علیؑ الاعلان علیؑ اور آل علیؑ پر سب و شتم کیا جائے اور شیعین علیؑ کی کوئی مراعات نہ کی جائے۔ چنانچہ ۴۱ھ میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کی امارت پر مقرر کیا ہے تو اس کو بلا کر حسب ذیل گفتگو کی

”میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں صرف اس غرض سے ان کو نظر انداز کرتا ہوں کہ تمہاری بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے۔ تم جانتے ہو کہ کن امور میں میری خوشنودی ہے،

میری حکومت کی ترقی اور میری رعایا کی بہتری ہے البتہ ایک امر کا ذکر کئے بغیر میں نہ رہوں گا۔ وہ یہ کہ علیؑ پر سب و شتم اور ان کی مذمت کرنے نیز عثمان کے لئے طلبِ مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے ساتھ ہی اصحابِ علیؑ کی عیب جوئی اور ان کو اپنے سے دور رکھنے میں، ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعہ اہل عثمان کی ستائش گیری اور ان کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں کبھی دریغ نہ کرنا۔“

(کامل ۳: ۲۰۲، طبری ۶/ ۱۳۱)

اس کے بعد معاویہ نے مغیرہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تاکید کی کہ زیادؓ بن عدی، سلیمان بن صرد، شیش بن ربیع، ابن الکوا اور عمرو بن حتم کو بالالتزام نماز جماعت میں اپنے ساتھ رکھا کرو چنانچہ یہ سب بحالتِ تقیہ مغیرہ کے ساتھ با جماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (تاریخ ابن خلدون ۶: ۳)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یہ شرط اس لئے لگائی تھی کہ یہ لوگ شیعہ اہل علیؑ میں سے تھے۔ (تاریخ کامل ۳: ۱۸۳)

مذکورہ بالا گفتگو سے ہر شخص آسانی کے ساتھ یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے علیؑ اور اصحابِ علیؑ کے بارے میں معاویہ کی کیا پالیسی تھی۔ حجر بن عدی ان لوگوں میں تھے جن کو امیر المومنینؑ کے ساتھ گہری عقیدت تھی، جنگِ جمل اور صفین میں علیؑ کی حمایت میں ان کی سرگرمی اور فداکاری نیز صلح کے موقع پر معاویہ کی شدید مخالفت، یہ تمام وہ چیزیں تھیں جو حکومت کی نظر میں ان کو واجب القتل قرار دینے کے لئے کافی تھیں اس لئے ان کی زندگی کا یہ پورا دور نہایت مصائب میں گزرا۔ مغیرہ نے جب تک حکومت کی اپنے امیر کی اسی پالیسی پر عمل

پیرا رہا جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، ان کا بیان ہے کہ مغیرہ کے بعد ایسا کوئی حاکم ہمارا نہیں ہوا۔ اُنھوں نے سات برس اور چند ماہ معاویہ کی طرف سے کوفہ میں حکومت کی..... وہ عافیت کے دل سے خواہش مند تھے مگر علیؑ کو برا کہنے، ان کی مذمت کرنے، قاتلانِ عثمان پر لعنت بھیجنے، اُن کی عیب جوئی کرنے نیز عثمان کے لئے دعائے مغفرت اور اُن کے اصحاب کی تعریف کو اُس نے کبھی ترک نہیں کیا۔ (طبری ۶: ۱۳۲)

حجر بن عدی اپنے جذبہ ارادت کے تحت ان امور کی تاب نہ لا سکتے تھے اس لئے وہ برملا مغیرہ کو ٹوک دیا کرتے تھے کہ خدائے عزوجل فرماتا ہے۔ ”کونوا قوامین بالقسط“ میں گواہی دیتا ہوں کہ جن لوگوں کی تم مذمت کرتے ہو اور جن کو عیب لگاتے ہو وہی فضیلت اور بزرگی کے سزاوار ہیں اور جن کا بے لوث ہونا تم ثابت کر رہے ہو اور تعریف کرتے ہو وہی مذمت اور نفیر کے قابل ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ ایک ہوشیار حاکم تھا، وہ حجر بن عدی کی شخصیت اور اہل کوفہ پر اُن کا جو اثر تھا اس سے بخوبی واقف تھا اس لئے زیادہ تعرض کرنا اس نے اپنے سیاسی مصالح کے خلاف سمجھا اور وقت کا منتظر رہا، ساتھ ہی اُس نے اپنے رویے کو ترک نہیں کیا اور سختی کے ساتھ اس پر عامل رہا چنانچہ اپنی امارت کے آخری زمانے میں جو تقریر اس نے کی ہے اس میں علیؑ و عثمان کے بارے میں جو ہمیشہ کہا کرتا تھا وہی کہا ہے۔ طبری نے حسب ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:-

”خداوند! عثمان بن عفان پر رحم کر اور ان سے درگزر کر اور عملِ صالح کی اُن کو جزا دے، اُنھوں نے تیری کتاب پر عمل کیا، تیرے پیغمبرؐ کی سنت کا اتباع کیا، اُنھوں نے ہم لوگوں میں اتفاق قائم رکھا، ہم کو خونریزی سے بچایا۔ وہ ناحق قتل کئے گئے۔ خداوند! ان کے انصار، ان کے دوستوں و محبوں پر اور اُن کے خون کا

قصاص لینے والوں پر رحم فرما۔“

اس کے بعد عثمان کے قاتلوں پر بددعا کی، حجر بن عدی اس مجمعے میں موجود تھے۔ مغیرہ کی یہ تقریر سن کر کھڑے ہو گئے اور ایسا نعرہ کیا کہ مسجد میں جتنے لوگ بیٹھے تھے اور جتنے باہر تھے سب نے سنا اور کہنے لگے ”کس شخص کے دھوکے میں تم آئے ہو، تم نہیں سمجھتے کہ بڑھاپے کے سبب اس کی عقل جاتی رہی ہے، اے شخص ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کئے جانے کا حکم دے، تُو نے ہمارے رزق کو بند کر رکھا ہے، اس کا تجھے کیا اختیار ہے تجھ سے پہلے جو حکام گزرے ہیں انھوں نے کبھی اس بات کی طمع نہیں کی۔ اس کے علاوہ تو نے امیر المومنین کی مذمت اور مجرموں کی ستائش کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔“

حجر کی یہ تقریر سن کر مسجد میں تقریباً دو ٹلٹ سے زائد آدمی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ”قسم بخدا! حجر نے سچ کہا اور نیکی کی، ہماری تنخواہوں اور عطیات کے جاری کرنے کا حکم دو، صرف کہہ دینے سے ہم کو کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔“ اسی طرح اور بہت سی باتیں لوگ کہتے رہے۔ مغیرہ منبر سے اتر کر اندر چلا گیا اور حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ (طبری ۱۳۲/۶)

ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مغیرہ نے پانچ ہزار درہم حجر کو بھیجے تاکہ وہ اس طرح حجر کو دبا سکیں۔ (اخبار الطوال صفحہ ۲۳۴)

مغیرہ کی قوم کے لوگوں نے جب یہ دیکھا تو سب مل کر اس کے پاس آئے اور کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حجر کی ایسی باتیں آپ سنتے ہیں اور آپ کی حکومت کے اندر وہ اس جرأت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس میں دو طرح کے نقصان ہیں ایک تو آپ کا وقار جاتا ہے دوسرے اگر معاویہ کو ان حالات کی خبر پہنچی تو اس شخص کی وجہ سے وہ آپ سے ناراض ہو جائیں گے، ان میں سب سے

زیادہ اصرار حجر کے بارے میں عبد اللہ بن ابی عقیل ثقفی نے کیا۔ مغیرہ نے جواب دیا۔ میں نے حجر کو گویا قتل ہی کر دیا کیونکہ میرے بعد جو شخص کو فنے کا والی ہو کر آنے والا ہے اس کو بھی یہ میری ہی طرح سمجھیں گے اور جس طرح میرے ساتھ پیش آتے ہیں اسی طرح اس کے ساتھ پیش آئیں گے، وہ پہلے ہی موقع پر ان کو گرفتار کرے گا اور بہت بُری طرح قتل کرے گا، میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور میری حکومت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں اور ان کا خون بہاؤں، وہ تو سعادتِ اُخروی حاصل کریں اور میں اُن کو قتل کر کے شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں۔ معاویہ کو تو دنیا میں عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے روز ذلیل اور رسیا ہوں۔ (طبری ۶، ۱۴۲)

ابن کثیر نے اس سلسلے میں حسب ذیل روایت بھی نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ والی کو فذ کو لکھا کہ کو فنے کے بیت المال سے کچھ مال بھیج دیا جائے۔ مغیرہ نے حسب الحکم ایک اونٹ پر مال بار کر کے روانہ کر دیا، حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو خبر ہوئی تو وہ مانع ہوئے اور اونٹ کی مہار پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا: ”قسم بخدا! یہ مال اس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک صاحبانِ حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے“۔ قبیلہ ثقیف کے کچھ نوجوان حجر اور اُن کے اصحاب کی اس جسارت پر برہم ہو گئے اور مغیرہ سے کہا ”اے امیر ہم کو اجازت دے ہم ابھی حجر کا سر کاٹ کر لاتے ہیں“ لیکن مغیرہ نے ان کو روک دیا اور کہا: ”میں نہیں چاہتا کہ حجر کا خون اپنی گردن پر لوں“ اس طرح اس نے معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ معاویہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے مغیرہ کو کو فنے کی امارت سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ پرزیا کو دالی مقرر کیا۔

(الہدایہ والنہایہ ۵۰)

زیاد کا تقرر:

اب کوفہ اور بصرہ دونوں زیاد کے زیر فرمان ہو گئے۔ اس خبر سے شیعان علیؑ بے حد خائف ہوئے اور وہ سب مل کر حجر بن عدی کے پاس آئے۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اُس نے منبر پر جا کر حسب ذیل خطبہ پڑھا:-

”زمانہ ہمارا تجربہ کر چکا ہے اور ہم زمانے کا، ہم فرماں روائی بھی کر چکے ہیں اور فرمان بری بھی، ہم سمجھ چکے ہیں کہ اس حکومت کے آخر میں بھی وہی بات مناسب ہے جو اول میں تھی، آسانی سے اطاعت، وہ بھی ایسی کہ باطن کو ظاہر سے، غائب کو حاضر سے، دل کو زبان سے ہم آہنگی رہے، اور ہم جان چکے ہیں کہ رعایا کی اصلاح اس کے سوائے ہو سکتی، نرمی بغیر کمزوری کے، سختی بغیر زیادتی کے، میں واللہ جو حکم تم لوگوں میں جاری کروں گا اسے قابو کے ساتھ پورا کر کے چھوڑوں گا، حاکم اور منبر پر بیٹھ کر غلط گوئی کرے اس سے بڑھ کر خدا و خلق خدا کے سامنے کوئی غلطی نہ ہوگی۔“

اس کے بعد اُس نے حسب معمول عثمان اور ان کے اصحاب کی ستائش کی اور ان کے قاتلوں پر نفرین، حجر یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور برسر منبر اُس کو ملامت کی۔ زیاد نے اُس وقت تو حجر کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا لیکن اُن کی طرف سے اس کو تشویش لاحق ہو گئی اور برابر فکر میں رہنے لگا اس مقصد کے لئے اُس نے یہ اسکیم تیار کی کہ کسی بہانے سے کوفہ چھوڑ کر بصرہ چلا جائے اور حجر کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے تاکہ یہاں رہ کر وہ کوئی شورش برپا نہ کر سکیں۔ چنانچہ بیماری کا ’عذر کر کے وہ بصرہ چلا گیا اور اپنی جگہ عمرو بن حریث کو کوفہ میں چھوڑ گیا۔

زیاد کے بصرہ چلے جانے کے بعد حجر بن عدی کے پاس شیعوں کی آمد و رفت

زیادہ بڑھ گئی، مسجد میں بھی ان کے ہمراہ کافی جمع ہوتا تھا۔ عمرو بن حریش نے حجر کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور ان حرکات سے باز رہنے کو کہا۔ حجر نے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ ”ان لوگوں کو اس سے انکار ہے جس پر آپ ہیں“۔ یہ جواب پا کر عمرو بن حریش ان کی طرف سے مایوس ہو گیا اور زیادہ کو لکھ بھیجا کہ اگر کوفہ کی حکومت کو باقی رکھنا ہے تو جلد آجائیے۔

زیادہ اس خط پر فوراً کوفہ آ گیا اور منبر پر گیا۔ حجر بھی اس وقت مسجد میں موجود تھے اور آج ان کے ساتھ جمع بھی معمول سے زائد تھا۔ علامہ ابن کثیر نے تین ہزار کی تعداد لکھی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سب کے سب مسلح اور ہتھیاروں سے آراستہ تھے۔ زیادہ نے حمد و ثنا کے بعد کہا۔

”تغدی و گمراہی کا انجام بُرا ہے، ان لوگوں کی حمایت کی گئی تو

اترا گئے اور میری طرف سے مطمئن ہوئے تو گستاخ ہو گئے۔

قسم بخدا اگر تم لوگ سیدھے نہ ہوئے تو جو تمہاری دوا ہے اسی

سے تمہارا علاج کروں گا۔ اگر حجر کو سر زمین کوفہ سے ناپید نہ

کردوں اور دوسروں کے لئے اسے عبرت نہ بنادوں تو مجھے بیچ

سمجھنا دئے ہو تجھ پر اے حجر تو اب طعمہ گرگ ہونے والا ہے؟

بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ زیادہ نے اپنے اس خطبے میں معاویہ کی

تعریف کی اور یہ بتایا کہ اس کے مسلمانوں پر کیا کیا حقوق ہیں۔ حجر نے یہ سن کر مٹھی بھر کنکریاں اس پر ماریں اور کہا ”تو جھوٹا ہے تیرے اوپر خدا کی لعنت“۔

زیادہ رنگ دیکھ کر منبر سے اتر آیا اور قصر میں داخل ہو گیا اس کے بعد حجر کو طلب کیا۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ جمعے کے دن زیادہ نے خطبے میں بہت طول دیا

یہاں تک کہ نماز میں تاخیر ہو گئی۔ حجر بن عدی نے پکار کر کہا ”الصلوۃ“ اس پر بھی

اُس نے خطبے کو جاری رکھا۔ حجر نے جب دیکھا کہ نماز کا وقت ہاتھ سے جا رہا ہے تو مٹھی میں کنکر اٹھائے اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ان کے ساتھ اور لوگ بھی اٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر زیاد منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں حجر کی بہت شکایتیں تھیں۔ معاویہ نے جواب دیا کہ حجر کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس روانہ کر دو۔

(طبری ۱/۱۳۳ و اسد الغابہ: ۳۸۵، البدایہ والنہایہ: ۸: ۵۱)

حجر بن عدی کی گرفتاری:

معاویہ کا حکم آنے پر زیاد نے حجر بن عدی کی گرفتاری کے لئے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا۔ یہ پورا واقعہ مؤرخ طبری نے اپنی کتاب ”تاریخ الامم والملوک“ میں اس طرح لکھا ہے۔

حسین بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ زیاد نے اہل شرطہ کو حکم دیا کہ تم میں سے کوئی شخص جا کر حجر کو بلا لائے۔ شداد بن الہیثم الہملانی (امیر شرطہ) نے یہ کام میرے سپرد کر دیا۔ میں یہ حکم پا کر حجر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ امیر تم کو بلاتے ہیں۔ اصحاب حجر نے جواب دیا کہ ”حجر کسی طرح زیاد کے پاس نہ جائیں گے ہم اس میں اپنی کوئی برتری نہیں سمجھتے“۔ حسین بن عبد اللہ یہ جواب پا کر واپس چلا آیا اور امیر کو اصحاب حجر کا یہ جواب پہنچا دیا۔ اب زیاد نے کچھ سپاہیوں کو میرے ہمراہ کر دیا، میں دوبارہ حجر کے پاس آیا اور امیر کے پاس چلنے کو کہا جس پر حجر اور ان کے اصحاب نے ہمیں برا بھلا کہا۔ ہم نے زیاد سے آکر یہ تمام روئداد بیان کر دی۔ اب وہ شرفائے کوفہ کی طرف متوجہ ہو اور پُر غضب لہجے میں کہنے لگا:-

”اے اہل کوفہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم لوگ ایک ہاتھ سے چھری مارتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے پتھر باندھتے ہو، تمہارے جسم میرے ساتھ اور قلوب حجر

کے ساتھ ہیں جو ایک بکواسی، احمق اور دیوانہ ہے۔ تم خود تو میرے ساتھ ہو مگر تمہارے بھائی بیٹے اور برادری والے حجر کے ساتھ۔ قسم بخدا! اس بات سے تمہاری فتنہ انگیزی اور منافقت ظاہر ہوتی ہے، اب تم لوگ اپنی برأت کا ثبوت دو ورنہ میں کچھ لوگوں کو بلا کر تمہاری ساری کچی اور بے رخی نکالے دیتا ہوں۔

یہ سنتے ہی سب لوگ زیادہ کی طرف آسمنے اور کہنے لگے ”معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین یا اپنے حاکم کی اطاعت سے ہم سر مو بھی ہٹ جائیں اور آپ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں آپ ہر طرح سے ہمارے جذبہ اطاعت اور حجر کے ساتھ مخالفت کو آزما سکتے ہیں۔“ زیادہ نے کہا ”تم سب لوگ کھڑے ہو جاؤ اور جو لوگ حجر کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے پاس جاؤ تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور قرابت داروں کو اپنی برادری کے لوگوں میں سے جو تمہارا کہا مانے علیحدہ کر لو۔“ یہ سن کر وہ لوگ اس پر تیار ہو گئے اور حجر کے بہت سے ساتھیوں کو ان سے علیحدہ کر لیا۔ زیادہ نے جب یہ دیکھا کہ حجر کے ساتھ والے زیادہ تر ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے تو امیر شرطہ سے کہا کہ ”اب تم حجر کے پاس جاؤ اگر وہ آجائے تو میرے پاس لے آنا ورنہ اپنے سپاہیوں کو حکم دینا کہ بازار میں سے ستونوں کو اکھاڑیں اور انھیں ستونوں سے ان لوگوں پر حملہ کر کے حجر کو میرے پاس لے آئیں اور جو مانع ہو اس کو ماریں۔“

امیر شرطہ حجر کے پاس آیا اور کہا کہ ”امیر تم کو بلا تے ہیں“ ان کے اصحاب نے انکار کیا اور کہنے لگے کہ ”یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہماری نظر میں زیادہ کی کوئی حیثیت نہیں۔“ یہ جواب پا کر اس نے اپنے ساتھ والوں کو حکم دے دیا کہ ”بازار کے ستونوں کو اکھاڑ لو۔“ یہ لوگ دوڑے اور ستون لے آئے۔ اس وقت ”ابو عمر ط“ نے حجر سے کہا کہ ”تم لوگوں میں سے کسی کے پاس بجز میرے تلوار نہیں ہے اور

ایک تلوار سے کام نہیں چل سکتا۔“ حجر نے کہا ”پھر کیا رائے ہے ابو عمرؓ نے کہا کہ تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں میں چلے جاؤ وہ ضرور تمہاری حمایت کریں گے۔“ زیاد اس وقت منبر پر تھا وہیں سے کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کے آدمی ہاتھوں میں لاثمیاں لئے ہوئے حجر کے اصحاب پر پل پڑے۔ اس ہنگامے میں عمرو بن حتمؓ کے سر پر بھی ایک لٹھ پڑا جس کے صدمے سے وہ اسی وقت گر پڑے اور دو شخص اُن کو اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت اصحاب حجر بنی کندہ کے دروازوں کی طرف آ گئے۔ ایک شرطی نے عبداللہ بن خلیفہ طائی کو جبکہ وہ رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے لاثمی ماری جس سے وہ زمین پر گر پڑے، عائد بن جملہ تمیمی کے ہاتھ پر لاثمی پڑی اور دانت ٹوٹ گیا لیکن اُنھوں نے ہمت نہ ہاری اور ایک شرطی کے ہاتھ سے لاثمی چھین کر لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ یہ سب لوگ بنی کندہ کے دروازوں سے باہر نکل گئے۔ حجر کا فخر وہاں موجود تھا ابو عمرؓ نے فخر لے کر آئے اور حجر سے کہا اب سوار ہو جاؤ، حجر نے رکاب میں پاؤں ڈالا مگر چڑھ نہ سکے ابو عمرؓ نے اُنھیں اٹھا کر سوار کر دیا اور پھر اُچک کر خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گئے، ابھی اچھی طرح سنبھلنے نہ پائے تھے کہ یزید بن طریف مُسلی سر پر آ پہنچا اور اُن کی ران پر لاثمی ماری ابو عمرؓ نے تلوار سونت کر اس کے سر پر وار کیا جس سے وہ منہ کے بل گر پڑا لیکن جلد ہی اُنھہ بیٹھا غرضیکہ یہاں سے حجر اور ابو عمرؓ طہ دونوں روانہ ہوئے اور حجر کے مکان تک آ پہنچے یہاں اُن کے اصحاب میں سے بہت سے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے اور قیس بن فہدان کنندی اپنے فخر پر چڑھ کر نکلے اور جہاں جہاں بنی کندہ کا مجمع تھا وہاں پہنچ کر یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔

یا قوم حجر دافعوا وصا ولوا وعن اخیکم ساعة فقاتلوا
لا یلعنیا منکم لجر خاغل الیس فیکم راح و قابل

وفارس مستکم و راجل وضارب بالسيف لا يزال
۱۔ اے حجر کی قوم مدافعت کرو اور حملے کرو، اپنے بھائی کی طرف سے تھوڑی
دیر لڑو۔

۲۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی حجر کا ساتھ چھوڑے کیا تم لوگوں میں کوئی
نیزہ باز اور تیر انداز نہیں ہے۔

۳۔ کیا تم میں کوئی سوار اور پیادہ نہیں ہے، کیا تم میں کوئی ثابت قدم اور تلوار
چلانے والا نہیں ہے؟

مگر بنی کندہ میں کچھ زیادہ لوگ حجر کے پاس نہیں آئے۔ زیادہ نے منبر پر سے
کہا کہ قوم ہمدان تہیم و ہوازن و بنی اعصر و مذحج و اسد اور غطفان آٹھیں اور سب
کندہ کے تکیے کی طرف روانہ ہوں اور حجر کو پکڑ کر میرے پاس لے آئیں، یہ کہہ کر
اُسے خیال ہوا کہ طائفہ مصر کو طائفہ یمن کے ساتھ روانہ کرنا مناسب نہیں
مبادا دونوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور نتیجے میں ان کی حمیت کو نقصان پہنچے یہ
سوچ کر اس نے دوبارہ یہ حکم دیا کہ فقط تہیم و ہوازن و بنی اعصر و اسد و غطفان و
مذحج و ہمدان کندہ کے تکیے میں جائیں اور حجر کو میرے پاس لے آئیں اور باقی
اہل یمن صائد یمن کے تکیے کی طرف روانہ ہوں اور جا کر حجر کو گرفتار کر لیں۔ یہ سن
کر ازدہ مجملہ و خشم و انصار و خزاعہ و قضاہ کے لوگ روانہ ہو گئے اور صائد یمن کے
تکیے میں جا کر اترے۔ حضرموت والے اہل یمن کے ساتھ اس لئے نہیں گئے کہ
انھیں کندہ سے تعلق تھا اس لئے انھیں حجر کے تعاقب میں جانا گوارا نہ ہوا غرضیکہ
صائد یمن کے تکیے میں روئے اہل یمن نے حجر کے باب میں مشورہ کیا۔
عبدالرحمن بن مخنف نے کہا ”میں جو بات کہتا ہوں اگر اس کو مانو تو اُمید ہے کہ تم
لوگ ملامت و معصیت سے بچ جاؤ گے۔ میری رائے ہے کہ جلدی نہ کی جائے

ہمدان و مذحج کے نوجوان یہ کام کر گزریں گے اور تم اپنی قوم اور اپنے رئیس کے ساتھ غداہی کرنے سے بچ جاؤ گے۔“ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ خبر ملی کہ ہمدان و مذحج تکیہ بنی کندہ میں داخل ہو گئے اور بنی جبلة میں جس جس کو پایا گرفتار کر لیا۔ یہ سن کر اہل یمن کندہ کے گھروں کی طرف گئے اور ان سے عذرخواہی کی اس کی خبر زیادہ کو پہنچی تو اُس نے مذحج و ہمدان کی اس کارگزاری کو پسند کیا اور تمام اہل یمن کی مذمت کی۔

حجر جس وقت اپنے گھر پہنچے اور انھوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے ساتھ کم رہ گئے ہیں اور ساتھ ہی یہ خبر بھی اُن کو ملی کہ مذحج و ہمدان کندہ کے تکیے میں اور تمام اہل یمن کے تکیے میں اترے ہوئے ہیں تو انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا ”تم سب چلے جاؤ کیونکہ تمہاری ہی قوم کے لوگ تمہارے مقابلے میں آکر جمع ہوئے ہیں اور تم اُن سے لڑ نہیں سکتے میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کو معرض ہلاکت میں ڈالوں“، یہ سن کر وہ لوگ واپس جانا چاہتے تھے کہ مذحج و ہمدان کے سواروں سے جو لوگ اوائل فوج میں تھے ان تک آپہنچے، یہ دیکھ کر حجر کے اصحاب میں سے عمیر بن یزید، قیس بن یزید و عبیدہ بن عمرو بدئی و عبدالرحمن بن محرز طی و قیس بن نمران ان سواروں پر پلٹ پڑے اور لڑنا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹے تک حجر کی حمایت میں لڑتے رہے بالآخر زخمی ہو گئے اور قیس بن یزید گرفتار ہو گئے باقی سب لوگ بچ کر نکل گئے۔ حجر نے ان سے کہا ”تمہارا بھلا ہو سب متفرق ہو جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ میں خود کسی کو بچے سے نکلا جاتا ہوں پھر بنی حوت کی طرف چلا جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر حجر تیزی سے روانہ ہو گئے چلتے چلتے سلیم بن یزید نامی ایک شخص کے گھر تک پہنچ گئے۔ جیسے ہی یہ گھر کے اندر داخل ہوئے زیاد

کے سپاہی ان کے تعاقب میں آپہنچے۔ سلیم نے تلوار سونت لی اور ان کے مقابلے کو نکلنا چاہا اس کی بیٹیوں نے جو یہ دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ حجر نے کہا ”آخر کیا ارادہ ہے؟“ اُس نے جواب دیا ”واللہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے کہوں کہ ٹل جائیں، اگر مان گئے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے جس کے قبضے پر میرا ہاتھ آچکا ہے تمہاری حمایت میں ان سے جنگ کروں گا، حجر نے کہا ”تیرا بھلا ہو میں نے تو تیری بیٹیوں پر مصیبت ڈال دی“۔ سلیم نے جواب دیا کہ ”ان کی روزی کا میں مستغفل نہیں ہوں نہ میں ان کا رازق ہوں بجز اس حی و قیوم کے جس کو موت نہیں، میں کبھی کسی نعمت کے لئے ننگ و عار کا خریدار نہ بنوں گا۔ میری زندگی میں میرے گھر سے تم اسیر ہو کر نہیں جاسکتے۔ ہاں اگر میں تمہاری حمایت میں قتل ہو جاؤں تو پھر جو تمہارے جی میں آئے وہ کرنا“۔ حجر نے پوچھا ”کیا تمہارے اس مکان میں کوئی ایسی دیوار نہیں کہ میں اس کو پھاند کر چلا جاؤں یا کوئی ایسا موکھا کہ اس سے نکل جاؤں ممکن ہے کہ اس طرح خدا تمہیں اور مجھے دونوں کو محفوظ رکھے۔ یہ لوگ جب تمہارے گھر سے مجھے نہ پائیں گے تو تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا“۔ سلیم نے کہا ”ہاں یہ موکھا ہے اس میں سے نکل کر بنی عمیر کے محلے میں اور اس کے سوا اپنی قوم والوں میں بھی تم پہنچ سکتے ہو“۔ حجر اس موکھے سے نکل گئے۔ چلتے چلتے بنی ذہل میں پہنچے۔ ان لوگوں نے بیان کیا۔ ابھی ابھی وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزر رہے ہیں تمہارا پتہ لگا رہے ہیں۔ حجر وہاں سے بھی بھاگے غرض نکل کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ساتھ بنی ذہل میں سے کچھ لوگ چلے۔ وہ شاہراہ سے دور گلیوں میں سے انھیں لے کر گزر رہے تھے چلتے چلتے قبیلہ نضج میں پہنچے، یہاں پہنچ کر حجر نے ان جوانوں سے کہا کہ ”تم لوگ اب یہاں سے

پلٹ جاؤ اور خود، حجر اشتر نخعی کے بھائی عبداللہ بن حارث کے مکان کی طرف چلے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن حارث نے نہایت کشادہ پیشانی سے ملاقات کی، فرش بچھا کر ان کا بستر لگایا۔ یہاں یہی ہو رہا تھا کہ کسی نے آکر حجر سے کہا کہ اہل شرطہ قبیلہ نخع میں تم کو پوچھتے پھرتے ہیں جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک سیاہ فام لونڈی جس کو سب ادماء کہہ کر پکارتے ہیں ان لوگوں کو ملی اور پوچھنے لگی کہ تم کسے ڈھونڈ رہے ہو، انھوں نے کہا ہم حجر کو ڈھونڈ رہے ہیں کہنے، لگی وہ تو یہیں ہیں، میں نے اُسے قبیلہ نخع میں دیکھا ہے۔ یہ خبر سن کر حجر رات ہی کو عبداللہ کے گھر سے بھیس بدل کر نکل پڑے عبداللہ بن حارث بھی ان کے ساتھ تھے۔ حجر بن عدی محلہ ازد میں پہنچ کر ربیعہ بن ناجد ازدی کے مکان پر آکر اُترے اور ایک رات دن وہیں قیام کیا۔

محمد بن اشعث کی طلبی:

اہل شرطہ جب کسی طرح حجر بن عدی پر قابو نہ پاسکے تو زیاد نے محمد بن اشعث کو بلا کر کہا ”اوا ابو میثاء! سن حجر کو میرے پاس لے آؤ نہ تیرا ایک ایک درخت خرما کٹوا دوں گا اور ایک ایک گھر کھدوا کر پھینک دوں گا اور تجھ کو زندہ نہ چھوڑوں گا“، اُس نے کہا کہ ”مجھے ڈھونڈنے کی مہلت دی جائے“۔ زیاد نے کہا ”اچھا تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اگر اس عرصے میں تو اُسے گرفتار کر کے لے آیا تو خیر ورنہ اپنے کو زندوں میں نہ شمار کرنا“۔ اس کے بعد زیاد نے حکم دیا کہ ابن اشعث کو قید خانے میں ڈال دیا جائے، ظالم سپاہی منہ کے بھل گھسیٹتے ہوئے اُسے لے جا رہے تھے کہ حجر بن یزید کندی نے اس کی سفارش کی اور کہا کہ جس طرح وہ آزاد ہو کر حجر کو ڈھونڈ سکتا ہے قید میں کیونکر ممکن ہے۔ زیاد نے اس کی سفارش سے ابن

اشعث کو چھوڑ دیا۔

قیس بن یزید کی گرفتاری:

اس اثنا میں قیس بن یزید بھی گرفتار ہو کر آگیا۔ حجر بن یزید نے اس کے لئے بھی زیاد سے گفتگو کی، زیاد نے اس کی سفارش مان لی اور کہہ دیا کہ ”قیس کو کچھ خوف نہ کرنا چاہئے۔ عثمان کے باب میں اس کا جو عقیدہ ہے اور صفین میں امیر المومنین کی رفاقت میں جو کام اس نے کیا ہے، ہم لوگوں کو خوب معلوم ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے قیس بن یزید کو بلایا، جب وہ سامنے آیا تو کہنے لگا ”خوب جانتا ہوں کہ حجر کی حمایت میں جو تم نے جنگ کی ہے وہ اس سبب سے نہ تھی کہ تم نے اس کا سا عقیدہ اختیار کر لیا، وہ ایک آن بان کی بات تھی کہ تم نے اس کا ساتھ دیا۔ میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم خوش اعتقاد اور جاں نثار ہو لیکن جب تک تم اپنے بھائی عمیر بن یزید کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے میں تم کو نہ چھوڑوں گا۔“ قیس نے وعدہ کیا اور کہا ”انشاء اللہ ضرور اس کو حاضر کر دوں گا۔“ زیاد نے کہا ”تمہارا اس کا ضامن کون ہوگا۔“ کہا، ”حجر بن یزید میرا اور اس کا دونوں کا ضامن ہے“ اس پر حجر بن یزید نے کہا کہ ”میں اس شرط پر ضمانت کرتا ہوں کہ اس کے جان و مال کا اطمینان ہو جائے۔“ زیاد نے اس کو منظور کیا۔ غرضیکہ یہ دونوں جا کر عمیر بن یزید کو لے آئے اُس وقت وہ زخمی تھا لیکن اسی حالت میں اس کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا اور زیاد کے آدمیوں نے اُسے زمین سے اونچا کیا اور نادہ کے قریب تک لا کر پٹک دیا اسی طرح کئی مرتبہ کیا۔ یہ دیکھ کر حجر بن یزید اٹھ کھڑا ہوا اور زیاد سے کہنے لگا ”اے امیر! کیا اس کو جان و مال کی امان نہیں دی گئی ہے جو یہ ظلم اس کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔“ قیس کے اس کہنے پر اور جتنے اہل یمن وہاں موجود تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے اور زیاد کے پاس آ کر

اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ زیاد نے کہا: ”اگر تم سب اس کی ضمانت کرتے ہو کہ اگر اس نے کوئی بے جا حرکت کی تو میرے پاس لے آؤ گے اور مسئلہ پر جو دار کیا گیا ہے اس کی دیت دو گے سب نے اس کو قبول کیا۔ اس ضمانت پر زیاد نے عمیر کو رہا کر دیا۔

حجر بن عدی کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے ایک اصفہانی غلام متسی رشید کو محمد بن اشعث کے پاس یہ پیام دے کر بھیجا کہ اس ظالم جبار نے جو سلوک کیا ہے اس کی مجھے خبر پہنچی، تم ہرگز نہ گھبراؤ میں خود تمہارے پاس چلا آتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے زیاد کے پاس جاؤ اور اس سے میرے بارے میں بس اس قدر امان کے طالب ہو کہ وہ مجھے معاویہ کے پاس بھیج دے وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں۔ محمد بن اشعث حجر بن یزید اور جریر بن عبد اللہ الحنظلی اور عبد اللہ بن حارث اشتر نجفی کے پاس گیا اور ان تینوں کو ہمراہ لے کر زیاد کے پاس گیا، ان لوگوں نے حجر بن عدی کے بارے میں زیاد سے گفتگو کی اور ان کے بارے میں امان کے طالب ہوئے کہ معاویہ کے پاس ان کو بھیج دیا جائے زیاد نے اس کو منظور کیا۔ ان لوگوں نے اطمینان کر کے حجر سے انھیں کے قاصد کی زبانی کہلا بھیجا کہ جو بات آپ چاہتے تھے وہ ہم نے زیاد سے طے کر لی ہے۔ اب آپ بے خوف و خطر چلے آئیے۔

حجر بن عدی اور زیاد کا مکالمہ:

حجر بن عدی، محمد بن اشعث کے پیام پر چلے آئے۔ جس وقت زیاد کے سامنے لائے گئے تو زیاد نے اُن سے کہا۔

زیاد: ”عبدالرحمن! مرحبا، زمانہ جنگ میں بھی لوگوں سے لڑنے کو تیار اور جب لوگوں میں امن ہے جب بھی، وہی مثل ہے کہ اپنے ہی آدمیوں کو کتیا نے

بھونک کر قتل کر دیا۔“

حجر: ”نہ میں نے اطاعت سے سرکشی کی ہے نہ جماعت (حق) سے علیحدگی، میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔“

زیاد: ”اے حجر! کجایہ دعویٰ اور کجاٹو، ایک ہاتھ سے پٹھری مارتا ہے اور دوسرے سے پٹنی باندھتا ہے، جب خدا نے تجھ کو ہمارے قابو میں دے دیا تو اب ہمیں خوش کرنا چاہتا ہے واللہ! ہرگز یہ نہ ہوگا۔“

حجر: ”کیا تو نے اپنی امان مجھے نہیں دی ہے کہ میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں اور میرے باب میں جس طرح وہ چاہیں عمل کریں۔“

زیاد: ”یہ ہمیں منظور ہے۔“

اس کے بعد زیاد نے ان کو قید خانے بھیج دیا۔ جب جانے لگے تو کہا ”بخدا! اگر میں نے امان نہ دی ہوتی تو یہاں سے وہ ہل نہ سکتا تھا یہاں تک کہ اس کی جان نکال لی جاتی قسم بخدا! اس کی رگ گردن کاٹنے کو میرا جی تڑپ رہا ہے۔“

زیاد کے روبرو حجر کا اعلان بیعت:

زیاد کے پاس سے حجر کو جب زندان کی طرف لے کر چلے ہیں تو انھوں نے بلند آواز سے کہا:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَلٰی بَعِیْتِیْ لَا اَقْبِلُهَا وَلَا اَسْتَقْبِلُهَا سَعَا عَالِلَہِ
وَالنَّاسِ (اصابہ ۳۲۹ و طبری ۶: ۱۳۸)

”بارِ الہا میں اپنی بیعت پر قائم ہوں نہ میں اُسے توڑ رہا ہوں نہ توڑنا چاہتا ہوں اللہ اور انسانوں کو سناتے ہوئے یعنی میں اپنے امام حقیقی کی بیعت پر قائم ہوں“

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حجر اُس وقت سر پر برنس (صدر اسلام کی ایک وضع کی ٹوپی) پہنے ہوئے تھے، صبح کا وقت تھا اور کافی سردی پڑ رہی تھی۔ یہاں دس دن

وہ قید رہے۔

اصحاب حجر کی گرفتاری:

اب زیاد کو ان رؤسا کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے۔ عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد بجلی تو پوشیدہ طور پر کوفہ سے نکل گئے اور موصل پہنچ کر ایک جگہ چھپ گئے قبیسہ بن ضعیہ عیسیٰ کے پاس زیاد نے شداد بن الہیثم الہلالی کو بھیجا، قبیسہ نے زیاد کے آدمیوں کا مقابلہ کرنا چاہا مگر امان دینے کے وعدے پر چلے آئے، زیاد نے ان کو بھی قید کر دیا۔

صفی بن قنیل پر دوڑ بھیجی اور وہ بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔

عبداللہ بن خلیفہ طائی جنھوں نے حجر کے ساتھ زیاد کے آدمیوں سے جنگ کی تھی ان کے تعاقب میں زیاد نے بکیر بن حمران احمری کو ایک مختصر دستے کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ عبداللہ کی طلب میں نکلے۔ ان کو عدی بن حاتم کی مسجد میں پایا، لوگ مسجد کے باہر ان کو لے آئے اور چاہا کہ گرفتار کر کے زیاد کے پاس لے جائیں لیکن وہ ایک معزز شخص تھے انھوں نے یہ ذلت گوارا نہ کی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ زیاد کے آدمیوں نے ان کو زخمی کر دیا اور دور سے پتھر برسائے لگے آخر وہ زمین پر گر پڑے، ان کی بہن میثاء نے جب یہ دیکھا تو دہائی دینے لگی کہ ”اے بنی طے! کیا عبداللہ بن خلیفہ کو تم حوالے کر دو گے“ تمہاری زبان اور تمہاری سنان کدھر ہے۔ احمری یہ سن کر خوف زدہ ہوا کہ اگر بنی طے جمع ہو گئے تو جان بچانا مشکل ہوگا اس لئے بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر بنی طے کی عورتیں باہر نکل پڑیں اور عبداللہ کو گھر میں لے گئیں۔ احمری نے یہ تمام روئداد زیاد سے جا کر بیان کر دی اور کہا کہ بنی طے نے مجھ پر هجوم کیا میں مقابلہ نہ کر سکا اس لئے واپس آ گیا۔

عدی بن حاتم:

اب زیاد نے عدی بن حاتم کی گرفتاری کے لئے آدمی روانہ کئے۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے۔ زیاد کے سپاہیوں نے وہیں اُن کو گرفتار کر لیا اور زیاد کے پاس لے آئے۔ زیاد نے سب سے پہلے ان سے عبد اللہ بن خلیفہ کے لئے کہا، عدی بن حاتم کو عبد اللہ کی خبر مل چکی تھی اس لئے انھوں نے جواب دیا کہ ”جو قتل ہو چکا ہو اس کو میں کس طرح تمہارے پاس لاسکتا ہوں۔“ زیاد نے ان سے پھر اصرار کیا لیکن عدی نے اب بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس پر زیاد نے اُن کو قید کر دیا۔

عدی بن حاتم صحابی رسولؐ ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے سردار بھی تھے اور اس لئے عام مسلمان ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ اہل شہر میں یمن اور مضر اور ربیعہ کے لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو عدی کے لئے بے تاب نہ ہو گیا ہو۔ یہ سب لوگ جمع ہو کر زیاد کے پاس آئے اور عدی کے بارے میں گفتگو کی۔ اس اثنا میں عبد اللہ بن خلیفہ کو لوگ نکال کر لے گئے اور وہ سحر میں جا کر چھپ گئے اور عدی بن حاتم سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں نکل آؤں اور اپنا ہاتھ زیاد کے ہاتھ میں دے دوں۔ عدی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا ”واللہ اگر تم میرے دامن کے نیچے بھی چھپے ہو تے تب بھی دامن کو تم پر سے ہٹانا گوارا نہ کرتا۔“

غرضیکہ زیاد نے کچھ دن تو عدی کو اپنی قید میں رکھا لیکن عام مسلمانوں میں اس سے جو غم و غصہ پیدا ہو چلا تھا اس کو دیکھتے ہوئے زیاد نے یہی مناسب سمجھا کہ عدی کو رہا کر دیا جائے، پھر بھی اس شرط پر ان کو رہا کیا کہ وہ شہر سے عبد اللہ کو نکال دیں۔ عدی نے اس شرط کو قبول کیا اور عبد اللہ سے کہلا بھیجا کہ تم پہاڑوں کی

طرف نکل جاؤ۔ اگر زیاد کے غیظ و غضب میں کمی دیکھوں گا تو تمہارے بارے میں اس سے کہوں گا انشاء اللہ پھر تم شہر میں چلے آؤ گے۔

اس کے بعد کریم بن عقیف خشمی بھی گرفتار ہو کر آ گئے۔ غرضیکہ اس طرح زیاد نے بارہ آدمی حجر کے اصحاب میں سے قید خانے میں جمع کئے۔

حجر بن عدی کے خلاف شہادتیں:

اب زیاد نے رؤسائے ارباع کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ حجر کے جو حرکات اور افعال تم نے دیکھے ہیں اُن کی گواہی دو۔ اس وقت حسبِ ذیل چار آدمی رؤسائے ارباع تھے۔

عمر بن حریش، ربح اہل مدینہ پر، خالد بن عرفطہ، ربح تمیم و ہمدان پر، قیس بن ولید، ربیعہ و کندہ پر، ابو بردہ بن ابی موسیٰ قبیلہ نجد و اسد پر۔

ان چاروں رؤسائے حسبِ ذیل گواہی دی:

”حجر نے اپنے پاس لوگوں کو جمع کیا، خلیفہ کو اعلانیہ ’برا کہا، امیر المومنینؑ سے جنگ کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا اور اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ آلِ ابوتراب کے سوا امر خلافت کسی کے لئے شایان نہیں ہے، انھوں نے شہر میں خروج کر کے امیر المومنینؑ کے عامل کو نکال دیا اور ابوتراب کی طرف سے عذر اور اُن پر ترم کیا، ان کے دشمنوں اور اہل حرب سے برأت کی اور یہ لوگ، جو ان کے ساتھ ہیں ان کے اصحاب کے سرگردہ ہیں ان ہی کا سا عقیدہ ان کا بھی ہے۔“

دوسری روایت میں شہادت کا حال اس طرح لکھا ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضائے الہی کے لئے شہادت دیتا

ہے کہ حجر بن عدی نے طاعت و جماعت کو ترک کیا اور خلیفہ پر

لعن کی، جنگ و فتنے پر لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ بیعت کو توڑیں اور امیر المومنین معاویہ کو خلافت سے معزول کریں نیز خدائے عز و جل کے ساتھ اعلانِ کفر کیا۔

زیاد نے اس شہادت کو دیکھ کر کہا کہ اسی طرح کی شہادت تم سب لوگ دو۔ چنانچہ باقی رؤسائے ارباع نے بھی اسی کے مثل شہادت دی۔

اب زیاد نے گواہوں کی شہادت پر نظر ڈالی اور کہا کہ ”میں اس شہادت کو قطعی نہیں سمجھتا، چاہتا ہوں کہ چار سے زیادہ گواہ ہوں“ چنانچہ جتنے وابستگانِ دولت تھے ان سب کو بلا کر کہا کہ رؤسائے ارباع کے مثل تم بھی گواہی دو اور یہ عبارت ان کو پڑھ کر سنائی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ رؤسائے ارباع کے علاوہ کل ستر نام تھے جو گواہوں میں لکھے گئے۔ طبری نے حسبِ ذیل ناموں کی تصریح کی ہے:-

اسحاق بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، اسماعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر، عمارہ بن عقبہ، عبدالرحمان بن منہاد عمر بن سعد بن ابی وقاص، عام بن مسعود، محرز بن جاریہ، عبید اللہ بن مسلم حضرمی، عتاق بن شرجیل، وائل بن حجر حضرمی، کثیر بن شہاب، فطن بن عبد اللہ، سائب بن اقرع ثقفی، شیش بن ربیع، عبد اللہ بن ابی عقیل ثقفی، مصقلہ بن ہبیر شیبانی، تقعا بن شور دہلی، جبار بن الجرجلی، عمرو بن عجل، عمرو بن حجاج، زبیدی لبید بن عطار دیمسی، محمد بن عمیر تمیمی، سوید بن عبد الرحمن تمیمی، شمر بن ذی الجوشن عامری، شداد بن الہیثم الہملی، مروان بن الہیثم الہملی، محسن بن تغلیہ، عبد الرحمن بن قیس اسدی، حارث بن ازمع ہمدانی، شداد بن

از مع ہمدانی، کریب بن سلمہ جعفی، عبدالرحمن بن ابی سیرۃ الجعفی،
زمر بن قیس جعفی، قدامہ بن عجلان ازدی، عزرہ انسی، عمر بن
قیس الحمیرہ وادی، ہانی بن حید وادی۔

مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی اور عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو بھی
زیاد نے گواہی کے لئے طلب کیا مگر دونوں بچ کر نکل گئے۔

ایک دلچسپ لطیفہ:

مورخ طبری لکھتے ہیں کہ شداد بن بزیغہ کا نام جب گواہی کے لئے پیش کیا
گیا تو زیاد نے کہا ”کیا اس کا کوئی باپ نہیں ہے جو ماں کی طرف نسبت دی گئی
ہے، اُسے گواہوں میں سے نکال ڈالو“ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ وہ حصین
کا بھائی ہے جو منذر کا بیٹا ہے، زیاد نے کہا بس اسے بھی اسی کا بیٹا لکھو چنانچہ ابن
بزیغہ کو ابن منذر لکھ دیا گیا۔ شداد بن بزیغہ کو جب یہ خبر پہنچی تو کہنے لگا۔

”شف ہے اس پر فاحشہ، پر کیا اس کی ماں اس کے باپ
سے نامزد نہ تھی، واللہ! اُسے تو اس کی ماں سمیہ کی طرف ہمیشہ
نسبت دی جائے گی۔“

مصنوعی شہادتیں:

مذکورہ بالا گواہوں کے علاوہ حسب ذیل وہ لوگ ہیں جن کو بغیر ان کی استرضا
کے زبردستی گواہوں میں لکھا گیا۔

۱۔ سری بن وقاص حارثی کے متعلق طبری کا بیان ہے کہ وہ اُس وقت وہاں
موجود نہ تھا اور اپنی ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا۔

۲۔ اسام بن خارجہ اور یثیم بن اسود نخعی، یہ دونوں عذر کرتے رہے لیکن ان کا

نام بھی گواہوں میں لکھ دیا گیا۔

۳۔ قاضی شریح کے متعلق علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

وکتبت شهادة شريح القاضي وانه انكر ذالك وقال
انما قلت لزياد انه كان صواماً قواماً

(قاضی شریح کا نام بھی گواہی میں لکھا گیا حالانکہ انھوں نے انکار کیا اور
کہا کہ میں نے زیاد سے کہا کہ حجر بن عدی بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور نماز
پڑھنے والے ہیں)

۴۔ شریح بن ہانی کا بیان ہے کہ میں نے گواہی دی ہی نہیں جب مجھے خبر ہوئی
کہ میرا نام بھی گواہوں میں لکھا گیا ہے تو میں نے زیاد کو ملامت اور اس کی
تکذیب کی۔

ان تمام گواہوں کو دیکھنے کے بعد زیاد نے کہا کہ بجز ان لوگوں کے جو
صاحبانِ حُصْب اور دین دار ہیں باقی سب کے نام نکال دیے جائیں۔ اس
انتخاب کے بعد بس اتنے لوگ گواہوں میں شامل رہے کہ ان کی گواہیاں ایک
کتاب میں لکھی گئیں۔

حجر اور ان کے اصحاب کی دمشق کو روانگی:

اس کارروائی کے بعد زیاد نے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب حارثی کو بلا کر یہ
کتاب اُن کے حوالے کی اور حکم دیا کہ حجر اور ان کے اصحاب کو لے کر روانہ
ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں رات ہی کو قیدیوں کو لے کر دمشق روانہ ہو گئے۔ حجر کے
ساتھ حسبِ ذیل گیارہ آدمی تھے۔

(۱) ارقم بن عبد اللہ الکندی (۲) شریک بن شداد الحضرمی۔ (۳) صفی بن
فسیل۔ (۴) قصبہ بن ضبیعہ عیسیٰ۔ (۵) کریم بن عقیف خثعمی۔ (۶) عاصم بن

عوف بجلی۔ (۷) ورتابن سہی بجلی۔ (۸) کرام بن حیان غزی۔ (۹) عبدالرحمن بن حسان غزی۔ (۱۰) محرز بن شہاب تمیمی (۱۱) عبداللہ بن حویہ سعدی۔

عبید اللہ بن الحر الجعفی کا بیان ہے کہ حجر اور ان کے اصحاب کو جب لے کر چلے ہیں تو میں سری بن وقاص کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا، میں نے کہا کیا دس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو اس وقت میرے شریک ہو جائیں کہ میں ان لوگوں کو چھڑالوں، کیا پانچ آدمی بھی ایسے نہیں ہیں؟ افسوس کسی نے مجھے جواب نہیں دیا۔

شرح بن ہانی کا خط لے کر پہنچنا:

قیدیوں کی یہ جماعت جب غرین کے مقام پر پہنچی تو شرح بن ہانی ایک خط لئے ہوئے آئے اور کثیر بن شہاب سے کہا کہ میرا یہ خط امیر المومنین کو پہنچا دینا، کثیر نے اس کا مضمون دریافت کیا، شرح نے کہا یہ نہ پوچھو اس میں میری ایک حاجت ہے۔ کثیر نے انکار کر دیا اور کہا میں ایسا خط امیر المومنین کے پاس نہیں لے جا سکتا جس کا مضمون مجھے معلوم نہ ہو مبادا ان کی ناگواری خاطر کا باعث ہو۔ شرح نے وائل بن حجر کو جا کر یہ خط دیا اس نے لے لیا۔

غرضیکہ قیدیوں کا یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہو کر مریخ غدر میں جا کر ٹھہرا۔ بعد میں زیاد نے عامر بن اسود عجمی کی حراست میں دو آدمیوں کو اور بھیجا۔ عتبہ بن اخص اور سعد بن نمران ہمدانی، اس طرح کل چودہ شخص تھے۔

حجر جس وقت وہاں پہنچے تو انھوں نے کہا ”میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں“ (اسد الغابہ: ۱: ۳۸۶)

امیر معاویہ کو جب ان قیدیوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے وائل و کثیر کو بلایا، ان سے خط لے کر مہر توڑ دی اور اہل شام کو پڑھ کر سنایا۔ زیاد کے خط کا مضمون حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے بندہ خدا امیر المومنینؑ معاویہ کو اما بعد! خدا نے اس بلا کو بڑی خوبی کے ساتھ امیر المومنینؑ سے دُور کر دیا اور باغیوں کے دفع کرنے کی زحمت سے انھیں بچا لیا، اس فرقہ تراپیہ، سبائیہ کے شیطاں نے جن کا سرگروہ حُجْر ابن عدی ہے، امیر المومنین سے مخالف اور جماعت مسلمین سے مفارقت کی اور ہم لوگوں سے جنگ کی، خدا نے ہمیں ان پر غلبہ دیا اور ہم ان کے گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے، شہر کے اشراف و اخیار اور معرود و یتیم لوگوں کو میں نے بلایا انھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی گواہی دی میں نے ان کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا ہے اور میرے اسی خط کے تحت میں صلحا اخیار شہر کی گواہیاں مندرج ہیں۔“

معاویہ نے زیاد کا خط اور گواہوں کو پڑھ کر اہل دربار سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے خلاف خود ان ہی کی قوم نے یہ گواہیاں دی ہیں تمہاری کیا رائے ہے، اس وقت یزید بن اسد بجلی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ملک شام کے قریوں میں ان کو متفرق کر دیجئے، وہاں کے شورش انگیز لوگ ان کے لئے کافی ہیں، آپ کو سزا دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔
واہل نے شریح کا خط بھی معاویہ کو دیا، معاویہ نے اس خط کو پڑھا اس کا مضمون یہ تھا:-

سم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف میری گواہی بھی لکھی ہے حالانکہ میری گواہی حجر بن عدی کے متعلق یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے، حج و عمرہ بجالانے والے ہیں۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں، ان کی جان اور مال حکومت کے لئے حرام ہے اب آپ چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں۔

معاویہ نے یہ خط واکل اور کثیر کو پڑھ کر سنایا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود کو تم لوگوں کی شہادت سے الگ کر لیا۔

معاویہ کا خط زیاد کے نام:

یہ دونوں خط اور گواہیاں دیکھنے کے بعد معاویہ نے زیاد کو حسب ذیل مضمون کا خط لکھا:-
 ”اما بعد! تم نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب نیز ان کے خلاف گواہیاں تمہاری جانب سے گزری ہیں اس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے میں سمجھ گیا۔ میں نے غور کیا تو کبھی یہ رائے ہوئی کہ ان کو چھوڑ دینے سے قتل کرنا بہتر ہے اور کبھی یہ رائے ہوئی کہ چھوڑ دینا بہتر ہے۔“

معاویہ کا یہ خط پڑھ کر زیاد کو بڑی تشویش ہوئی اس لئے اس نے ایک بڑا تنبیہی خط معاویہ کو لکھا جو حسب ذیل ہے:-

”اما بعد! میں نے آپ کے خط کو پڑھا اور آپ کی رائے کو

سمجھا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ حجر اور اس کے اصحاب کے بارے میں آپ کو کیسا اشتباہ ہوا۔ جو لوگ اس کے حالات سے باخبر ہیں انھوں نے تو اس کے خلاف گواہیاں دی ہیں اور آپ سن چکے، اب اگر آپ اس شہر پر قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو حجر اور اس کے اصحاب کو ہرگز میرے پاس واپس نہ کریں۔“

یزید بن حبیہ تمیمی کی زبانی حجر کا پیغام:

زیاد نے یہ خط لکھ کر یزید بن حبیہ تمیمی کے ہاتھ روانہ کیا، جب مرج عذرا پہنچا تو قیدیوں سے کہا ”واللہ! تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ میں ایک خط لے کر آیا ہوں جس کا انجام قتل ہے اب جو کچھ تم اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہو مجھ سے بیان کرو تا کہ میں اس بارے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔“ حجرؓ نے کہا معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے۔

”ہم لوگ اپنے (امام) کی بیعت پر قائم ہیں نہ چھوڑنا چاہتے ہیں نہ چھوڑیں گے، جنھوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دی ہیں وہ سب ہمارے دشمن اور بدخواہ ہیں۔“

یزید بن حبیہ نے یہ خط معاویہ کو دیا اور ساتھ ہی حجر کا پیغام بھی ان کو پہنچا دیا۔ معاویہ نے اس کا جواب دیا کہ زیاد کو ہم حجر سے زیادہ سچا اور راست باز سمجھتے ہیں اس پر عبدالرحمن بن ام الحکم ثقفی یا عثمان بن عمیر ثقفی اور معاویہ میں کچھ باتیں ہوئیں۔ اہل شام وہاں سے اٹھے اور ان کی سمجھ میں یہ کچھ نہ آیا کہ معاویہ اور عبدالرحمان میں کیا باتیں ہوئیں البتہ نعمان بن بشیر سے آکر عبدالرحمان کا قول جب انھوں نے بیان کیا تو نعمان نے کہا کہ سب لوگ مارے جائیں گے۔

حجر بن عدی کا آخری اتمامِ حجت:

عامر بن اسود ابھی تک عذرا میں مقیم تھا اس نے معاویہ کے پاس آنے کا ارادہ کیا تا کہ جن دو شخصوں کو زیاد نے بھیجا ہے ان کا ذکر کر دے۔ جب وہ چلنے لگے تو حجر بن عدی زنجیر کھڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور کہا ”اے عامر! میری ایک بات سن لئے معاویہ سے کہنا کہ ہم لوگوں کا خون بہانا اُس پر حرام ہے ہم لوگوں کو امان دی جا چکی ہے اور ہم صلح کر چکے ہیں خدا سے ڈر اور ہمارے باب میں غور کر“..... حجر نے بار بار عامر سے یہی بات کہی۔ عامر نے کہا میں سمجھ گیا تم بہت دفعہ کہہ چکے۔ حجر نے کہا میرے لئے کسی طرح کی بدنامی نہیں ہوئی، تجھ کو انعام و اکرام ملے گا اور حجر کو کھینچ لے جائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ اگر میری بات تجھے گراں گزرے تو جائے شکایت نہیں، اس بات پر عامر کو شرمندگی سی ہوئی اور کہنے لگا واللہ! یہ بات نہیں ہے۔ میں ضرور تمہارا پیغام پہنچا دوں گا۔ اسی کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا۔

اصحابِ حجر کی سفارشات:

عامر جب معاویہ کے دربار میں پہنچا اور ان دونوں شخصوں کا ذکر کیا تو یزید بن اسد بجلی کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں ابن عم عاصم بن عوف بجلی اور ورقاب بن ستمی بجلی کی جاں بخشی چاہی اور دونوں کی سفارش میں جریر بن عبد اللہ بجلی پہلے ہی معاویہ کو خط لکھ چکے تھے ”کہ میری قوم کے دو شخص جو اہل جماعت سے ہیں اور خوش عقیدہ ہیں، کسی بدخواہ نے زیاد سے ان کی شکایت کی ہے جس پر اُس نے ان دونوں کو ان کو فیوں کے ساتھ بھیج دیا ہے، معلوم ہو کہ ان دونوں نے نہ تو اسلام میں کوئی بدعت کی ہے نہ خلیفہ سے مخالفت اس لئے امیر المومنینؑ سے اس کا نفع ان کو ملنا چاہیے۔

اب یزید بن اسد نے جو ان دونوں کی سفارش کی تو معاویہ کو جریر کا خط بھی یاد

آگیا اور یزید سے کہا ”تمہارے ابنِ عم نے بھی ان دونوں کی تعریف مجھ کو لکھی ہے وہ ضرور ایسے شخص ہیں جن کی بات پر یقین کرنا چاہیے میں نے ان دونوں کو بخش دیا۔“

اب وائل بن حجر نے ارقم بن عبد اللہ الکندی کے لئے کہا ان کو بھی اس کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ابو اعواء اسلمی نے عتبہ بن افص کو مانگا اُن کی بھی جاں بخشی ہوگئی۔ حمزہ بن مالک نے سعد بن نمران ہمدانی کے لئے کہا اُن کو بھی چھوڑ دیا گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے عبد اللہ بن حوہ سعدی کے بارے میں گفتگو کی ان کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مالک بن ہبیرہ کی حجر کے بارے میں معاویہ سے گفتگو:

مالک بن ہبیرہ سکونی اس وقت دربار میں موجود تھا، اس نے کھڑے ہو کر معاویہ سے کہا ”امیر المومنین! میرے ابنِ عم حجر کو میرے کہنے سے چھوڑ دیجئے، معاویہ نے جواب دیا ”تمہارا ابنِ عم تو رئیس قوم ہے اگر اسے چھوڑ دوں گا تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ سارے شہر کو مجھ سے بد عقیدہ کر دے گا اور کل کو مجبور ہو کر مجھے اس کے مقابلے کے لئے تم ہی کو تمام اصحاب سمیت عراق بھیجنا پڑے گا“ مالک نے کہا ”واللہ! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اے معاویہ! میں نے تمہارے ساتھ شریک ہو کر تمہارے ابنِ عم سے قتال کیا، مجھے ان لوگوں کا مقابلہ کرنے میں صفین کا جیسا معرکہ پیش آیا آخر تمہارا ہاتھ اونچا رہا اور تمہاری منزلت میں چار چاند لگ گئے جس کے بعد تم کو کوئی خوف نہیں رہا اب میں نے اپنے ابنِ عم کے لئے جو تم سے سوال کیا تو خفا ہو گئے اور بات کو طول دے دیا جس سے مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا، مالک یہ کہہ کر چلا گیا اور اپنے گھر جا کر بیٹھ رہا۔“

حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی قسمت کا آخری فیصلہ:

معاویہ نے حجر اور ان کے اصحاب کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی (یک چشم) اور حصین بن عبداللہ کلابی اور ابوشریف بدئی کو بھیجا۔ یہ لوگ شام کے وقت مرج عذرا پہنچے۔ کریم بن عقیف شعمی نے جیسے ہی ایک چشم کو آتے دیکھا تو برسبیل تفتن کہنے لگے، ”ہم میں سے آدھے بچ جائیں گے اور آدھے قتل ہو جائیں گے“ سعد بن نمران نے کہا ”خداوند! مجھے اس صورت میں بچالینا کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے“ عبدالرحمن بن حسان غزی نے کہا ”ان کی ذلت سے مجھے عزت دے اس طرح کہ تو بھی مجھ سے راضی رہے، میں نے تو بہت مرتبہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال ڈال دیا مگر خدا کو وہی منظور ہوا جو اس کی مشیت تھی۔

معاویہ کے آدمیوں نے حجر اور ان کے اصحاب سے کہا کہ چھ شخص چھوڑ دیے جائیں گے اور آٹھ قتل ہوں گے۔ ہم لوگوں کو حکم ہے علیؑ سے تبرا اور ان پر لعنت کرنے کو تم سے کہیں اگر تم اس کو منظور کرو تو چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیں۔ امیر المومنین کا خیال ہے کہ خود تمہارے ہی ہم وطنوں کی گواہی سے تمہارا قتل کرنا ان کے لئے جائز ہو چکا ہے لیکن انھوں نے معاف کر دیا ہے۔ اگر تم علیؑ سے تبرا کرو تو ہم سب کو چھوڑ دیں۔ حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا ”خداوند! ہم سے یہ امر کسی طرح سرزد نہیں ہو سکتا“۔

البتہ عبدالرحمن بن حسان غزی اور کریم بن عقیف شعمی نے کہا کہ ہم دونوں کو معاویہ کے روبرو بھیج دیا جائے اور علیؑ کے بارے میں جو کچھ وہ کہلوانا چاہتے ہیں ہم وہی کہیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد ان کی قبریں کھودنے کا حکم دیا گیا اور کفن آگئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں:-

”فبات حجر و اصحابه یصلون طول اللیل فظبا صلوا
الصبح قتلوهم“

یہ رات حجر اور ان کے اصحاب نے نمازیں پڑھنے میں بسر کی، جب صبح نمودار ہوئی تو معاویہ کے اصحاب نے کہا کہ رات تو ہم نے تمہاری طولانی نمازوں اور دعاؤں کو دیکھا اب یہ بتاؤ کہ عثمان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے، حجر اور ان کے اصحاب نے جواب دیا ”ہو اوّل من جار فی الحکمہ و عمل علی غیر الحق“ وہی تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم میں جو رکھا اور ناحق پر عمل کیا۔ یہ سن کر اصحاب معاویہ نے کہا امیر المومنینؓ نے تم کو خوب پہچانا تھا یہ کہہ کر قتل کرنے کو تیار ہو گئے اور کہنے لگے علیؓ پر تبرّاکر و سب نے جواب دیا ”ہم ان سے تولّا رکھتے ہیں اور ان سے تبرّاکر کرنے والے پر تبرّاکرتے ہیں“ اب ایک ایک شخص نے ایک ایک کو قتل کرنے کے لئے کھینچا۔ قبیصہ بن ضبیعہ پر ابو شریف بدئی کا ہاتھ پڑا، قبیصہ نے کہا میرے تیرے خاندان میں قرابت ہے اس لیے بہتر ہے کہ مجھے کوئی اور قتل کرے، بدئی نے کہا اس وقت قرابت کا ہونا تیرے لیے کام آیا یہ کہہ کر اس نے شریک بن شداد حضرمی کو اور قبیصہ کو قضاعی نے قتل کیا۔

حجر کی آخری نماز اور شہادت:

جس وقت حجر کو قتل کرنے کے لیے بڑھے تو انھوں نے کہا ”مجھے اتنی مہلت دو کہ وضو کر لوں“ چنانچہ وضو کی اجازت ملی جب وضو کر چکے تو کہا اتنی مہلت اور چاہتا ہوں کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں بخدا میں نے جب بھی وضو کیا ہے دو رکعت نماز ضرور پڑھی ہے“ غرضیکہ نماز پڑھی جب نماز پڑھ کر واپس آئے تو کہا ”واللہ! اتنی مختصر نماز اپنی زندگی میں میں نے کبھی نہیں پڑھی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم خیال

کرو گے کہ مجھے موت سے اضطراب ہے تو جی چاہتا تھا کہ ان دور کعتوں کو طول دوں کیونکہ یہی دور کعتیں میری تمام زندگی کا حاصل ہیں پھر کہا:-

”اللَّهُمَّ انا نستعينك على اَمَّتِنَا فان اهل الكوفة

يشهدون علينا واهل الشام يقتلوننا“

(ابن علدون ۳: ۱۳)

بارالہا! ہم لوگ تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اس امت کے مقابلے میں بیشک اہل کوفہ نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں اور اہل شام ہم کو قتل کر رہے ہیں۔

واللہ! تم لوگ اگر مجھ کو قتل کرتے ہو تو سن رکھو کہ مسلمانوں میں پہلا فارس ہوں جو ملک شام میں ہلاک ہوا اور پہلا شخص ہوں جس پر یہاں کے کتے بھونکے۔

حجری زبان سے یہ کلمات پوری طرح نکلنے نہ پائے تھے کہ ہدبہ بن فیاض قضائی (یک چشم) تلوار کھینچے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔ اس وقت حجر کے ہاتھ پاؤں میں تھر تھری پڑ گئی۔ ہدبہ نے کہا ”تم تو کہتے تھے کہ مجھے موت سے اضطراب نہیں ہے بہتر ہے کہ اپنے دوست علیؑ سے بیزاری اختیار کرو تا کہ قتل سے بچ جاؤ۔“ حجر نے جواب دیا مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو میں دیکھ رہا ہوں کہ قبر کھدی ہوئی ہے اور کفن پھیلا ہوا ہے تلوار سر پر کھینچی ہوئی ہے، واللہ میں اس اضطراب میں بھی ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا جس سے خدا ناراض ہو۔

اس کے بعد انھوں نے حاضرین کو وصیت کی کہ میری بیڑیاں اور ہتھکڑیاں نہ اتاری جائیں نہ میرا خون دھویا جائے کہ میں کل قیامت میں معاویہ سے اسی حال میں ملوں گا۔ (استیعاب ۱۱/۱۳۵، اسد الغابہ ۳۸۶: ۱، اصحابہ ۳۲۹: ۱)

ہدبہ نے کہا اچھا اپنی گردن اٹھاؤ حجر نے کہا میں اپنے نفس کے قتل پر اعانت نہ کروں گا غرض کہ ہدبہ نے تلوار ماری اور حجر کالا شدہ زمین پر تر پنے لگا۔

اصحاب حجر:

حجر بن عدی کے اصحاب میں حسب ذیل وہ اصحاب ہیں جو ان کے ساتھ قتل کئے گئے۔

(۱) شریک بن شداد حضرمی۔ (۲) صفی بن فیسل شیبانی۔ (۳) قبیصہ بن ضبیحہ عیسیٰ۔ (۴) محرز بن شہاب سعدی۔ (۵) کدام بن حیان غزی۔ (۶) عبدالرحمن بن حسان غزی کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا تھا زیاد نے ان کو قس ناطف میں زندہ گڑوا دیا۔

حسب ذیل اصحاب سفارشات پر چھوڑ دیئے گئے۔

(۱) عاصم بن عوف بجلی۔ (۲) ورقاء بن مکی بجلی۔ (۳) عبداللہ بن حویہ تمیمی۔ (۴) ارقم بن عبداللہ الکندی۔ (۵) عتبہ بن اخنس سعدی۔ (۶) سعید بن نمران ہمدانی۔ (۷) کریم بن عقیف خشعی۔

مالک بن ہبیرہ سکونی کا واقعہ:

سابق کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مالک بن ہبیرہ سکونی نے حجر بن عدی کے لیے معاویہ سے سفارش کی تھی لیکن انھوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، مالک واپس چلا گیا، اس کے بعد اس نے بنی کندہ اور بنی سکون نیز اہل یمن کی ایک کثیر جماعت کو اپنے ہمراہ لیا اور کہا ”واللہ ہمیں معاویہ کی اتنی پروا نہیں ہے جتنی ہمیں ان کی ضرورت ہے ہم کو ان ہی کی قوم میں سے ان کا بدل مل جائے گا لیکن انھیں ہمارا بدل نہیں مل سکتا چلو حجر کو اس کی قید سے چھڑا لائیں۔“

مالک کی یہ گرم تقریر سن کر سب کے سب تیار ہو گئے، انھیں یقین تھا کہ ابھی سب لوگ عذرا میں ہوں گے اور قتل نہیں ہوئے ہوں گے۔ راستے میں معاویہ

کے آدمیوں سے ملاقات ہوئی جو حجر اور ان کے اصحاب کو قتل کر کے واپس آرہے تھے۔ انھوں نے جو مالک کے ساتھ کثیر جماعت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ حجر کے ’چھڑانے کو آرہا ہے، مالک نے اُن سے پوچھا کیا خبر ہے؟ ایک شخص نے کہا ”ان لوگوں نے توبہ کر لی اب ہم معاویہ کے پاس یہی کہنے کو جا رہے ہیں۔“ مالک نے سکوت کیا اور عذرا کی طرف متوجہ ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اسی طرف سے آتا ہوا راستہ میں ملا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کر دیے گئے۔ مالک نے پکارا کہ ان قاتلوں کو میرے پاس لایا جائے۔

کچھ سواران کے تعاقب میں گئے مگر وہ دور نکل گئے تھے، انھوں نے معاویہ سے جا کر مالک اور اس کے ساتھیوں کا جو ارادہ تھا سب بیان کر دیا۔ معاویہ نے کہا پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ ایک جوش تھا جو اُسے آگیا اور شاید اب ٹھنڈا بھی ہو گیا ہو۔ مالک وہاں سے واپس ہوا تو سیدھا اپنے گھر آکر اُترا اور معاویہ کے پاس نہیں گیا بلکہ ان کے بلانے پر بھی آنے سے انکار کر دیا۔ جب رات ہوئی تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ امیر المومنینؑ نے حجر کے بارے میں جو تمہاری سفارش قبول نہیں کی وہ محض تمہاری اور تمہارے اصحاب کی بہتری کے لئے تھا مبادا پھر جنگ و جدل کی نوبت آئے کیونکہ حجر بن عدی اگر زندہ رہتا تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کسی وقت تم کو اور تمہارے اصحاب ہی کو اس کے مقابلے کے لیے جانا پڑتا اور اس جنگ سے مسلمانوں کی ایسی تباہی ہوتی جو حجر کے قتل سے کہیں زیادہ ہوتی۔ مالک نے ہدیہ قبول کیا اور خوش ہو گیا اور صبح کو اپنی ساری جمعیت سمیت معاویہ کے پاس آکر اظہارِ رضامندی کیا۔ (طبری ۶: ۱۵۶)

مقبرہ:

حجر بن عدی کی قبر عذرا میں مشہور ہے۔ ابن عساکر لکھتے ہیں:-

”مسجد قبرہ بہا معروف اقول ذالك المسجد والقبر لم

يزال معروفين الى الآن“ (ابن عساکر ۴: ۸۵)

اولاد:

حجر بن عدی کی اولاد کا کوئی تفصیلی ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا صرف اتنا ملتا ہے کہ ان کے دو بیٹے عبد اللہ اور عبد الرحمان تھے جو مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کے سرگرم حامیوں میں تھے۔ ۶۷ھ میں جب مصعب نے مختار پر غلبہ حاصل کیا تو یہ بھی اُن کے ہمراہ قتل کر دیے گئے۔ (اصابہ ۱: ۳۳)

حجر بن عدی کے قتل کی پیشین گوئیاں زبان رسولؐ سے:

ابوالاسود سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معاویہ جب حضرت عائشہ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے کہا ”تم کو اہل عذرا، حجر اور ان کے اصحاب کے قتل پر کس چیز نے آمادہ کیا“ معاویہ نے جواب دیا اے اُم المومنینؓ میں نے ”اُن کے قتل میں اُمّت محمدی کی بہتری دیکھی اور ان کے باقی رکھنے میں فساد“، اس پر آپ نے فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کئے جائیں گے جن کے لئے اللہ اور تمام نجانِ سماوات غضب ناک ہوں گے“۔ (کنز العمال کتاب الفضائل)

علامہ ابن کثیر نے اس روایت کو انھیں الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب ”البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صفحہ ۵۵“ پر نقل کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:-

اس حدیث کی روایت عبد اللہ بن مبارک نے ابولہب سے، انھوں نے

ابوالاسود سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عنقریب عذرا میں کچھ لوگ قتل کئے جائیں گے جن کے لیے اللہ اور تمام ساکنانِ مساوات غضبناک ہوں گے۔ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھ سے ابولہبیہ نے بیان کیا، ان سے حارث بن زید نے، ان سے عبد اللہ بن رزین غافقی نے بیان کیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے علی بن ابی طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ”اے اہل عراق تم میں سے عنقریب سات آدمی عذرا میں قتل کئے جائیں گے ان کی مثال اصحابِ اخدود کی ہوگی“۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے مراد حجر اور ان کے اصحاب ہیں۔ (الہدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۵۵)

قاتل کی پشیمانی:

ابن سیرین کا بیان ہے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی ہے۔ کہ جب معاویہ کی موت کا وقت ہوا تو کہتے تھے اے حجر! تمہاری وجہ سے میرا روزِ حشر بہت طویل ہے۔ (کامل ۲۱:۳ و طبری ۵۶:۶)

معاویہ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس کو بھی قتل کیا اس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ کس بات پر قتل کیا۔ بجز حجر کے جن کے متعلق میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کو کس جرم میں میں نے قتل کرایا۔ (ابن عساکر ۸۶:۴)

حجر بن عدی کے قتل پر اجلہ اصحاب کے تاثرات:

حضرت حجر بن عدی کا دردناک قتل ایسا غیر اہم واقعہ نہ تھا جس سے اس وقت کی اسلامی دنیا متاثر نہ ہوتی، اگرچہ اس سے پیشتر بھی ہزار ہا کی تعداد میں شیعیاں علیؑ کو سفاکانہ طریقے سے قتل کیا جا چکا تھا لیکن مجموعی طور پر ان واقعات سے کوئی ایسا اثر مرتب نہ ہوسکا جس سے عوام کے دلوں میں حکومت کی طرف سے جذبہ

تفہر پیدا ہو جاتا حجر بن عدی اپنی شخصیت کے لحاظ سے ان لوگوں میں نہ تھے جن کے قتل کو مسلمان آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے اور مذہبی حلقوں کی طرف سے کوئی احتجاجی صدا بلند نہ ہوتی۔ وہ ایک عابد و زاہد بزرگ ہونے کے علاوہ ممتاز صحابی رسول بھی تھے جس کی بنا پر لوگ ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوست اور دشمن دونوں کی نظر میں ان کی نیکی کا گہرا نقش بیٹھا ہوا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کو جب حجر کے قتل کا مشورہ دیا گیا ہے تو انھوں نے یہ جواب دیا ہے۔

”میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں“

(طبری ۶: ۱۳۳)

اس واقعے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حجر کا شمار اپنے وقت کے نیک لوگوں میں تھا اور اس حد تک کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ ان کے قتل پر تمام اسلامی دنیا میں عام ہیجان و اضطراب پیدا ہو گیا اور ہر طرف سے احتجاج کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔

مؤلف سیر الصحابہ شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:-

حجر کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا، اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؑ کی حمایت کی وجہ سے کوفہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس لئے اہل کوفہ میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی۔ معززین کوفہ حضرت حسنؑ کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے۔ (سیر الصحابہ، ج ۷، صفحہ ۲۹)

خصوصیت سے حضرت امام حسینؑ پر اس کا سب سے زیادہ اثر ہوا ابو حنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ حجر بن عدی اور ان کے

اصحاب جب قتل ہو گئے تو اہل کوفہ نے اس کو ایک مصیبتِ عظیم سمجھا اور کچھ لوگ معززینِ اہل کوفہ میں سے آپ کے پاس آئے اور اس واقعے کی اطلاع دی۔ امام حسینؑ نے اِذَا لَهِیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا اور بے حد متاثر ہوئے۔ اس وقت مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا اس کو جب یہ خبر پہنچی تو معاویہ کو اطلاع دی کہ ”اہل کوفہ میں سخت برہمی کے آثار ہیں اور حسینؑ بن علیؑ کے پاس ان کا اجتماع ہوتا ہے“۔ معاویہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ساتھ ہی امام حسینؑ کو اس نے حسب ذیل خط لکھا:-

اتابعد! مجھ کو آپ کی بابت ایسی خبریں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے شایان نہیں اس لیے کہ عہد کرنے کے بعد اس کا ایفا ضروری ہوتا ہے۔“ پس (اللہ آپ پر رحم کرے) یہ جان لیجئے کہ اگر کسی وقت میں آپ کا انکار کروں تو آپ بھی میرا انکار کریں اور جب آپ میرے ساتھ کوئی کید کریں گے تو میں بھی کید سے جواب دوں گا، پس آپ بیوقوف لوگوں کے کہنے میں نہ آئیں جن کا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے۔“ (اخبار الطوال ۲۳۸)

اس خط کے جواب میں امام حسینؑ نے ایک طولانی خط معاویہ کو لکھا ہے جو مختلف کتبِ تواریخ میں ملتا ہے جس سے آپ کے تاثرات کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔
اتابعد! مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ میرے بارے میں تم کو کچھ ایسی خبریں پہنچی ہیں جو تمہاری نظر میں میرے لیے ناپسندیدہ ہیں اور جن کا نہ ہونا زیادہ بہتر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی کی طرف ہدایت دینے والا اور اپنی توفیق

شامل حال کرنے والا صرف خدا ہے اور تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم تک میرے متعلق کچھ باتیں پہنچی ہیں تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ باتیں تم تک چغل خور، پھوٹ ڈالنے والے، جھوٹے اور گمراہ لوگوں نے پہنچائی ہیں۔ میرا نہ تم سے کوئی جنگ کا ارادہ ہے نہ تمہارے خلاف کسی اقدام کا حالانکہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے میں خدا سے ڈرتا ہوں کہ میں نے تمہارے مقابلے اور تمہارے ان ستم گار اور لامذہب ساتھیوں کے مقابلے میں جو ظالموں کا جتھا اور شیطان کے پیرو ہیں پوری پوری کوشش کیوں نہیں کی، اے معاویہ! کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے عبادت گزار اور نمازی اصحاب کے قاتل نہیں ہو جو ظلم سے انکار کرتے تھے اور بدعتوں کے مخالف تھے، اچھی باتوں کا حکم دیتے تھے اور منکرات سے منع کرتے تھے اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے پھر تم نے انہیں سخت قسم کے عہد و پیمان کرنے اور ٹھوس وعدے کرنے کے باوجود خدا پر جرات کر کے اور اس کے عہد کو خفیف سمجھ کر محض ازراہ ظلم و جور شہید کر ڈالا۔ کیا تم عمرو بن حتم کے قاتل نہیں ہو؟ جو رسول اللہ کے صحابی اور اللہ کے نیکو کار بندے تھے، جن کو عبادت نے اتنا لاغر کر دیا تھا کہ ان کا جسم کا ہیدہ اور رنگ زرد ہو گیا، تم نے انہیں امان دینے اور سخت و شدید وعدے کرنے کے بعد کہ اگر وہ وعدے بڑکوبی سے بھی کیے جاتے تو وہ بھی پہاڑ چھوڑ کر نیچے اتر آتے قتل کیا۔

کیا تم نے زیاد بن سمیہ کو جو ثقیف کے غلام کے گھر پیدا ہوا تھا بھائی نہیں بنایا؟ حالانکہ رسول اللہ کی حدیث ہے کہ لڑکا شوہر کے لیے ہے اور زنا کار کے لئے پتھر، تم نے عہد اشریعت پیغمبرؐ سے گریز کیا اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور اس میں خدا کی طرف سے تم مطلق ہدایت پر نہیں تھے، پھر اسی پر تم نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو (زیاد) تم نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا کہ وہ انہیں قتل کرے، ان

کے ہاتھ پیر کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلاخیاں پھروائے اور درختِ خرما پر پھانسی چڑھائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تم اس اُمت سے ہو ہی نہیں اور نہ یہ اُمت محمدی تم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔

کیا تم نے حضری جماعت کو قتل نہیں کیا جس کے متعلق زیاد نے تم کو لکھا تھا کہ وہ علیؑ کے دین پر ہے تو تم نے لکھا کہ جو بھی علیؑ کے دین پر ہوا سے قتل کر ڈالو اور ان کا مثلہ کیا (ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک کاٹے) حالانکہ علیؑ کا دین بعینہ محمد مصطفیٰؐ کا دین ہے، وہ محمد مصطفیٰؐ جن کی وجہ سے آج تم اس جگہ پر بیٹھے ہو، اگر وہ نہ ہوتے تو تمہاری اور تمہارے آباؤ اجداد کی عزت بس پھیریاں لگاتی ہوتی جاڑے کی پھیری اور گرمی کی پھیری اور تم نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذرا اپنے اور اپنے مذہبی راویوں کے متعلق خوب غور کر لیں میں نے یقیناً غور کیا، میری نظر میں اپنے لیے اور اپنے مذہبی مفاد اور اُمت حضرت محمد مصطفیٰؐ کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ جہاں تک ہو سکے میں تمہارا مقابلہ کروں اب اگر میں نے ایسا کیا تو میرے لیے رضائے الہی کا ذریعہ ہوگا اور اگر اسے ترک کیا تو پھر خدا سے مجھے اپنے مذہبی فرض کی بنا پر طالبِ مغفرت ہونا پڑے گا اور اسی سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھے صحیح طریقہ کار اختیار کرنے کی توفیق دے اور تم نے جوابی تحریر میں مجھے دھمکایا ہے کہ اگر میں تمہاری مخالفت کروں گا تو تم بھی مخالفت سے اس کا جواب دو گے اور میں کوئی فریب کروں گا تو تم بھی فریب کرو گے اچھا تو پھر جیسا چاہے میرے ساتھ فریب کر لو مجھے اُمید ہے کہ تمہارے فریب سے مجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور سب سے زیادہ اس کا نقصان تم ہی کو پہنچے گا اس لیے کہ تم جہالت کی سواری پر سوار ہو، اپنے عہد کے توڑنے کی فکر میں ہو اور میں زندگی کی قسم کھا کر کہتا

ہوں کہ تم نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی اور تم اپنا عہد توڑ چکے ان لوگوں کو قتل کر کے جو تمہارے ساتھ مصالحت کر چکے تھے اور جن کو امان دینے کی تم نے قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیمان کیے تھے، تم نے بغیر اس کے کہ وہ تمہارے خلاف کوئی اقدام کریں یا کسی کو قتل کریں، انہیں قتل کر ڈالا اور تم نے ان کے ساتھ یہ سلوک صرف اس جرم میں کیا کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حقوق کا احترام کرتے تھے۔ تم نے انہیں صرف ایسے خطروں کی بنا پر قتل کیا کہ اگر تم انہیں قتل بھی نہ کرتے تو شاید تمہاری زندگی بھر وہ خطرات رونما ہوتے یا ممکن تھا کہ اس قسم کے اقدامات سے پہلے وہ مر جاتے۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ ان کا قصاص تم سے ضرور لیا جائے گا اور تمہیں آخرت کی باز پرس کا یقین رکھنا چاہیے اور معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے پاس ایک کتاب ہے جس میں کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں جو نہ لکھا جاتا ہو اور اللہ تمہارے ان افعال کو بھولنے والا نہیں ہے کہ تم نے دوستانہ خدا کو بے بنیاد الزامات پر قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے جلا وطن کر کے پردیس میں پہنچا دیا اور لوگوں کو اپنے گمراہ لڑکے کی بیعت کے لیے مجبور کیا جو شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نے اپنے کو بڑے خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے اور اپنے دین کو تباہ و برباد کر دیا ہے، تم نے اپنی رعایا سے کھوٹ کی اور اپنے امانت داروں کو رسوا کیا اور جاہل احمقوں کی باتوں پر عمل کیا ہے نیز مشقی اور پرہیز گار افراد کو خوف و دہشت میں ڈال دیا ہے۔

(کتاب الامت و سیاست صفحہ ۱۶۸ ج ۱ ج ۱)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ:

استیعاب میں ہے کہ حضرت عائشہ کو جب حجر اور ان کے اصحاب کی گرفتاری

کی خبر معلوم ہوئی تو اُسی وقت اُنھوں نے عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ حجر اور اُن کے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈریں لیکن عبدالرحمن اُس وقت پہنچے جب حجر اور اُن کے پانچ ساتھی قتل ہو چکے تھے۔ عبدالرحمن نے معاویہ سے کہا کہ حجر اور اُن کے اصحاب کے بارے میں ابوسفیان سے ورثے میں ملنے والا حلم کہاں چلا گیا تھا، تم نے ان کو قید کر دیا ہوتا یا کسی وبائی مقام میں بھیج دیا ہوتا۔ معاویہ نے جواب دیا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے مشورہ دینے والے موجود نہ تھے۔ عبدالرحمن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب نہ تم کو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحب عقل، تم نے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے۔ معاویہ نے جواب دیا میں مجبور تھا، زیاد نے مجھے ان کے بہت سخت حالات لکھے تھے کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جس میں ہوند نہ لگ سکے گا۔ (استیعاب ۱: ۱۳۴)

اس کے بعد معاویہ مدینے آئے اور اُمّ المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو اُن سے ہوئی ہے وہ حجر کے بارے میں تھی۔ اس گفتگو نے یہاں تک طول کھینچا کہ معاویہ نے کہا اچھا پھر چھوڑ دیجئے مجھے اور حجر کو یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے رب سے جا ملیں۔ (استیعاب ۱: ۱۳۴، اسد الغابہ ۱: ۳۸۶)

مسروق بن اجدع کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اُنھوں نے فرمایا ”اگر معاویہ کو احساس ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی غیرت اور حمیت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کر کے شام بلوانے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتا لیکن جگر خوارہ کے لڑکے کو معلوم ہے کہ آدمی فنا ہو چکے ہیں، خدا کی قسم یہ لوگ اپنی علمی طاقت اور فقہی قابلیت کے لحاظ سے عرب کے سر اور دماغ سمجھے جاسکتے ہیں۔“

اس کے بعد لبید کے دو شعر پڑھے:-

ذهب الذین. بعاش فی اکنافهم
وبقیة فی خلف کجلد الاجرب

لا ینفعون ولا یرجے خیرهم

ویعاب قائلهم وان لم یشغب

گزر گئے وہ لوگ جن کی پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور میں اب ایسے
پسماندہ افراد میں رہ گیا ہوں جو خاشی اونٹ کی کھال کے مثل ہیں نہ تو اُن سے
کوئی فائدہ ہے نہ اُن سے کسی چیز کی توقع، جب وہ بات کرتے ہیں تو عیوب سے
بھری ہوتی ہے چاہے وہ شور و غل برپا نہ کریں۔ (استیعاب، ج ۱، صفحہ ۱۳۵)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب معاویہ حج کے لیے مدینے آئے تو ام المومنین
حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ اُمّ المومنین نے اُن سے کہا ”معاویہ! تم کو اس کا
خوف نہیں ہوا کہ میں نے کسی آدمی کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کے خون کا بدلہ لینے
کے لیے چھپا دیا ہو عرض ”کیا میں بیت الامان میں آیا ہوں“۔ حضرت عائشہ نے
فرمایا ”تم کو حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کرنے میں خدا کا خوف نہیں ہوا“۔ معاویہ
نے کہا ”ان کو ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں۔“

(استیعاب، ج ۱، صفحہ ۱۳۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس موقع پر اُمّ المومنین نے اُن سے پردہ کیا اور
فرمایا کہ ”اب کبھی میرے پاس نہ آنا“ لیکن معاویہ برابر معلق کرتے رہے
مجبور ہو کر انھوں نے آمد و رفت کی اجازت دے دی اور حجر کے قتل کے بارے
میں بہت کچھ اُن کو ملامت کی معاویہ نے عذر خواہی کی یہاں تک کہ اُمّ المومنین
نے ان کا عذر قبول کر لیا۔

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ”اگر بے وقوف لوگ ہم پر غالب نہ آجاتے تو میرے اور معاویہ کے مابین قتلِ حجر کی بناء پر عظیم اختلاف کھڑا ہو جاتا“

(الہدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۵۵)

طبری میں ہے کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا کہ جب ہم کسی چیز کو متغیر کرتے ہیں تو اس سے زیادہ مشکلات ہم پر آلت پڑتے ہیں جن میں ہم پہلے تھے تو ہم ضرور حجر کے قتل کو متغیر کر دیتے قسم بخدا جہاں تک میرا علم ہے حجر پکے مسلمان اور حج و عمرہ بجالانے والے تھے:- (طبری ۶: ۱۵۶)

مؤلف سیر الصحابہ لکھتے ہیں:-

”اہل بیتِ نبوی میں حجر کی بڑی وقعت تھی چنانچہ حضرت عائشہ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی تھی اسی وقت انھوں نے عبدالرحمان بن حارث کو معاویہ کے پاس دوڑایا تھا کہ وہ حجر اور ان کے رفقا کے بارے میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اُس وقت پہنچے جب حجر قتل ہو چکے تھے پھر بھی انھوں نے معاویہ کو بڑی ملامت کی۔ معاویہ نے جواب دیا میں کیا کرتا زیاد نے ان کی بڑی شکایت لکھی تھیں اور لکھا تھا کہ عنقریب یہ لوگ ایسا رخنہ پیدا کریں گے جس میں پیوند نہ لگ سکے گا۔“

(سیرۃ الصحابہ، ج ۷، ص ۴۹)

عبداللہ بن عمر:

نافع کی روایت ہے کہ ابن عمر بازار میں تھے، جب اُن کو حجر کے قتل کی خبر ملی تو بے چین ہو گئے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

(اسد الغابہ ۱: ۳۸۶، اصحابہ ۱: ۳۲۹)

حسن بصری:

حسن بصری کے سامنے جب حجر بن عدی کے قتل کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا

”وائے ہوا اُس پر جس نے حجر اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کیا“ (استیعاب ۵/۱۱۳)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:-

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔

(۱) اُس اُمت پر تموار کے زور سے غلبہ حاصل کرنا یہاں تک کہ بغیر مسلمانوں کے مشورے کے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ اُس وقت باقی ماندہ صحابہ اور صاحبانِ فضیلت لوگ موجود تھے۔

(۲) اپنے بدست اور شراب خوار بیٹے کو جو حریر کا لباس پہنتا اور طنبورہ بجاتا تھا اپنا جانشین بنایا۔

(۳) زیاد کو اپنے نَسب میں داخل کرنا حالانکہ حدیثِ نبویؐ الولد للفرض اس کے خلاف نصِ صریح ہے۔

(۴) حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرنا، پس حجر اور ان کے اصحاب کے قتل سے اس پر حیف ہے اور صد حیف ہے۔ (تاریخ کمال ۳: ۲۰۹)

ربیع بن زیاد حارثی:

معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے، بنی اُمیہ کے ہوا خواہوں میں تھے لیکن حجر بن عدی کے قتل سے بے حد متاثر ہوئے۔

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:-

ربیع کو جب حجر کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”خداوند! اگر ربیع کے لیے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح کو قبض فرمائے“ ابھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔

ابن خلدون نے اس روایت کو اس طرح لکھا ہے۔

ربیع کو جس وقت خراسان میں حجر کے قتل کا حال معلوم ہوا تو سکتہ سا ہو گیا۔
تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹھندی سانس بھر کر بولے ”عرب ہمیشہ حجر کے بعد اسی
طرح قتل کیا جائے گا، اگر وہ لوگ حجر کے قتل سے رُک جاتے تو اپنے کو قتل عام سے
بچا لیتے لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا اور ذلیل ہو گئے۔“ اس کے بعد جمعے کا دن آیا
تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا ”میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے میں کچھ دعا کروں
گام سب آمین کہنا چنانچہ بعد نماز جمعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی (ابن خلدون ۳: ۱۴)

”اللھم ان کان لی عندک خیر فاقبضی عاجلاً۔“

لوگوں نے ہدایت کے مطابق آمین کہا، دعا کر کے مسجد سے باہر نکلے ابھی
کپڑے تک نہ سنبھالنے پائے تھے کہ زمین پر گر پڑے ہوش آیا تو اپنے لڑکے
عبداللہ کو اپنا نائب کیا اور اسی روز انتقال کر گئے۔

عام مسلمانوں کے تاثرات:

طبری میں ہے:-

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے زکریا بن ابی زائدہ نے، انھوں نے ابواسحاق
سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ پہلی
ذلت جو کوفہ میں داخل ہوئی وہ حسن بن علی کی موت اور حجر بن عدی کا قتل نیز
معاویہ کا زیا کو اپنا بھائی بنانا۔ (طبری ۶: ۱۵۶)

حجر بن عدی کے قتل پر ایک نظر:

حجر بن عدی پر عام طور سے بغاوت کا الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے

حکومت کے خلاف ایک جماعت پیدا کر کے اس کا تختہ الٹنا چاہا اس لیے امن و امان قائم کرنے کی غرض سے ان کا قتل ضروری تھا۔

یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی کوئی بنیاد تاریخ میں نہیں ملتی اور جو عامۂ اہل اسلام کے مسلک کے قطعاً منافی ہے بلکہ اس کے برعکس واقعات یہ بتاتے ہیں کہ حجر بن عدی کا بجز اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ وہ نیک تھے اور نیکی کو پسند کرتے تھے، خلاف کتاب و سنت امور کو دیکھ کر ان کو تکلیف ہوتی تھی البتہ خانوادہ رسالت سے جو ان کی وابستگی تھی اس کی بنا پر علی اور آل علی پر سب و شتم سنان کی طاقت سے باہر تھا، ادھر حکومت کا رویہ اس معاملے میں اتنا تشدد نہ تھا کہ اُس کی تمام ترکوشش یہ تھی کہ منبروں پر علی الاعلان حضرت علیؑ کو گالیاں دی جائیں اور اس غرض سے عموماً کلیدی عہدوں کے لیے ایسے ہی اشخاص کو چنا جاتا تھا جنہیں حکومت کے اس مقصد کو پورا کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہو چنانچہ ۴۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کی گورنری دینے کے لیے بلایا گیا ہے تو پہلی ہدایت اس کو یہی گئی کہ علیؑ پر سب و شتم کرنے اور عثمان کے لیے طلبِ مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے چنانچہ مؤرخ طبری لکھتے ہیں:-

جمادی ۴۱ھ میں جب معاویہ بن ابی سفیان نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا والی بنایا ہے تو اُس کو بلا کر حق تعالیٰ کی حمد ثنا کے بعد کہا:- ”مردِ عاقل بات کو بغیر کہے ہوئے سمجھ لیتا ہے، میرا ارادہ تھا کہ بہت سی باتیں تم کو سمجھاؤں مگر میں ان سب کو اس لیے چھوڑ دیتا ہوں کہ تمہاری بصیرت و دانائی پر مجھے اعتماد ہے“ تم کو معلوم ہے کہ کن باتوں میں میری خوشنودی، میری سلطنت کی ترقی اور میری رعیت کی بہتری ہے البتہ ایک امر کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا وہ یہ ہے کہ علیؑ کو گالیاں دینے، ان کی مذمت کرنے اور عثمان کے لیے طلبِ مغفرت و رحمت

کرنے نیز اصحاب علی کی عیب جوئی اور ان کو اپنے سے دور رکھنے اور ان کی بات نہ سننے میں اس کے برخلاف شیعہ عین عثمان کی مدح و ثنا اور ان کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کی بات مان لینے میں تم کو تاثر مل نہ کرنا چاہیے۔

حکومت کی اسی پالیسی کا اثر تھا کہ مغیرہ اپنے تمام دور حکومت میں اس پر شدت کے ساتھ عامل رہے جیسا کہ شعبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سات برس اور چند ماہ کو فہ پر حکومت کی..... امن و عافیت کے دل سے خواہاں تھے مگر علی کو برا کہنا اور ان کی مذمت کرنے کو انھوں نے کبھی ترک نہیں کیا یقیناً حکومت کا یہ رویہ آئینی طور سے سراسر غلط تھا، اس کو شیعہ عین علی کے جذبات، ان کے نظریات کا احترام کرنا ضروری تھا جیسا کہ آج بھی ہم ہر جمہوری حکومت میں دیکھتے ہیں۔ اس پر حجر بن عدی کو اپنے حکام سے اگر اختلاف ہوا تو ان پر کون سا جرم عائد کیا جاسکتا ہے بلکہ آئینی طور سے حکومت کے ارباب حل و عقد اپنی اس پالیسی میں مجرم قرار پاتے ہیں جو سراسر جمہوری اصولوں کے خلاف ہے۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ حجر بن عدی اپنے حکام کے ساتھ جسارت سے پیش آتے تھے اور بات بات پر ان کو ٹوکتے تھے مثلاً تاخیر نماز کی بابت زیاد کو برسر منبر ٹوکنایا عمر بن حریث کو سب علی پر ملامت کرنا۔

تیسرا واقعہ جس سے اس خیال کو کم و بیش تقویت دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ معاویہ نے کوفہ کے بیت المال سے جب کچھ مال منگوایا ہے تو حجر بن عدی اونٹ کی مہار پکڑ کے کھڑے ہو گئے اور مغیرہ سے کہا ”یہ مال اُس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک صاحبان حقوق کو ان کا حق نہ دے دیا جائے“۔

مذکورہ بالا چند واقعات کے علاوہ تاریخ میں اور کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس کو ان کے اسباب قتل میں قرار دیا جائے لیکن یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کو ممکن ہے کہ ڈکٹیٹر

شب تو برداشت نہ کر سکے لیکن ایک وہ حکومت جو اسلامی حکومت ہونے کی مدعی ہو اور جس کی بنیاد جمہوری اصولوں پر ہو اس کو دیکھتے ہوئے عوام کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلاف کتاب و سنت امور پر اپنے حکام کو متنبہ کرے۔ آج اس لادینی اور غیر مذہبی حکومت کے اندر بھی ہر شخص کو آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے، معمولی سے معمولی آدمی حکومت پر سخت سے سخت تنقید کرتا ہے لیکن حکومت نہایت فراخ دلی سے اس کو برداشت کرتی ہے اور کوئی قانونی دفعہ اس پر عائد نہیں کرتی، خود زمانہ خلافتِ ثانیہ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں۔

خليفة ثانی عمر بن الخطاب جن کا اقتدار اس وقت کی اسلامی دنیا میں زیادہ اور معاویہ سے کہیں زیادہ تھا، ایک معمولی سی بڑھیا ان کو خلاف کتاب اللہ ایک حکم دینے پر مجمع عام میں ٹوک دیتی ہے اور وہ ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں ”کل الناس افقه من عمر حتی العجائز“ (تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ جانتے ہیں یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی۔)

اسی طرح دوسرا واقعہ جو عام طور پر تاریخ و سیر میں پایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ عمر رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر سے کچھ گانے بجانے کی آواز آئی، عمر درازہ گھر میں داخل ہو گئے دیکھا کہ ایک شخص ایک عورت کے ساتھ لہو و لعب میں مصروف ہے۔ انھوں نے اُس کو لعنت ملا مت کی، وہ شخص نہایت ہمت کے ساتھ جواب دیتا ہے کہ میں تو ایک ہی گناہ کا مرتکب ہوا ہوں مگر آپ نے بیک وقت تین گناہوں کا ارتکاب کیا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”لا تجتسوا“ لوگوں کے احوال کا تجسس نہ کرو۔ آپ نے تجسس فرمایا۔ پھر خدا فرماتا ہے ”والوالبیوت من ابوابھا“ گھروں میں دروازے کے ذریعے سے داخل

ہو، آپ دیوار پھاند کر آئے۔ خدا فرماتا ہے "لا تدخلو بیوتاً حتیٰ یستأذنوا وتسلموا علی اہلہا" گھروں میں جب داخل ہو پہلے گھر والوں کو سلام کرو آپ بغیر سلام کے داخل ہو گئے۔

ان واقعات کی روشنی میں حجر بن عدی کا خلاف کتاب و سنت امور پر اپنے حکام کو نوکنا کوئی جرم نہ تھا بلکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اپنے ایک مذہبی فریضے کی انجام دہی میں قاصر سمجھے جاتے جو شریعت اسلامیہ کی طرف سے ان پر عائد ہوتا تھا اس سے تو ان کے جذبہ خلوص اور جذبہ حمایتِ حق کا پتہ چلتا ہے نہ کہ بغاوت اور تمرد کا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان امور کے باوجود بھی حجر نے کسی وقت جماعت سے علیحدگی کا اعلان نہیں کیا اور نہ کبھی وہ حکومت کے حریف بن کر میدان میں آئے بلکہ آخر وقت تک وہ یہی کہتے رہے کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔ سب سے پہلے جب زیاد کے روبرو ان کو گرفتار کر کے لایا گیا ہے تو انھوں نے ان الفاظ میں اپنی صفائی پیش کی ہے:-

”میں نے نہ اطاعت ترک کی ہے نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے اور میں اپنی بیعت پر قائم ہوں۔“

اس کے بعد جب معاویہ کے پاس پہنچے ہیں تو معاویہ کے قاصد یزید بن جحیہ کی زبانی بھی یہی کہلا کر بھیجا ہے، جب کہ طبری میں ہے:-

حجر نے یزید بن جحیہ سے کہا کہ معاویہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں نہ اس کو توڑنا چاہتے ہیں نہ توڑیں گے اور ہمارے دشمنوں نے ہمارے خلاف یہ گواہیاں دی ہیں۔ (طبری ۱: ۱۳۵)

یزید بن جحیہ نے حجر کا یہ پیغام معاویہ کو پہنچا دیا جس کا جواب انھوں نے یہ دیا

کہ ہمارے نزدیک زیادہ حج سے زیادہ سچا ہے۔

اسی بنا پر تمام اکابر اسلام بالاتفاق یہ لکھتے ہیں کہ حجر نے بیعت نہیں توڑی تھی۔ تاریخ کامل میں ہے:

جب معاویہ نے زیاد کو عراق اور دیگر بلاد کا حاکم بنایا تو اس نے سختی اور بد چلنی شروع کر دی، حجر نے اس کی بیعت واپس کر دی لیکن معاویہ کی بیعت واپس نہیں کی۔
اصابہ میں ہے:-

رویائی اور طبرانی نے ابواسحاق کے طریقے سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حجر بن عدی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”آگاہ ہو جاؤ کہ میں اپنی بیعت پر قائم ہوں، نہ اُس کو توڑنا چاہتا ہوں نہ توڑوں گا۔“ (البدایہ ۱: ۳۲۹)

اس کے بعد زیاد سے زیادہ معاویہ کی برأت کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان شہادتوں سے مجبور ہو گئے جو حجر کے خلاف اُن کے سامنے گزریں اور اس طرح ان کے اس اقدام کو اجتہادی غلطی پر محمول کر سکتے ہیں لیکن ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک خیال ہی خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مقدس صحابی رسولؐ کے قتل کا مسئلہ ایسا معمولی نہ تھا جو چند غیر ذمے دار افراد کی گواہیوں پر طے کر لیا جاتا بلکہ اتنا اہم اقدام کرنے کے لیے بہت کچھ غور و فکر کی ضرورت تھی، زیاد جس کی افتاد طبع اور بد طبیعتی سے وہ خود بھی واقف تھے، اس کے کہنے پر حجر جیسے نیک سیرت، عابد و زاہد صحابی رسولؐ کا قتل کر دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جتنی شہادتیں ان کے سامنے گزریں ان سب کے مقابلے میں تنہا قاضی شریح کی گواہی اور حجر کی موافقت میں ان کے یہ الفاظ۔

(میں نے زیاد سے کہہ دیا کہ حجر بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور راتوں کو

عبادت کرنے والے ہیں) (طبری۔ ج ۶: ۱۵۱)

اپنے مقام پر اتنا وزن رکھتے ہیں جس کے بعد ان تمام شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور معاویہ کو پوری طرح مطمئن ہو جانا چاہیے تھا بلکہ تدین اور انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ان تمام جھوٹی گواہیاں دینے والوں کو آئینی سزا دی جاتی۔

اس کے علاوہ شریح بن ہانی نے ان کو جو خط لکھا ہے اُس میں اُنھوں نے واضح الفاظ میں یہ بتا دیا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھ دیا ہے حالانکہ حجر کے بارے میں میری گواہی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں حج اور عمرے کے سختی سے پابند ہیں، نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، ان کی جان مال حکومت پر حرام ہے۔ اب آپ چاہیں تو اُن کو قتل کر دیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں۔

اس کے بعد یقینی طور پر اُنھیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ حجر کے خلاف یہ ایک بنایا ہوا کیس ہے اور حقیقت کچھ نہیں لیکن اس کے برخلاف روایات یہ بتاتی ہیں کہ شریح کے اس مکتوب کو دیکھنے کے بعد بھی بجائے اس کے کہ زیاد سے کچھ باز و پرس کریں دوبارہ اسی سے مشورہ کے لیے رجوع کرتے ہیں جس کا جواب زیاد نے جو اُن کو دیا ہے وہ یہ ہے۔

”اگر ملک عراق پر قبضہ رکھنا ہے تو حجر کا قتل ہی ضروری ہے۔“

چنانچہ اسی پر اُنھوں نے عمل کیا۔ ان تمام واقعات سے یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ حجر کا قتل صرف اس احتمال کی بنا پر تھا کہ مبادا ان کے اقتدار کو کوئی صدمہ پہنچے جس کے لیے وہ موقع کے منتظر تھے۔

حجر بن عدی کی شہادت پر مرثیے:

حجر بن عدی کے قتل پر کثرت سے مرثیے کہے گئے ان میں سب سے مشہور مرثیہ ہند بنت زید ایک انصاری عورت کا ہے جس کو قریب قریب تمام مؤرخین نے نقل کیا ہے:-

ترفع ایہا القمر المنیر تبصر هل ترئی حجراً یسیر
یسیر الی معاویہ بن حرب لیقتلکم کہا زعم الامیر
تجہزت الجبابر بعد حجر وطاب لها الخورنق والتسذیر
واصبحت البلاد لها محولا کان لم یحسها مزن مطیر
الایا حجر حجر بنی عدی تلقتک السّلامۃ والسرور
اخاف علیک ما اروی عدیا وشیعاً فی دمشق له زئیر
یری قتل الخیار علیہ حقاً له من شرامتہ وزیر
الا یالیت حجر امات موتاً ولم ینحر کما نحر البعیر

فان یهلك فکلّ زعیمر قوم

من الدنیا الی هلك یصیر

اے چاند تو بلندی پر چمک رہا ہے ذرا دیکھ کیا تجھ کو حجر بھی کہیں چلتا پھرتا نظر آتا ہے؟

وہ (حجر) معاویہ بن حرب کی طرف جا رہا ہے تاکہ وہ اس کو قتل کرے جیسا کہ امیر کا گمان ہے۔

حجر کے بعد جابر لوگ خوش ہیں اور خورنق و سدیر ان کے لیے باعث مسرت بن گئے۔
ان کے ظلم سے شہر اس طرح ویران ہو گئے جیسے ان پر بارش ہی نہیں ہوئی تھی۔
اے حجر! اے بنی عدی کے حجر تجھ کو خوشی اور سلامتی نصیب ہو۔ قسم بخدا میں

اس بوڑھے سے تجھ پر خوف کرتی ہوں جو دمشق میں ڈکار رہا ہے، جو نیک لوگوں کے قتل کو حق سمجھتا ہے اور جس کا وزیر امت میں بدترین انسان ہے۔

کاش! کہ حجر اپنی موت سے مرنا اور اس طرح ذبح نہ کیا جاتا جس طرح اونٹ کو ذبح کیا جاتا ہے۔

خیر حجر ہلاک ہو گیا تو کیا ہر قوم کا زعمیم ایک دن موت سے دو چار ہونے والا ہے۔

حسب ذیل دو شعر ایک کندی شاعر کے ہیں بعض لوگوں نے ان کو بھی اسی انصاریہ عورت کی طرف منسوب کیا ہے۔

دموع عینی دیمۃ تقطر تبکی علی حجر و ما تفتد
لو کانت القوم علی اسره ما حتل السیف له الا عور
میری آنکھ کے آنسو ایک جھڑی ہیں جو لگی ہوئی ہے حجر پر رونے میں، میری آنکھ بخل نہیں کرتی۔ افسوس قوم اگر اس کی پیروی کرتی تو یک چشم اس پر تلوار نہ اٹھا سکتا۔

حسب ذیل تین شعر عبیدہ کندی کے ہیں جن میں اس نے محمد بن اشعث کو حجر کے چھوڑ دینے پر عار دلایا ہے۔

اسلمت عمک لم تقاتل دونہ فرقاً ولولا انت کان متیعاً
وقتلت واخدا ل بیت محمد وسلیت سیا فالہ وزروعا
لو کنت من اسد عرفت کرامتی ورایت لی بیت الحساب شفیعا

مرثیہ (عبداللہ بن خلیفہ):

عدی بن حاتم صحابی رسول کو زیاد نے اس شرط پر رہا کیا تھا کہ وہ اپنے ابن عم عبداللہ بن خلیفہ کو شہر سے نکال دیں اور جب تک کوفے میں میری حکومت ہے وہ یہاں نہ آنے پائیں۔ عدی نے ان کو پہاڑوں میں بھیج دیا وہاں سے وہ ان کو

برابر لکھا کرتے تھے کہ مجھے بلوایجے۔ حجر بن عدی کے قتل کی خبر جب ان کو پہنچی تو حسب ذیل مرثیہ لکھ کر بھیجا۔

- ۱ تذکرت لیلی ولشبیبة اعصرا ۱ و ذکر الصبی برح علی من تذکرا
- ۲ وولی الشباب فاققدت غضونه ۲ فیالك من وجدبه حین ادبرا
- ۳ فذع عنک وتذاکر الشباب وفقدہ ۳ واساره اذبان منک فا قصر
- ۴ وبک علی الخلان لما تخرموا ۴ ولم یجدوا عن منهل الموت مصدرا
- ۵ دعتم منا یاہم ومن حان یومہ ۵ من الناس فا علم انہ لن یوخر
- ۶ اولئک کانوا شیعة لی وموئلا ۶ اذا الیوم القی اذا احتدام مذکرا
- ۷ وما کنت اهوئی بعدہم متحللا ۷ یشی من الدنیا ولا ان اعرأ
- ۸ اقول ولا والله السی اداکارہم ۸ سحیس الیالی واموت فاقبرا
- ۹ علی اهل عذراء السلام مضاعفا ۹ من الله ولیسق الغمام الکھورا
- ۱۰ ولاتی بہاجر من الله رحمة ۱۰ فقد کان ارضی الله ہجروا عذرا
- ۱۱ ولا وال تمطال ملک وديمة ۱۱ علی قبر حجرا ویناوی فحشرا
- ۱۲ فیاجر من للخیل تدحی تحورها ۱۲ وللملک البغزی اذا ما تغشرا
- ۱۳ ومن صادع بالحق بعدک فاطق ۱۳ بتقوی ومن ان قیل بالجور غیرا
- ۱۴ فنعم لغو الاسلام کنت اوننی ۱۴ لا طمع ان توتی الخلود وتجر
- ۱۵ وقد کنت تعطی السیف فی الحرب حقہ ۱۵ وتعرف معروفا وتکر منکرا
- ۱۶ فیأ اخوینا من ہبیم عصمتا ۱۶ ویشر تما للصالحات فأبشرا
- ۱۷ ویأ اخوی الخنة فتن البشر ۱۷ فقد کنتما حیتهما ان تبشرا
- ۱۸ ویأ اخوتنا من حضرت موو غالب ۱۸ وشیمان لقلتہم حسابا میثرا
- ۱۹ سعدتم فلم اسمع بأصوب منکم ۱۹ حجاجاً لدی الموت لجلیل واصیرا

سابككم ملاح نجم وغزواك ٢٠ حمام بطين الواديين وقرقرا
 فقلت ولم اظلم أغوث بن ظيئ ٢١ مثنى كنت اخشى بينكم ان أصيبرا
 كهيلتم الاقاتلتم عن اخيكم ٢٢ وقدذب حتى مال ثم تجورا
 نفر جتم عني فغودرت مسلماً ٢٣ كافي غريب في اياذ واعصرا
 فمن لكم مثلي لدى كل غارة ٢٤ ومن لكم مثلي اذا لباس اصعرا
 فمن لكم مثلي اذا الحرب قلصت ٢٥ واوضع فيها السميت وشمرا
 فمن لكم مثلي لدى كل غارة ٢٦ ومن لكم مثلي اذا لباس اصعرا
 وها انا زاداري بأجبال طيسى ٢٧ طريد اولو شاء الا له لغيرا
 نفاقي عددي ظالماً عن مهاجري ٢٨ رضيت بما شاء الا له وقدرا
 واسلمني قومي لغير جناية ٢٩ كان لم يكونالى قبيلاً وسشرا
 فان الف في واربا جبال طيى ٣٠ وكانا معانا من عصير ومحضرا
 فما كنت اخشى ان ارثى متغرباً ٣١ لحا الله من لاهى عليه وكثرا
 لحا الله قتل الحضرمين واثلاً ٣٢ ولاقي الفناء من الشاق المرقدا
 ولاقي الردى القوم الذين تخربوا ٣٣ علينا وقالوا قيل زور ومنكرا
 فلا يدعنى قوم الغوث بن طيى ٣٤ لان دهرهم اشقى بهم وتغيرا
 فلم اغزهم فى العلبين ولم اثر ٣٥ عليهم عجا جبال كويضة اكندا
 فبلغ خليلي ان رحلت مشرقاً ٣٦ جديلة والحسين معناً ويمجلا
 وبثمان والا فناء من جذطبيى ٣٧ ولم اك فيكم ذا الجناء العشورا
 الم تذكر وايوم العذيب التى ٣٨ امامكم ان لا ارى الدهر مدبرا
 وكري على مهران والجمع هاسر ٣٩ وقتلى العمام البستमित السورا
 ويوم جلولاء الوقيعه لم الم ٤٠ ويوم نهاوندا انفتوح وتسترا

وتنسوني يوم الشريعة والقنا ۴۱ بصفين في اکتافهم قد تکسرا
 جزئى ربه عنى عدی بن حاتم ۴۲ برفضى وخدلا فى جزاء مؤقرا
 اتنسى بلأى سادرا یابن حاتم ۴۳ عشیه ما اغنت عديک خدعرا
 فدا فعت عنک القوم حتى تناہوا ۴۴ وکنت انا الحصم الا للذالعزوزا
 فولو او ما قامو مقامى کأتما ۴۵ رأوفى لیثا بالاباء مخدرا
 فصر تکم اذخام القریب والعط ۴۶ السبعید قد افردت نصرا موذرا
 فکان جزائی ان اجزّ دبینکم ۴۷ سچیناء ان اولی الهوان اوسرا
 وکم عدّه لی منك انک راجی ۴۸ فلم لعن بالبیعاد عنى جترا
 فاصبت ارعى انسب طورا وتارة ۴۹ اهم هران داعی الشویہات هوہرا
 کأئى لم اربک جواد الغارة ۵۰ ولم أثرك القرن لکمی مقظرا
 ولم اعترض بالسيف خلا مغیره ۵۱ اذالنکس مشى القهقرى ثم جوجرا
 ولم استحث الركض فى اثر عصبة ۵۲ میمتة علیا سبہاس وابهرا
 ولم اذعر الا بلام ملى بغارة ۵۳ کورّد القطائم الحدت مظفرا
 ولم ارفى خلیل تطاعن بالقنا ۵۴ بقمرین اوشردین او اغزکندرا
 فذلک رهززال عنى حمیده ۵۵ واصبح لی معروفه قد تنگرا
 زلا یعبدن قومى وان کنت غائباً ۵۶ وکنت المضاع فیهم والمکفرا
 ولا حیر فی الدنيا ولا العیش بعدهم ۵۷ وکنت عنهم فانی الدار محصل
 (طبری: ۶: ۱۵۸)

۱۔ میں نے لیلیٰ اور جوانی کی راتوں کو مدتوں تک یاد کیا اور جوانی کی یاد یاد کرنے والے کے لیے سخت ہوتی ہے۔

۲۔ جوانی گزر گئی اور میں نے اس کی شاخوں کو گم کر دیا، اُف اُس کے گزر

جانے کا بھی کتنا رنج ہوتا ہے۔

۳۔ جوانی کی یاد اور اس کے فقدان کے خیال اور اس کے جلد جلد گزرنے کے ذکر کو چھوڑ دو۔

۴۔ رویے ان دوستوں کو جو تباہ کر دیے گئے اور موت کے گھاٹ سے نکلنے کا اُنھوں نے کوئی راستہ نہ پایا۔

۵۔ موت نے اُنھیں بلا لیا اور جس کا وقت آ جاتا ہے سمجھ لو کہ پھر تاخیر نہیں ہو سکتی۔

۶۔ یہی لوگ میرے مددگار اور مصیبت میں میری سپر بن جاتے تھے جب کبھی جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے۔

۷۔ ان کے بعد مجھے دنیا کی کسی شے کی خواہش نہیں ہے نہ اب زندگی کی پروا ہے۔

۸۔ میں کہتا ہوں اور قسم بخدا میں کبھی ان کو نہیں بھلا سکتا۔ بجز اس کے کہ میں مر جاؤں اور قبر میں چلا جاؤں۔

۹۔ اہل عذر پر اللہ کا سلام ہو اور بارانِ رحمت ان پر ٹوٹ ٹوٹ کر برسے۔

۱۰۔ اسی مقام پر حجرِ رحمتِ خدا سے واصل ہوا پس حجر نے اللہ کو راضی کیا اور اس کا عذر قبول کیا گیا۔

۱۱۔ حجر کی قبر پر بارانِ رحمت کے دو ٹکڑے ہمیشہ ہمیشہ سایہ فگن رہیں اور جھڑی لگی رہے روزِ ندا اور روزِ محشر تک۔

۱۲۔ اے حجر! اب خونِ آلود گھوڑوں اور غازی بادشاہ کا کون ضامن ہوگا جب کہ وہ خشنماک ہو۔

۱۳۔ اے حجر تیرے بعد کون بمقتضائے تقویٰ حق پر زبان کھولنے والا ہے اور کون ایسا ہے کہ اگر ظلم کا تذکرہ سُنے تو اُس کے منانے پر آمادہ ہو جائے۔

۱۴۔ اے حجر تم کتنے اچھے برادرِ ایمانی تھے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم کو خلد میں وہ

جگہ دی جائے گی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

۱۵۔ تم جہاد میں شیرازی کا حق ادا کرتے تھے، نیکی کو اچھا اور بدی کو برا سمجھتے تھے۔

۱۶۔ اے میرے دو بھائیو! تم بارانِ رحمت میں محفوظ و مامون ہو، تم کو تمہارے نیک اعمال کی خوشخبری دی گئی ہے پس اسی سے خوشی حاصل کرو۔

۱۷۔ اے میرے دونوں خندقی بھائیو! جو کچھ ہمارے پاس ہے خوش ہو خدا کرے تم ہلاک نہ ہو۔

۱۸۔ اے میرے بھائیو حضرت موت وغالب و شبان میں سے خدا تم پر حساب کو آسان کرے۔

۱۹۔ تم لوگوں نے سعادت حاصل کی مرتے مرتے صائب الرائے اور ثابت قدم تم سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔

۲۰۔ میں تم پر ہمیشہ رویا کروں گا جب تک آسمان پر تارہ چمکے اور باغ میں فاختہ چچھپھپھائے اور قہقہہ لگائے۔

۲۱۔ اے بنی طے! یہ میرا قول ہے اور غلط نہیں مجھے اس کا خطرہ نہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔

۲۲۔ تمہارا بڑا ہوتم نے اپنے بھائی کی طرف سے جنگ نہ کی، وہ دفاع کرتے کرتے خود کو نہ سنبھال سکا اور بالآخر گر گیا۔

۲۳۔ تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس طرح منتشر ہو گئے کہ گویا قبیلہ ایاد و اعصر میں میں ایک اجنبی شخص تھا کہ مجھے گرفتار کرادیا۔

۲۴۔ اب ہر ایک مہم میں میرا شخص تم کو کون ملے گا جب کبھی رن پڑے گا۔

۲۵۔ جب جنگ آستین چڑھائے گی اور حریف جاں باز ترکتازی کرے گا تو مجھ سا کون شخص تمہاری نصرت کو آئے گا۔

۲۶۔ پس ہر غارت کے وقت تمہارے لیے مجھ جیسا کون ہے اور سختی کے وقت میری مثل کون ہے؟

۲۷۔ میں اس حالت میں ہوں کہ شہر سے نکالا ہوا بنی طے کے پہاڑوں میں پڑا ہوا ہوں اگر اللہ چاہتا تو اس حالت کو بدل دیتا۔

۲۸۔ میرے دشمن نے میرے دار الحجۃ سے مجھے نکال دیا میں اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر پر راضی ہوں۔

۲۹۔ میری قوم نے بے گناہ مجھ کو دشمن کے حوالے کر دیا کہ وہ میری برادری اور میرے خاندان ہی کے نہ تھے۔

۳۰۔ اگر میں طے کے پہاڑوں میں کسی مکان میں ہوں اور وہاں شراب اور ہالی موالی سب کچھ ہو۔

۳۱۔ تب بھی اس سے میں نہیں ڈرتا کہ وہاں سے دور چلا جاؤں، خدا کی بے شمار لعنتیں ہوں اس پر جو اس بارے میں مجھ سے خصوصت کرے۔

۳۲۔ خدا لعنت کرے اہل حضرت موت کے سردار بنو وائل پر اور خدا کرے قتانی کو تیز نیزے سے واسطہ پڑے۔

۳۳۔ خدا کرے وہ لوگ ہلاک ہوں جو ہمارے خلاف جمع ہوئے ہیں اور جنہوں نے ہمارے بارے میں غلط بیانی اور دروغ بانی کی۔

۳۴۔ ابن طے کی قوم سے اگر زمانہ خلاف ہو کر بدل جائے تو مجھ کو مدد کے لیے نہ پکارے۔

۳۵۔ میں نے ان کے ساتھ جنگ نہیں کی، سپاہیوں کو لے کر اور کوفے میں ان پر تیرہ و تارگر دو غبار کو بلند نہیں کیا۔

۳۶، ۳۷۔ اے ہدم اگر تو مشرق کی طرف سفر کرے تو میرا پیام قوم جدیدہ

اور معن اور سحر کو پہنچا دے اور قوم بہانہ کو اور طے کے لوگوں کو کیا میں تم لوگوں میں مستغنی المزاج اور زبردست شخص نہ تھا؟

۳۸۔ کیا تم بھول گئے کہ جنگِ عذیب میں تم لوگوں کے سامنے میں نے قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بٹھے نہ پھیروں گا۔

۳۹۔ وہ کہ ان پر میرا حملہ کرنا جب کہ میرے ساتھ والے زرہ پہنے ہوئے بھی نہ تھے اور وہ میرا قتل کرنا اس بہادر مرد کو جو کنگن پہنے ہوئے تھا۔

۴۰۔ وہ جلو لا کا واقعہ جس میں مجھ پر حرف نہیں آنے پایا اور وہ نہاوند اور شوستر کی فتح۔

۴۱۔ وہ میرا لبِ آبِ صفین میں جنگ کرنا کہ برجھی میرے دشمنوں کی پشت میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

۴۲۔ خدا بھلا کرے عدی بن حاتم کا اور جزا دے کہ انھوں نے مجھ کو چھوڑ دیا اور نصرت نہ کی۔

۴۳۔ اے ابنِ حاتم کیا تم بھول گئے جس رات بنی عدی سے ذرا بھی تمہارا کام نہ نکل سکا اس وقت بیسہا کا نہ میں ہی تمہاری نصرت کے لیے نکلا تھا۔

۴۴۔ میں نے دشمنوں کے ہجوم کو تم پر سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ وہ رسوا ہو گئے اور میں نے ثابت کر دیا کہ میں ایک درشت اور سخت حریف ہوں۔

۴۵۔ انھوں نے پیٹھ دکھلا دی اور کوئی میرے سامنے نہ ٹھہر سکا گویا کہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ شیرِ نیستاں کا سامنا ہے۔

۴۶۔ میں نے ایسے وقت میں تم لوگوں کی مدد کی کہ جو قریب تھا وہ بدل ہو چکا تھا اور جو دور تھا وہ اور دور نکل گیا تھا، میں تنہا فتح مند ہوا۔

۴۷۔ اس کا صلہ مجھ کو یہ ملا کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے گھسیٹتے ہوئے لے

جائیں اور میں ذلیل اور قید کیا جاؤں۔

۳۸۔ تم نے کتنے ہی وعدے مجھ سے کئے کہ مجھ کو بلا لو گے لیکن مجھے ان وعدوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

۳۹۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کبھی اونٹنیوں کو چرا رہا ہوں کبھی چرواہے کے ساتھ ساتھ بکریوں کے پیچھے ہر ہر کرتا پھرتا ہوں۔

۵۰۔ گویا میں تاخت و تاراج کرنے کو کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہ ہوا تھا نہ میں نے کسی پہلوان کو قتل کیا تھا۔

۵۱۔ نہ میں نے کبھی سواروں کی ترکتاز کو تلوار کھینچ کر روکا تھا جبکہ بزدل اُلٹے پاؤں بھاگ کر چلا اٹھا تھا۔

۵۲۔ نہ میں شہر نے سچاس والہر کی چڑھائی پر جانے والی فوج کا تعاقب بھی گھوڑے کو ڈپٹا کر کیا تھا۔

۵۳۔ میں نے ایلام کی بستی والوں کو ایک ایسی فوج سے جو مثل طیور کے تھی اضطراب میں بھی نہیں ڈالا تھا اور فتح مند ہو کر واپس بھی نہیں ہوا تھا۔

۵۴۔ کیا قزوین یا شروین میں شہسواروں کے ساتھ برچھیاں مارتے مجھے کسی نے نہیں دیکھا اور کیا میں نے کندر سے جنگ نہیں کی۔

۵۵۔ دنیا کی خوبیوں نے مجھ سے کنارہ کیا اور جو شے اس کی مجھے خوشگوار تھی وہ اب میرے لیے ناگوار ہو گئی۔

۵۶۔ میری قوم والوں کا خدا بھلا کرے اگرچہ میں اب ان میں نہیں ہوں اگرچہ انھوں نے مجھے ضائع کر دیا اور ناسپاسی کی۔

۵۷۔ اگرچہ میں ان سے دور ہوں، محصور ہوں، ان کے بعد دنیا اور زندگانی دنیا کا کوئی لطف نہیں۔

عمرو بن الحمق الخزاعی

نام و نسب:

عمرو نام، قبیلہ خزاعہ کے ایک معزز فرد ہیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے ”عمرو بن الحمق بن الکاہن بن حبیب بن عمرو بن القین بن زراح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو الخزاعی الکعبی (اصابہ ۲۹۴/۳)

صحابیت:

آپ کے صحابی رسول ہونے پر تمام ارباب سیر و رجال کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:-

ابن سکین کا قول ہے: آپ کو صحابیت رسول کا شرف حاصل ہے اور ابو عمرو کہتے ہیں کہ آپ نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حجۃ الوداع کے بعد اسلام لائے لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ (اصابہ ۲۹۴/۳) اس کے بعد لکھتے ہیں۔

ابو احمد حاکم نے اپنی کتاب ”الکنی“ میں ابو داؤد و ما زنی کے تذکرہ کے ذیل میں اموی طریق سے ابو اسحق سے ایک روایت درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن الحمق جنگ بدر میں شریک تھے اور آپ نے ایک مرتبہ رسول اللہ کی

خدمت میں پینے کے لیے دودھ حاضر کیا تھا جس پر آپ نے یہ دعا دی تھی خداوند اس کو جوانی سے متمتع رکھ، اسی دعا کا اثر تھا کہ آپ ۸۰ سال زندہ رہے لیکن کوئی بال سفید نہیں ہوا۔“ (اصابہ ۲/۲۹۳)

استیعاب میں ہے۔

آپ آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے اور ان سے احادیث کو حفظ کیا۔

(استیعاب ۲/۴۴۰)

آپ نہایت عبادت گزار اور مقدس صحابی رسولؐ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو انھوں نے معاویہ کو تحریر کیا ہے فرماتے ہیں۔
اے معاویہ کیا تم عمرو بن الحمق کے قاتل نہیں ہو جو ایسے صالح بندوں میں تھے جن کے چہرے کو کثرت عبادت نے بے رونق کر دیا تھا اور گھلا دیا تھا، تو نے ان کو وعدہ امن دینے کے بعد قتل کیا۔

روایت حدیث:

آپ نے براہ راست آنحضرتؐ سے احادیث کی روایت کی ہے اور آپ سے رفاعہ بن شداد بخلی، عبداللہ بن عامر المعاذی، جبیر بن نفیر الحضرمی، ابو منصور مولی الانصار نیز دیگر صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے (تہذیب المعذیب ۲۴۱/۸)
امام نسائی اور ابن ماجہ نے رفاعہ بن شداد کی سند سے ان سے حسب ذیل حدیث لکھی ہے۔

من امن رجلا علی ومہ فقتلہ فانابری من القاتل وان
کان المقتول کافرا (اصابہ حجر عسقلانی ۴/۲۹۳)

عمر و بن الحنف کی سیاسی زندگی:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے بعد آپ شام چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی البتہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں کچھ نامعلوم اسباب کی بنا پر پھر کوفے آ گئے۔ چنانچہ سعید بن العاص جب کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے اور اُس نے روسا شہر اور اہل قادسیہ سے اپنے مراسم بڑھانا شروع کئے تو ان لوگوں میں جو اس کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے عمرو بن الحنف کا نام بھی ملتا ہے ابن خلدون نے اس کے شرکا مجلس کی حسب ذیل فہرست دی ہے۔

”مالک بن کعب ارجی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی،

ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زہیر عابدی، جناب بن کعب

ازدی، عروہ بن الجعد، عمرو بن الحنف خزاعی، صعصعہ وزید پسران

صوحان، ابن الکواکمل، بن زیاد، عمیر بن ضعبائی، طلحہ بن خویلد

وغیرہم۔“

یہ لوگ ہر روز رات کو اس کی مجلس میں لوگوں کے انساب و ایام عرب اور اسلام کے اخبار بیان کیا کرتے تھے، اسی میں بیشتر طعن و تشنیع تک نوبت پہنچ جاتی تھی، لیکن بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ یہ صحبتیں زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکیں اور سعید کی آمرانہ ذہنیت اور اقتدار پسندی کی بنا پر جلد ہی اختلافات رونما ہو گئے۔

اس کے بعد مدینہ میں جب حضرت عثمان کے خلاف انقلاب ہوا ہے تو اس مخالف گروہ میں آپ کا نام بھی تاریخوں میں ملتا ہے۔

استیعاب میں ہے:

(عمرو بن حنف) ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمان کی طرف بڑھے اور یہ اُن

چار آدمیوں میں تھے جو ان کے گھر میں داخل ہوئے جیسا کہ مؤرخین کا بیان ہے، اس کے بعد وہ علیؑ کے شیعوں میں ہو گئے۔ (استیعاب ۲: ۴۴۴) اصحابہ میں ہے۔

پھر آپ (عمرو بن حنظلہ) حضرت عثمان کے مخالف گروہ میں ہو گئے اور علیؑ کے ہمراہ ان کی تمام جنگوں میں حاضر رہے۔ (اصابہ ۳: ۲۹۴) ابن خلدون کا بیان ہے۔

”بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عثمان کے قتل کا بیڑہ اٹھایا تھا وہ کنانہ بن بشر تمیمی ہیں۔ انھوں نے تلوار چلائی تھی اور عمرو بن حنظلہ نے نیزے کے چند زخم پہنچائے تھے (ابن خلدون ۲: ۱۵)۔

مذکورہ بالا روایت کامل اور طبری نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے:

لیکن عمرو بن حنظلہ نے عثمان پر حملہ کیا اور ان کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اس وقت ان میں صرف رقیہ باقی تھی، عمرو نے نیزے کے لوہار کئے اور کہا ان میں سے تین نیزے تو میں نے اللہ کے لئے مارے ہیں اور چھ اپنی تسکین نفس کے لیے۔ (تاریخ کامل ۳: ۷۵)

عہدِ امیر المومنینؑ:

عمرو بن حنظلہ، حضرت علیؑ کے پرجوش حامیوں میں تھے چنانچہ باتفاق مؤرخین آپ ان کے ہمراہ تمام مشاہد، جمل و صفین اور نہر دان وغیرہ میں شریک رہے ہیں۔ (استیعاب ۲: ۴۴۴)

جنگِ جمل میں اتنی بہادری کے ساتھ جنگ کی کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے۔ اس کے بعد امیر المومنینؑ نے جب شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اور

مہاجرین و انصار کو اپنی ہمراہی کے لیے دعوت دی ہے تو اس وقت بھی عمرو بن حنظلہ آپ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے جو تقریر کی ہے اس سے ان کے جوش اور اخلاص کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔

(قسم بخدا، اے امیر المومنین! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور آپ کی بیعت کی ہے، وہ اس بنا پر نہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان میں قرابت ہے نہ اس ارادے سے کہ آپ مجھے مال اور جاہ و منصب عطا کریں جس کے ذریعے سے میرا ذکر بلند ہو، لیکن صرف پانچ خصلتوں کی بنا پر میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور ان کے وصی ہیں اور ان کی اس ذریت کے باپ ہیں جو آج ہم میں باقی ہے اور اسلام کی طرف لوگوں میں سبقت کرنے والے اور مہاجرین میں، جہاد میں سب سے زیادہ حصہ پانے والے ہیں، پس اگر مجھ کو اپنے وہ حالات پیدا کرنے میں کہ جن کے ذریعے سے میں آپ کے دوست کو طاقتور اور دشمن کو کمزور بنا سکوں، اتنی تکلیف کرنا پڑے جتنی کہ بلند پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹنے اور متلاطم سمندروں کو خشک کرنے میں ہوتی ہے تب بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آپ کا وہ حق ادا کر دیا ہے جو مجھ پر عائد ہوتا ہے)۔

اس پر امیر المومنین نے ان کو دعادی اور فرمایا:

بارِ الہا! اس کے قلب کو تقویٰ سے نورانی کر اور سیدھے راستے کی طرف اس کی رہنمائی کر! کاش تمہاری مثل میرے لشکر میں سو آدمی ہی ہوتے۔

(شرح ابن ابی الحدید: ۱۵۵)

اس کے بعد جنگ صفین کے درمیانی التوا کے زمانے میں جب دوبارہ جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر المومنین نے ان کو بنو خزاعہ کے دستے کا افسر مقرر کیا۔

(انخبار الطوال صفحہ ۱۸۳)

اس کے بعد ۴۳ھ تک تاریخ ان کے ذکر سے خاموش ہے جس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مصر چلے گئے تھے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے حسب ذیل روایت لکھی ہے:-

طبرانی اور قانع وغیرہ نے عمیرہ ابن عبد اللہ مفاخری کی طرف سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے عمرو بن الحمق سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ایک ایسا فتنہ آنے والا ہے جن میں سب سے سالم تر یا سب سے اچھا جند غربی ہوگا۔

عمرو کہتے ہیں کہ میں اسی وجہ سے تمہارے پاس مصر چلا آیا۔ اس کے بعد ۴۱ھ میں جب مغیرہ بن شعبہ کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس وقت پھر آپ کا وجود کوفے میں ملتا ہے چنانچہ معاویہ نے مغیرہ کو خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت لکھ کر بھیجی تھی کہ زیاد، حجر بن عدی، سلیمان بن صرہ، سیف بن ربیع، ابن الکواء اور ابن الحمق کو بالالتزام نماز جماعت میں شریک کیا کرو۔

(ابن خلدون ۶:۳)

مغیرہ کے بعد جب زیاد کوفے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو عمارہ بن عقبہ نے اس سے عمرو کی شکایت کی کہ ان کے پاس شعیان علی کا مجمع رہتا ہے مبادا کوئی شورش برپا ہو۔ زیاد نے ان کو بلایا اور کہا کہ یہ مجمع تمہارے پاس کیوں رہتا ہے جس شخص سے تم کو کلام کرنا ہو مسجد میں کیا کرو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ یزید بن رویم نے یہ شکایت کی تھی جس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس کی پنڈلی کا مغز استخوان میرے بغض کی وجہ سے بہ گیا ہے تو بھی میں اس پر غصہ نہ ہوتا حتیٰ کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا۔

اس کے بعد ۵۵ھ میں آپ حجر بن عدی کے رفقا میں ملتے ہیں۔ چنانچہ جب زیاد کے آدمیوں سے خُجراور ان کے اصحاب کا مقابلہ ہوا ہے اس وقت انھوں نے خُجرجی حمایت میں جنگ کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں بکر بن عبید نے ان کے سر پر لٹھ مارا جس سے یہ اسی وقت گر پڑے۔ ابوسفیان بن عویئر اور عجلان بن ربیعہ ان کو اٹھا کر عبداللہ بن مالک کے گھر میں لے گئے یہ تینوں شخص ازوتی تھے۔ عمرو بن حنظل اپنے نکلنے کے وقت تک اسی گھر میں پوشیدہ رہے۔ اس سلسلے میں مؤرخین نے عبداللہ بن عوف کی زبانی ایک روایت لکھی ہے ان کا بیان ہے کہ مصعب کے قتل کے ایک سال پیشتر جب ہم لوگ غزوہ باجمیرہ سے واپس ہوئے ہیں تو میں نے بکر بن عبید کو دیکھا کہ راہ میں میرے ساتھ چل رہا ہے۔ عبداللہ بن عوف کہتے ہیں کہ جب سے اس نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا اس دن سے میں نے اس کو کہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب اسے دیکھوں گا تو پہچان ہی نہ سکوں گا۔ اب جب میں نے اسے دیکھا تو گمان ہوا کہ شاید یہ وہی شخص ہے۔ کوفے کی عمارتیں سامنے سے دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے صاف طور سے یہ کہتے ہوئے کراہت معلوم ہوئی کہ تو نے ہی عمرو کو لٹھ مارا تھا۔ مبادا وہ مجھے جھٹلا دے اس لیے میں نے اس انداز میں کہا کہ ”جس دن سے تو نے عمرو کے سر پر لٹھ مارا تھا جب سے آج تک میں نے تجھے دیکھا ہی نہ تھا آج دیکھتے ہی پہچان لیا۔“ کہنے لگا ”خدا ان آنکھوں کو روشن رکھے تیری نظر کس قدر صحیح ہے، وہ ایک شیطانی حرکت تھی اب مجھے معلوم ہوا کہ عمرو صلیا میں سے ہیں، مجھے اپنی اس ضرب پر بہت ندامت ہے اور خدا سے استغفار کرتا ہوں“ میں نے کہا: ”جس طرح تو نے عمرو بن حنظل کو مارا تھا اسی طرح کی ضرب جب تک تیرے سر پر نہ لگالوں گا واللہ چھوڑوں گا نہیں اس میں خواہ میری جان جائے یا تیری۔“ یہ سن کر وہ خدا کا

واسطہ دینے لگا لیکن میں نے ایک نہ مانی۔ اس وقت ایک اصفہانی غلام رشید میرے پاس تھا، اس کے نیزے کی ڈانڈ بہت سخت تھی میں نے اسے پکارا اور نیزہ اس سے لے لیا۔ بکر بن عبید یہ دیکھ کر سواری سے نیچے اترنے لگا ابھی دونوں پاؤں زمین تک نہ پہنچے تھے کہ میں جا پہنچا اور اس کے دماغ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ منہ کے بل گر پڑا، میں اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اچھا ہو گیا، اس مدت میں دو مرتبہ اور وہ مجھے ملا، ہر دفعہ وہ مجھ سے یہی کہتا تھا کہ میرا تیرا انصاف خدا کے سامنے ہوگا۔ (طبری ۶: ۱۳۴-۱۳۵)

بہر حال عمرو بن حنظلہ کچھ دن تک عبداللہ بن مالک کے گھر میں پناہ گزین رہے اس کے بعد جب زیاد نے اصحاب حجر کی گرفتاری شروع کی ہے تو آپ رفاعہ بن شداد کے ساتھ موصل چلے گئے اس کی تائید ابن جان کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصحابہ میں نقل کیا ہے۔ وہاں کے عامل نے آپ کو گرفتار کر لیا، جب یہ گرفتار ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، عمرو نے کہا ”میں وہ شخص ہوں جس کو چھوڑ دو گے تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا اور قتل کر دو گے تو برا ہوگا“۔ ان لوگوں نے بہت پوچھا مگر عمرو نے اپنا تعارف نہ کرایا۔ عبداللہ بن ابی بلیعہ نے انھیں موصل کے عامل عبدالرحمن ثقفی کے پاس بھیج دیا اس نے دیکھتے ہی عمرو کو پہچان لیا اور معاویہ کے پاس اُن کا حال لکھ بھیجا۔ معاویہ نے جواب میں لکھا کہ عمرو نے عثمان پر تیر کی بھال سے نو طعن کئے تھے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس پر زیادتی کی جائے اس لیے تم بھی اس پر نو طعن کرو، یہ حکم پا کر عمرو کو نکال کر باہر لے آئے اور نو طعن ان پر کئے گئے۔ پہلے یا دوسرے طعن میں اس مقدس صحابی رسول کی روح پرواز کر گئی۔

(اصحابہ ۲/۲۹۴)

موصل کے عامل نے آپ کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ زیاد نے وہ سر

معاویہ کے پاس روانہ کر دیا یہ واقعہ ۵۰ھ کا ہے۔ (طبری ۱۲۸/۶)

ابن سکین کی روایت ہے کہ معاویہ نے آپ کی تلاش میں کچھ لوگوں کو روانہ کیا تھا، جب معاویہ کے آدمیوں نے ان کو گرفتار کیا تو ان کی موت واقع ہو گئی جس سے ان لوگوں کو یہ خطرہ ہوا کہ معاویہ ضرور ہم لوگوں کو متہم کریں گے اس لیے انھوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور معاویہ کے پاس لے گئے۔ اسلام میں یہ پہلا سر ہے جو نیزے پر بلند کیا گیا اور ہدیے کے طور پر بھیجا گیا۔ (اسد الغابہ ۱۰۱:۴)

علامہ ابن اثیر نے اس موقع پر ایک روایت لکھی ہے کہ عمرو بن الحمق کی ایک زوجہ آمنہ بنت شرید تھیں جن کو امیر معاویہ نے قید کر لیا تھا اور ایک زمانے سے وہ دمشق کے قید خانے میں محبوس تھیں۔ جس وقت عمرو کا سر ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کو ان کی زوجہ کے پاس بھیجا۔ اس مندرجہ نے جب اس سر کو دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے سکتے کا عالم طاری ہو گیا، جب ہوش آیا تو بیتا بانہ اس کو اپنی گود میں رکھا اور اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھ کر منہ کے بوسے دیے، اس کے بعد کہا: ”تم نے ایک زمانے تک مجھ کو ان سے غائب رکھا اور اب مقتول کی صورت میں تم نے میرے پاس ان کو ہدیے کے طور پر بھیجا۔“

مقبرہ:

۳۳۶ھ میں مصر کے مشہور حکمران سیف الدؤلہ کے چچا زاد بھائی ابو عبد اللہ سعید بن حمدان نے ان کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ مدتوں تک مرجع خلایق رہا، اس کی وجہ سے سنیوں اور شیعہوں میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں (اسد الغابہ ۲۹۴:۴)

شرح بن ہانی

نام و نسب:

شرح نام، کنیت ابوالمقدام، ان کے سلسلہ نسب میں ناموں کا کہیں کہیں اختلاف ملتا ہے۔ ایک روایت کی بنا پر سلسلہ نسب اس طرح ہے ”شرح بن ہانی بن یزید بن نہیک“ دوسری روایت کی رو سے ”شرح بن ہانی بن یزید بن الحارث بن کعب الحارثی“ ہے۔ (اصابہ ۲۲۳/۳)

علامہ ابن عبد البر کی نے ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل طریقوں سے لکھا ہے:-

- ۱۔ شرح بن ہانی بن یزید بن نہیک
- ۲۔ شرح بن ہانی بن یزید بن کعب المذحجی الحارثی،
- ۳۔ شرح بن ہانی بن یزید بن نہیک بن درید بن سفیان بن الضباب وهو سلمہ بن الحارث بن ربیعہ بن الحارث بن کعب الضبابی المذحجی الحارثی (استیعاب ص ۵۹۶، مطبوعہ دائرہ المعارف حیدرآباد دکن)

بہر حال آباؤ اجداد کے ناموں کا یہ اختلاف ان کی شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ کتب رجال و انساب میں بیشتر اس قسم کا اختلاف ملتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ناموں کے ضبط و حفظ میں عموماً حافظہ غلطی کر جاتا ہے۔ عرب میں اس وقت

تک چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اور واقعات کی بنیاد زیادہ تر روایت و بیان پر رکھی جاتی تھی اس لیے ایسے اختلافات کا ہونا کچھ مستبعد نہیں۔

شرح کے والد ہانی بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں تھے اور زمانہ جاہلیت میں ابوالحکم کی کنیت سے مشہور تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں ان کے آنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ یہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے، آپ کو جب ان کی کنیت معلوم ہوئی تو فرمایا ”یہ کنیت تم نے کس لیے رکھی ہے“۔ ہانی نے جواب دیا ”میں اپنی قوم کے باہمی امور میں فیصلہ کرتا ہوں اور میرا فیصلہ ان کے لیے قطعی ہوتا ہے اس لیے میں نے اپنی کنیت ابوالحکم رکھی ہے نہ اس وجہ سے کہ حکم نام کا میرا کوئی بیٹا ہے“۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ”کیا تمہارے کوئی بیٹا ہے“ ہانی نے کہا ہاں! فرمایا ”سب سے بڑے بیٹے کا نام کیا ہے“ کہا ”شرح“ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا پس آج سے تمہاری کنیت ”ابوشرح“ ہے۔ (ابن عساکر ۱/۳۱۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے معاویہ بن صالح کی روایت سے یہ روایت اس طرح لکھی ہے۔ ”وقد ابواه واخبر النبی باسم ولده“ (اصابہ ۳/۲۲۳) یعنی شرح کے والد آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے آپ نے ان کے بیٹے کے نام (شرح) سے خبر دی۔

تمام رجالین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہانی تمام مشاہد میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے (استیعاب صفحہ ۵۶۶)

صحابیت:

شرح کے صحابی رسولؐ ہونے میں محدثین میں اختلاف ہے۔ اصابتہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کے ساتھ

ہجرت نہیں کی بلکہ مدینے میں آگئے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ حافظ ابن عساکر نے اس سلسلے میں تین روایتیں لکھی ہیں۔

پہلی یہ کہ شریح نے آنحضرتؐ کا ادراک کیا لیکن ان کو دیکھا نہیں۔

دوسری روایت جو مسلم بن حجاج سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ شریح نے جاہلیت کا زمانہ پایا لیکن آنحضرتؐ سے ملاقات نہ کر سکے۔

تیسری سلیمان بن ابی شیح سے یہ ہے کہ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ (ابن عساکر ۳۱۶/۶)

ان تمام روایات کو دیکھ کر اتنا تو یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے سن رشد و بلوغ میں آنحضرتؐ کے عہد مبارک کو دیکھا لیکن ملاقات نہ کر سکے۔ بظاہر یہ امر تعجب انگیز ہے کیونکہ باتفاق مؤرخین آپ کا انتقال ۷۸ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال کی تھی اس بنا پر ہجرت کے وقت آپ کی عمر ۳۲ سال قرار پاتی ہے۔

ہجرت کے بعد ۱۱ سال تک آنحضرتؐ بقید حیات رہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اتنے طویل زمانے تک شریح کے دل میں کسی وقت بھی اپنے پیغمبر کو دیکھنے کا دلولہ پیدا نہ ہوا ہو یا ایسی کوئی ضرورت داعی نہ ہوئی ہو شریح پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے، جبکہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شریح کے باپ بھی صحابی رسولؐ تھے اور اس بنا پر ان کے کان بچپن سے اسلام سے آشنا تھے۔ لہذا استیعاب کی وہ روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے جو انھوں نے عبد اللہ بن شریح بن ہانی بن یزید الحارثی کے ذیل میں لکھی ہے:-

قدم ابولا علی النبی فسائله عن ولده

لحدیث ذکرہ ابو عمرو فی باب ابیہ

ترجمہ: عبد اللہ بن شریح کے والد (شریح بن ہانی) آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے اپنے بیٹے کی بابت ایک حدیث کے لیے سوال کیا جس کا ذکر ابو عمرو نے عبد اللہ کے باپ (شریح بن ہانی) کے باب میں کیا ہے۔

(استیعاب ۱/۳۸۶)

بہر حال ان تمام روایات و درایات کو سامنے رکھتے ہوئے شریح کے متعلق زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابی رسول تھے۔

علم و فضل:

سوادِ اعظم میں شریح کا شمار اجلہ تابعین میں ہے۔ علامہ ابن عبد البر المکی ہانی بن عروہ کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اُن کے بیٹے شریح اجلہ تابعین اور علی ابن ابی طالب کے کبار اصحاب میں تھے، اُن اصحاب میں جو آپ کے ہمراہ تمام مشاہد میں رہے ہیں۔

(استیعاب صفحہ ۵۹۶)

شریح نے اپنے والد ہانی، حضرت علی، حضرت عمر، بلال، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، ام المومنین حضرت عائشہ نیز دیگر صحابہ رسول سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں محمد و مقدم، مفعفی، حکم بن عتیبہ، مقاتل بن بشیر، یونس بن ابی اسحق اور دیگر تابعین نے روایت کی ہے (تہذیب المعجم ۳: ۳۳۰) علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں:-

ابن سعد نے ان کا ذکر طبقہ اولیٰ کے تابعین اہل کوفہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حضرت علی کے اصحاب میں تھے اور ان کے ساتھ تمام مشاہد ہیں موجود رہے

اور وہ ثقہ تھے۔ ان سے احادیث مروی ہیں۔

حسن بن حر نے قاسم بن مخیرہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ میں نے شریح سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ ان کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے نیز اثرم کا بیان ہے کہ احمد سے شریح کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ صحیح الحدیث ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں اور یہ بہت مقدم ہے نیز مروی ہے احمد کے حوالے سے ان کو ثقہ کہا ہے اسی طرح ابن معین اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ابن خراش نے ان کو صدوق کہا ہے نیز ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب العہد ۳/۲۳۰)

”مسلم نے مخضر میں ان کا ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان سے روایتیں لی ہیں“

علامہ ابن عساکر نے اس ذیل میں دو حدیثیں بھی لکھی ہیں جو شریح سے مروی ہیں:-

ترجمہ: حاکم نے شریح سے اخراج کیا ہے، ان کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ میں نے مسیح علی النخسین کے متعلق ام المومنین حضرت عائشہ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: ”علیؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اس مسئلے کو زیادہ جانتے ہیں۔“ شریح حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان سے مسئلہ مذکورہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”رسول اللہؐ ہم کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات مسیح علی النخسین کر سکتا ہے اور مسافر کے لیے تین دن کی اجازت ہے۔“ اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نے شریح سے اخراج کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آنحضرتؐ کا کیا معمول تھا آپ نے فرمایا کہ ”آپ فجر سے قبل دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد گھر سے نکل جاتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے پھر جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک کیا کرتے تھے۔“

دوسری جگہ یہ روایت اس طرح ہے:-

ترجمہ: شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا ”آپ ذرا یہ بتائیے کہ آنحضرتؐ جب مسجد سے لوٹ کر آپ کے پاس آتے تھے تو کس کام سے ابتدا کرتے تھے“ آپ نے کہا ”مسواک سے“ (تاریخ ابن عساکر ۶: ۳۱۶)

شریح کے جنگی کارنامے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریح جس طرح ایک ممتاز عابد و زاہد اور راوی حدیث تھے اُسی طرح وہ ایک نبرد آزما اور جنگجو سپاہی بھی تھے لیکن پہلی تین خلافتوں سے چونکہ ان کو اختلاف رہا اس پر اس پورے دور میں وہ کہیں نظر نہیں آتے البتہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؓ کے زمانہ خلافت میں ان کے کارنامے سامنے آتے ہیں۔ جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں فتح کا سہرا صرف دو آدمیوں کے سر رہا ہے ایک مالک اشتر دوسرے شریح بن ہانی۔

جنگِ جمل:

اس معرکے میں شریح کا کوئی کارنامہ نہیں ملتا۔ مؤرخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ جنگِ جمل میں آپ امیر المومنینؑ کے امرا لشکر میں تھے۔ (اصابہ، ۳: ۲۲۳)

جنگِ صفین:

اس جنگ میں شریح اوّل سے آخر تک امیر المومنینؑ کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ جب معاویہ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ نے کوفہ میں ابو مسعود انصاری کو اپنا نائب بنایا اور خود تخیلہ پہنچ کر لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے اس موقع پر آپ نے زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی کو بلایا اور بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کو اپنے مقدمہ لشکر پر روانہ کیا اور یہ

نصیحت کردی کہ دونوں ایک ہی راستے سے روانہ ہوں اور آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں لیکن شرح کچھ دور چل کر اپنے اصحاب سمیت زیاد سے علیحدہ ہو گئے اور امیر المومنین کو حسب ذیل خط تحریر کیا۔

شرح بن ہانی کی طرف سے بندہ خدا علی امیر المومنین کو، آپ پر سلام ہو، میں آپ کی طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اتنا بعد: زیاد بن النضر نے جس کو آپ نے، اپنے امرا میں شریک کیا ہے اور اپنے لشکر کی سرداری دی ہے، طغیان اور سرکشی پر کمر باندھ لی ہے اور غرور اور پندار نے اس کو ایسی باتوں اور ایسے کاموں کی طرف مائل کر دیا ہے جو اللہ کو کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتے، پس اگر امیر المومنین کی رائے ہو تو اس کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیں اس لیے کہ ہم لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں۔

والسلام۔

اس سے پہلے زیاد بھی شرح کی شکایت کا خط امیر المومنین کو لکھ چکا تھا، اب شرح کا خط جب آپ کو ملا تو ان دونوں خطوں کے جواب میں آپ نے حسب ذیل خط لکھا:

”میں نے اپنے مقدمہ لشکر پر زیاد بن النضر کو امیر بنا کر بھیجا ہے اور شرح بن ہانی کو اس کے ایک حصے پر سردار مقرر کیا ہے، پس اگر تم دونوں کے لشکر کسی ایک مقام پر جمع ہو جائیں تو زیاد بن النضر پورے لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر الگ الگ رہیں تو تم میں سے ہر ایک اسی حصے کا امیر ہے جس پر ہم نے اس کو افسر مقرر کیا ہے۔“

غرض کہ اس کے بعد آپ نخلیہ سے کوچ کر کے مائن میں آئے، یہاں سعد بن مسعود ثقفی (عم مختار) کو اپنا نائب مقرر کیا اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔

فراٹ پر جب پہنچے تو یہاں زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی آپ سے آکر ملائی ہوئے، امیر المومنینؑ نے ان کو پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب یہ لوگ حدود روم میں پہنچے تو ابوالاعور السلمی ایک لشکر لیے ہوئے ملا، زیاد اور شریح نے امیر المومنینؑ کو اس سے مطلع کیا، آپ نے مالک اشتر کو جانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ جس وقت تم زیاد اور شریح کے پاس جاؤ تو ان کو میمنہ و میسرہ پر مامور کرنا اور تم خود پورے لشکر کی قیادت کرنا لیکن خبردار جنگ کرنے میں اپنی طرف سے ابتدا نہ ہو جب تک فریق مقابل حملہ نہ کرے، چنانچہ مالک اشتر کے بعد زیاد اور شریح نے لشکر کا چارج ان کو دے دیا اور خود میمنہ و میسرہ پر رہے۔ (تاریخ ابن خلدون ۲: ۱۶۹ء و شرح ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷)

امیر المومنینؑ کی وصیت شریح بن ہانی کو:

جس وقت امیر المومنینؑ نے شریح کو اپنے مقدمہ لشکر کا امیر بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو ان کو حسب ذیل وصیت فرمائی۔

صبح و شام اللہ سے ڈرتے رہو اور اس بات سے خوف کرو کہ دنیا کہیں تمہارے نفس کو فریب میں مبتلا نہ کر دے اور اس سے کسی حال میں بے خوف نہ رہو اور جان لو! اگر تم اپنے نفس کو بہت سی چیزوں سے باز نہ رکھو گے جن کے نقصان کے خوف کو تم عزیز رکھتے ہو تو خواہشات تم کو نقصان کثیر کی طرف لے جائیں گی، پس اپنے نفس پر پورا پورا قابو رکھو اور بیجان غضب کے وقت اس کو توڑ مروڑ کر رکھ دو۔ (نح البلاغہ ۲: ۶۲ و ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷)

ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اس وصیت کا مخاطب زیاد بن النضر کو لکھا ہے، واللہ اعلم (ابن ابی الحدید ۱: ۱۵۷)

واقعہ تحکیم:

جنگ صفین کے بعد تحکیم کے وقت بھی شریح کی موجودگی ملتی ہے، اس موقع پر جب حضرت علیؑ نے ابو موسیٰ اشعری کو چار سو آدمی دے کر بھیجا ہے تو ان پر شریح بن ہانی ہی کو افسر مقرر فرمایا تھا اور عبد اللہ بن عباس کو امامت کے لیے مامور فرمایا تھا۔ (ابن خلدون ۲: ۱۷۷)

شریح اور عمرو العاص:

ابن خلدون میں ہے کہ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے شریح بن ہانی سے ارشاد کیا کہ عمرو بن العاص سے میری طرف سے کہہ دینا کہ ”راستی کو اختیار کرو، ایک دن تم کو مرنا ہے اور احکم الحاکمین کے رو برو جانا ہے۔“ شریح نے جب امیر المومنین کا پیغام پہنچایا تو عمرو العاص غصے سے سرخ ہو کر بولا ”تم کو مجھے مشورہ دینے کا کیا حق ہے“ شریح نے جواب دیا ”تم کو کون امر سید المسلمین امیر المومنین کی نصیحت قبول کرنے سے روک رہا ہے“ عمرو العاص نے اس کا جواب درستی سے دیا اور ان کی نصیحت پر مطلق توجہ نہ کی۔ (ابن خلدون ۲: ۱۷۷)

مورخ طبری نے اس واقعے کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جو خود شریح کی زبانی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے نصر بن صالح عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ سجستان کی لڑائی میں میں شریح بن ہانی کے ہمراہ تھا تو انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے مجھ کو کچھ کلمات کی وصیت کی تھی کہ وہ میں عمرو العاص تک پہنچا دوں آپ نے فرمایا کہ ”اے شریح جب تم اس سے ملو تو میری طرف سے یہ کہہ دینا یقیناً اللہ کے نزدیک افضل الناس وہ شخص ہے جس کو حق پر عمل کرنا محبوب ہے اگرچہ بمقتضائے بشریت باطل اس عمل کی عزت و قدر میں کمی بیشی کر دے نیز

یہ بھی فرمایا کہ اے عمر قسم بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ حق کا مقام کہاں ہے۔ تم ذرا سی لالچ میں جان بوجھ کر جا مل بن رہے ہو اور اس کی وجہ سے اللہ اور اس کے دوستوں کے دشمن بن رہے ہو قسم بخدا جو کچھ تمہیں دیا جا رہا ہے وہ جلد ہی زائل ہونے والا ہے۔ خبردار ظالم و خائن کے مددگار نہ ہونا“ (طبری ۹/۶، ۳۹۱، ۳: ۱۴۲)

آگاہ ہو جاؤ کہ میں تمہارے اس آنے والے دن سے اچھی طرح واقف ہوں کہ جس دن تم نادم ہو گے اور وہ تمہاری موت کا دن ہے۔ اس روز تم یہ کہو گے کہ کاش میں نے کسی مسلمان کی دشمنی کو اپنا شیوہ نہ بنایا ہوتا اور فیصلے پر رشوت نہ لی ہوتی۔

شرح ابن ہانی نے جناب امیر المومنینؑ کا یہ پیغام عمرو عاص کو پہنچا دیا جس پر وہ غصے سے سرخ ہو گئے اور نہایت تیزی سے بولے ”میں نے کب علیؑ کا مشورہ قبول کیا اور کب ان کے حکم کو مانا اور ان کی رائے پر اعتماد کیا“۔ شرح نے کہا ”اے نابغہ کے بیٹے تم کو اپنے مولیٰ اور مسلمانوں کے سردار کی نصیحت قبول کرنے سے کون سا امر مانع ہے یہ وہ شخص ہیں جن کی رائے پر حضرت ابو بکر و عمر جو تم سے کہیں بہتر و افضل تھے عمل کرتے رہے“ عمرو العاص نے کہا کہ ”تم مجھ سے بات کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے“۔ شرح نے جواب دیا۔

”تم کس بات پر اتنا تنفہ ہو، تم کو اپنے باپ پر فخر ہے یا ماں پر، باپ تمہارے کمینے لوگوں میں تھے“۔

شرح کی وصیت ابو موسیٰ اشعری کو:

ابن قتیبہ لکھتا ہے: جس وقت ابو موسیٰ مجلس حکمین کے لیے روانہ ہوئے تو شرح بن ہانی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حسب ذیل وصیت کی:-

اے ابو موسیٰ! آپ ایک ایسے عظیم امر کے لیے مقرر کیے گئے ہیں جس کے بگڑ جانے پر کوئی تدارک نہیں ہو سکتا اور جس کو بغیر سوچے سمجھے طے نہیں کیا

جاسکتا۔ آپ جو بات بھی کہیں خواہ اپنے خلاف ہو یا موافق! اس کی سچائی ثابت ہو اور اس کی درستی پر غور کر لیا گیا ہو، اگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور یہ سمجھ لیجئے کہ اگر معاویہ کا تسلط ہو گیا تو اہل عراق باقی نہیں رہ سکتے برخلاف اس کے اگر علیٰ حاکم ہو گئے تو اہل شام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور جیسی کہ کوفہ اور جمل کے ایام میں آپ کی طرف سے تعویق عمل میں آئی اگر اب بھی یہی صورت ہوئی تو جس خطرے کا گمان ہے وہ یقین بن جائے گا اور امید کی جو ایک جھلک نظر آتی ہے وہ ناامیدی سے بدل جائے گی۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:-

ابا موسیٰ ، رُضیت بشر خصم
 فلا تضع العراق (فدتک نفسی)
 واعط الحق شأهمم وخُده
 فانّ اليوم فی جہل کأمس
 وانّ عذابیّی بما علیہ
 کذالك الدھر من سعد و نحس
 ولا یخدعک عمرو ، انّ عمرا
 محمد والله مطلع کلّ شمس
 له خدع یحار العقل منها
 مموهة مزخرفة بلبس
 فلا تجعل معاویة بن حرب
 کشیخ فی الحوادث غیر نکس
 هذه الله للاسلام فرداً

سوئی عرس النبی ، وائی عرس

(شرح ابن ابی الحدید: ۱۰۷، کتاب الامتہ والیاست ۱۲۷)

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے بھی ان کو سمجھایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے عین مجلس حکمین میں ان کو رائے دی کہ پہلے عمرو العاص کو اپنا فیصلہ سنانے دیجئے لیکن انھوں نے نہ مانا اور بالآخر عمرو عاص کے دھوکے میں آ گئے!

(ابن خلدون ۱۷۲:۲)

مؤرخین کا بیان ہے کہ جس وقت عمرو العاص نے اپنا فیصلہ سنایا ہے تو عبداللہ بن عباس اور سعد، ابو موسیٰ کو ملامت کرنے لگے۔ ابو موسیٰ نے معذرت کی کہ میں کیا کرتا مجھ سے عمرو بن العاص نے ایک امر پر اتفاق کیا لیکن اس سے بد عہدی کر گیا، پھر عمرو العاص سے مخاطب ہو کر کہا: ”اللہ تجھے ہدایت دے تو نے مجھ سے ایک بات طے کی اور پھر اس کے خلاف کیا، تیری مثال بعینہ اس کتے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے اور دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے“ عمرو العاص نے جواب دیا، ”تیری مثال گدھے کی ہے جو بار برداری کرتا ہے“ شریح نے عمرو بن العاص پر تلوار اٹھائی۔ عمرو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا لیکن لوگ درمیان میں پڑ گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ (ابن خلدون ۱۷۲:۲)

طبری میں یہ روایت اس طرح ہے کہ شریح نے عمرو عاص کے کوڑا مارا جس کے جواب میں ان کے بیٹے نے بھی شریح کے کوڑا مارا لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ شریح اس کے بعد کہا کرتے تھے: ”مجھے اب تک اس کی ملامت ہے کہ میں نے بجائے کوڑے کے تلوار کا وار کیوں نہیں کیا کہ ایک ہی ہاتھ میں خاتمہ کر دیتا“۔ (طبری ۴۰:۶ و کامل ۱۴۴:۳)

غرض کہ ابو موسیٰ مجلس حکمین سے نکل کر مکہ چلے گئے اور عمرو بن العاص مع اہل

شام کے شام کی طرف واپس ہوئے۔ ابن عباس اور شریح امیر المومنین کی خدمت میں آئے اور کل ماجرا بیان کیا۔ (ابن خلدون ۲: ۱۷۸)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سے امیر المومنین جب نماز فجر پڑھتے تھے تو کہا کرتے تھے:

بار الہا! معاویہ، عمرو العاص، حبیب، عبدالرحمن بن مغلہ اور ضحاک بن قیس اور ولید اور ابوالاعور پر لعنت کر۔ (ابن خلدون ۲: ۱۷۸)

ابو مریم سعدی:

۳۸ھ میں ابو مریم سعدی تیبی کوفے پر چڑھائی کرنے کی غرض سے روانہ ہوا، امیر المومنین کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شریح ہی کو سات سو سواروں کے ہمراہ اس کے مقابلے کو روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں بہت تھے مگر بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف ”۲۰۰“ آدمی رہ گئے، شریح نے ان ہی کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ (طبری ۶: ۱۵۱)

حجر بن عدی اور شریح بن ہانی:

مغیرہ بن شعبہ کے بعد زیاد کوفے کا گورنر ہو کر آیا تو اس وقت شریح کوفے ہی میں موجود تھے چنانچہ حجر بن عدی کے خلاف جب گواہیاں لکھی گئی ہیں تو شریح کو بھی بلا کر گواہی دینے کے لیے مجبور کیا گیا۔ شریح نے اس موقع پر ہمت کے ساتھ انکار کر دیا لیکن اس انکار کے باوجود بھی فرضی طور پر ان کا نام لکھ لیا گیا۔ شریح کو جب یہ معلوم ہوا، تو سر دربار انھوں نے زیاد کو ملامت کی اور کاذب کہا۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نجی طور پر معاویہ کو ایک خط بھی لکھا جس میں انھوں نے پوری طرح حقیقت حال کا اظہار کر دیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ

جب وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب، حجر اور ان کے ساتھیوں کو لے کر چلے ہیں تو غریبن کے مقام پر شریح بن ہانی نے وائل کو ایک خط دیا اور کہا کہ یہ خط اپنے امیر کو پہنچا دینا۔ خط کی عبارت یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بندہ خدا معاویہ امیر المومنین کو شریح بن ہانی کی طرف سے، اتابعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف گواہوں میں میرا نام بھی لکھا ہے حالانکہ حجر کے بارے میں میری شہادت یہ ہے کہ وہ نماز گزار ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، حج اور عمرہ بجالاتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں، ان کا مال اور جان حکومت کے لیے حرام ہے۔ اب خواہ آپ انھیں چھوڑ دیں یا قتل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ شریح کا یہ خط معاویہ پر اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خط اگر معاویہ کو نہ ملتا تو ایک قانونی عذر ان کی طرف سے یہ پیش کیا جاسکتا تھا کہ ان کے سامنے جو شہادتیں گزریں ان سے وہ اس قتل پر مجبور ہوئے جیسا کہ بعد میں انھوں نے حضرت عائشہ سے یہی عذر کیا ہے کہ میں نے حجر کو قتل نہیں کیا بلکہ جنھوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں وہ اس کے ذمے دار ہیں لیکن یہ صرف ایک ہارے کا ہتھیار ہے۔ اصل حقیقت کا علم انھیں شریح کے خط سے ہو چکا تھا۔

غزوہٴ سحستان:

جب ۷۸ھ یا ۷۹ھ میں حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ (عامل سحستان) کو رمیل کی مہم پر بھیجا تو شریح اس کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ رمیل سے مسلمانوں کی صلح تھی لیکن کچھ دنوں سے اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا جس پر حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو حکم دیا کہ تمہارے پاس جتنی فوج ہے اسے لے کر رمیل کی سرکوبی کے لیے جاؤ۔ عبید اللہ کو فے اور بصرے کے تمام مسلمانوں کو

لے کر روانہ ہو گیا۔ شریح بن ہانی اہل کوفہ کے سردار تھے اور عبید اللہ بن ابی بکرہ بصرہ والوں کا اس لیے ان دونوں فوجوں کے سر عسکر یہی تھے۔

عبید اللہ اس مہم کے لیے روانہ ہو گیا اور رحیل کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کی فوج نے جس میں ترک تھے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں مسلسل پیچھے ہٹتے چلے گئے اور علاقوں پر علاقے خالی کر دیے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج بہت دور تک چلی گئی جہاں سے ترکوں کا دار الخلافہ صرف ۱۸ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اب ترکوں نے مسلمانوں کو پہاڑوں کے دڑوں اور پُر پیچ گھاٹیوں میں گھیر لیا اور تمام تجارتی منڈیاں اور قصبات مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم ان پہاڑوں میں گھر چکے ہیں اور ہلاکت یقینی ہے۔ اس خطرے کو محسوس کر کے عبید اللہ نے شریح بن ہانی سے کہلا بھیجا کہ میں ترکوں سے اس شرط پر صلح کیے لیتا ہوں کہ انھیں کچھ روپیہ دے دیا جائے اور وہ ہمیں اس حصار سے نکل جانے دیں۔ چنانچہ عبید اللہ نے سات لاکھ درہم تاوان دے کر صلح کر لی۔ اس کے بعد شریح سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا۔ کہ جس قدر تاوان تم نے دیا ہے۔ امیر اسے تم لوگوں کی تنخواہ سے وضع کر لیں گے۔

شہادت:

اب شریح نے کہا کہ ”میری عمر پوری ہو چکی ہے، میرے لیے زندگی کا کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ جو گھڑی پیش آتی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی میری عمر کا آخری لمحہ ہے۔ میں ایک مدت سے شہادت کا آرزو مند ہوں اور اگر آج بھی مجھے شہادت نصیب نہ ہوئی تو میں سمجھوں گا کہ پھر یہ درجہ مجھے کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد شریح نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لاکاراکہ دشمن پر حملہ کرو“۔

عبید اللہ نے کہا کہ ”تم بوڑھے ہو کر سٹھیا گئے ہو“ شرع نے جواب دیا کہ ”اب تم میرے درمیان میں نہ بولو، تم کو یہ پسند ہے کہ لوگ تذکرہ کریں کہ یہ عبید اللہ کا باغ ہے اور یہ ان کا حمام ہے“۔ اس کے بعد شرح نے تمام مسلمانوں کو متوجہ کر کے کہا کہ ”تم میں سے جو شخص درجہ شہادت حاصل کرنا چاہے وہ میری طرف آجائے“ اس جنگ میں تقریباً تمام مسلمان کام آگئے۔ شرح بھی نہایت بہادری کے ساتھ دیر تک لڑتے رہے اور آخر میں شہید ہوئے۔

اولاد:

شرح کی اولاد کا تفصیلی تذکرہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا البتہ کتب رجال میں صرف تین بیٹوں کا پتہ چلتا ہے محمد، مقدم، عبد اللہ..... ان میں مقدم مشہور راوی حدیث ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔

مقدم بن شرح بن ہانی بن یزید حارثی کوئی، انھوں نے اپنے باپ اور قمبر مسروق کی زوجہ سے روایت حدیث کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے یزید اور اعش اور اسرائیل اور شعبہ اور ثوری اور عبد الملک بن ابی سلیمان نیز قیس بن ربیع اور مسعر اور شریک نے احمد اور ابو حاتم اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے نیز ابو حاتم نے ثقہ کے ساتھ صالح بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے اور یعقوب بن سفیان نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔

ابو عاصم رفاعہ بن شداد الجلی

نام و نسب :

رفاعہ نام، ابو عاصم کنیت، کونے کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ”رفاعہ بن شداد بن عبد اللہ بن اقیس الفتیانی الجلی“۔

روایت حدیث :

رفاعہ کا تذکرہ تاریخ میں اگرچہ ایک بہادر جنگ جو سپاہی کی حیثیت سے آتا ہے لیکن بہ حیثیت راوی حدیث ہونے کے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

رفاعہ نے عمرو بن الحمق سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے عبد الملک بن عمیر نے اور اسمعیل بن عبد الرحمن السدی اور بیان بن بشر و ابو عکاشہ ہمدانی وغیرہ نے۔ نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں نیز ابن حبان نے بھی ان کا شمار ثقہ میں کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو قتل کر دے جس نے اس کو جان سے امان دی ہو تو خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔ (تہذیب العذیب ۲۸۱:۳)

رفاعہ کی سیاسی زندگی:

رفاعہ کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور امام حسن علیہما السلام کے مخلص اصحاب اور ان کے شیعوں میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ۴۰ھ تک ان کا کوئی حال نہیں ملتا ہے البتہ اس کے بعد آپؑ حجر بن عدی کے رفقا میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ زیاد جب کوفے کا گورنر ہو کے آیا ہے اور اس کو ان رؤسا کی فکر ہوئی جو حجر کے اصحاب میں تھے تو رفاعہ بن شداد اور عمرو بن الحمق پوشیدہ طور پر کوفے سے نکل گئے اور مدائن جا پہنچے لیکن زیاد کے آدمی وہاں بھی پہنچ گئے۔ مجبوراً وہاں سے بھی چل پڑے اور موصل آ گئے۔ یہاں آ کر یہ دونوں ایک پہاڑ کے دامن میں چھپے رہے۔ اس گاؤں کے عامل کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ دو شخص یہاں چھپے ہوئے ہیں تو اسے ان پر اشتباہ ہوا۔ چنانچہ یہ اپنے ہمراہ کچھ سوار اور اہل شہر کو لے کر پہاڑ کی طرف آیا۔ ان دونوں نے جب ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو پہاڑ سے نکل آئے۔ عمرو بن الحمق کو استسقا کا مرض تھا اور پیٹ میں پانی اتر آیا تھا اس بنا پر وہ تو اپنے کو نہ بچا سکے البتہ رفاعہ بن شداد ایک تو مند جوان تھے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور عمرو بن حمق سے کہا کہ ”میں تمہاری طرف سے لڑتا ہوں“ انھوں نے کہا کہ ”تمہارے لڑنے سے مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہو سکے تو اپنی جان بچا کر نکل جاؤ“ رفاعہ نے نہایت بہادری کے ساتھ حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر نکل گئے۔ ان کے تعاقب میں عبداللہ بن ابی مجعہ نے سواروں کو چروانہ کیا۔ لیکن یہ ایک بہترین قدر انداز تھے۔ جو سوار قریب پہنچتا تھا۔ تیر مار کر اسے زخمی کر دیتے تھے یا اس کے گھوڑے کو بیکار کر دیتے تھے۔ بالآخر ناامید ہو کر یہ سب لوگ پلٹ آئے، اس طرح رفاعہ نے اپنی جان بچائی۔ (تاریخ طبری ۱۴۸/۶)

اس کے بعد دس سال تک ان کے حالاتِ زندگی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ۶۰ھ میں ان کا وجود پھر کوفہ میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یزید کی تخت نشینی پر جب سلیمان بن صرور فزاعی کے مکان میں شیعیانِ کوفہ کا اجتماع ہوا اور آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ امام حسینؑ کو کوفہ بلانے کے متعلق ایک خط لکھا جائے تو ان خط لکھنے والوں میں رفاعہ کا نام بھی ہے۔ خط کی عبارت یہ ہے:-

اس کے بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام تک تاریخ آپ کے ذکر سے بالکل خالی ہے۔ معلوم نہیں کن ناگزیر حالات..... کی بنا پر واقعہ کربلا میں شرکت نہ کر سکے۔ امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے بعد جب شیعیانِ کوفہ کو اس کا موقع ملا کہ وہ مجتمع ہوں۔ اس وقت کوفہ کے رؤسائے شیعہ میں سے جن پانچ شخصوں کی طرف یہ لوگ رجوع ہوئے ان میں رفاعہ بن شداد بھی ہیں۔ مؤرخین نے اس موقع پر حسب ذیل ناموں کی تشریح کی ہے۔ (طبری ج ۶: ۱۹۷)

سلیمان بن صرور صحابی رسولؐ، مسیب بن نجہ فزاری (صحابی امیر المومنین) عبد اللہ ازدی، عبد اللہ تیمی، رفاعہ بن شداد الجہلی۔

اس جلسے میں مسیب کے بعد رفاعہ نے حسب ذیل خطبہ دیا تھا۔

ترجمہ: اے مسیب! یقیناً اللہ نے نہایت مناسب اور درست بات تمہاری زبان سے کہلوائی۔ تم نے فاسقین سے جہاد اور گناہِ عظیم سے توبہ کی طرف بلایا جو سب سے بہتر کام ہے۔ تمہاری بات قابلِ سماعت اور تمہارا قول ماننے کے قابل ہے۔ تم نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے میں سے ہم کسی کو اسیر بنا لیں جس سے رجوع کرتے رہیں۔ اور جس کے علم کے نیچے سب جمع ہو جائیں۔ یہی رائے ہم لوگوں کی بھی تھی۔ پس اگر وہ شخص تم ہوتے تب بھی ہمارے نزدیک یہ امر پسندیدہ ہوتا کیونکہ ہم تم کو اپنا ہی خواہ اور مخلص سمجھتے ہیں۔ اور اپنی جماعت میں دوست تصور

کرتے ہیں۔ اب اگر تمہاری اور ہمارے ساتھیوں کی یہ رائے ہے کہ سلیمان بن صرد خزاہی کو امیر بنایا جائے تو یہ بھی مناسب ہے۔ یقیناً وہ شیخ شیعہ اور صحابی رسولؐ اور صاحب سبقت و تقدم ہیں اور اپنی دین داری اور سطوت و بزرگی میں سب سے بہتر ہیں۔ (کامل ۴: ۶۷)

جنگ عین الوردہ:

یہاں سے رفاعہ بن شداد برابر سلیمان بن صرد کے ہمراہ نظر آتے ہیں چنانچہ مقام عین الوردہ پر سلیمان بن صرد نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے جو تقریر کی ہے اس کے آخر میں انھوں نے یہی کہا ہے کہ میں قتل ہو جاؤں تو مسیب سب کے امیر ہیں، مسیب کے بعد عبد اللہ بن سعد، وہ بھی کام آجائیں تو عبد اللہ بن وال، ان کے بعد رفاعہ بن شداد سب کے رئیس ہوں گے۔ (کامل ۴: ۷۶)

اس جنگ میں رفاعہ نے نہایت بہادری دکھائی۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجہ جب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو لوگوں نے عبد اللہ بن وال کو پکارا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ ایک گروہ کو لیے ہوئے الگ جنگ کر رہے ہیں۔ اس وقت رفاعہ نے پوری قوت کے ساتھ اہل شام پر حملہ کیا اور ان کو منتشر کر کے علم اٹھالیا اور دیر تک جنگ کرتے رہے۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم میں سے جو ایسی زندگی چاہتا ہے جس کے بعد موت نہیں، ایسی راحت جس کے بعد تکلیف نہیں، ایسی خوشی جس کے بعد غم نہیں، اسے چاہیے کہ ان محلین کے ساتھ جنگ کر کے اللہ کی قربت حاصل کرے اور جنت میں داخل ہو جائے۔

یہ عصر کے وقت کا واقعہ ہے، اس کے بعد رفاعہ اور ان کے اصحاب نے حملہ کر کے کئی آدمیوں کو قتل کیا اور دشمنوں کو مار کر ہٹا دیا لیکن اہل شام نے ہر طرف سے ان

پر زغہ کر کے دھاوا بول دیا اور مارتے مارتے پھر اسی مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ پہلے تھے اور وہ ایسی جگہ تھے جہاں سے وہ صرف ایک ہی طرف سے جاسکتے تھے۔

عبداللہ بن دال کی شہادت:

شام کے وقت ادہم بن محرز الباہلی اہل شام کے لشکر کو لیے ہوئے عبداللہ بن دال کے سامنے پہنچا۔ اس وقت وہ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا الایۃ۔

ابن محرز کو یہ سن کر غصہ آیا اور نیزے کا وار کر کے ان کو قتل کر دیا۔

رفاعہ کی قیادت لشکر:

عبداللہ بن دال کی شہادت کے بعد لوگ رفاعہ بن شداد کے پاس گئے اور کہا۔ اب علم لشکر آپ لے لیجیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ”اب ہم کو واپس چلنا چاہیے ممکن ہے خدا ہم کو پھر ان لوگوں کی مصیبت کے دن جمع کر دے۔“

عبداللہ بن عوف بن احمر نے کہا۔

”خدا کی قسم اگر ہم یہاں سے ٹلے تو ہلاک ہو جائیں گے

اور وہ لوگ ہمارے کاندھوں پر چڑھ بیٹھیں گے اور اگر ہم میں سے کوئی بچ رہا تو اہل شام اس کو گرفتار کر لیں گے اور اس کے ذریعے سے وہ ان لوگوں کے یہاں تقرب حاصل کریں گے۔

نتیجے میں وہ بھی سختی سے مارا جائے گا۔ یہ دیکھو آفتاب غروب ہونے والا ہے، ہم اس وقت اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کریں گے اور جب اندھیرا ہو جائے گا تو شروع رات میں سوار ہو کر روانہ ہو جائیں گے اور آہستہ آہستہ چلیں گے تاکہ ہم میں

سے ہر شخص اپنے دوسرے زخمی شخص کو اٹھالے۔ اس سے ہم یہ سمجھ لیں گے کہ واپسی کے لیے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔“
 رفاعہ نے کہا۔ ”تمہاری رائے بالکل درست ہے۔“ یہ کہہ کر انھوں نے علم اٹھا لیا اور نہایت شدت کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت:

عبداللہ بن عزیز الکنانی جو رفاعہ کے پرجوش ساتھیوں میں تھے آگے بڑھے اور اہل شام سے لڑنا شروع کیا، ان کا صغیر بن بیتا محمد بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے اہل شام میں سے کچھ لوگوں کو جو بنو کنانہ تھے آواز دی اور اپنے لڑکے کو ان کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے کوفہ پہنچا دیں۔ اہل شام نے ان کو بھی پناہ دینی چاہی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور لڑتے لڑتے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبداللہ بن عزیز کنانی کی شہادت کے بعد شام کے وقت کرب بن یزید الحمیری اپنے ساتھ ایک سو آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور شدت کے ساتھ حملہ کرنا شروع کر دیا۔ ابن ذی الکلاع حمیری نے ان کی برادری کے تمام ساتھیوں کے لیے امان پیش کی مگر ان سب نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا۔

”ہم دنیا میں بالکل امان میں تھے۔ اب ہم صرف امانِ آخرت کی تلاش میں نکلے ہیں۔“

غرض کہ وہ سب بھی لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

اس کے بعد صخر بن ہلال المزنی بنو مزینہ کے تیس آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے مارے گئے۔ جب شام ہو گئی تو اہل شام اپنی چھاؤنی کی طرف گئے۔ رفاعہ نے دیکھنا شروع کیا کہ جس جس کا گھوڑا اس کی ران کے نیچے مر گیا ہو یا زخمی ہو گیا ہو اس شخص کو دوسرے آدمی کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ یہ

انتظام کر کے اپنے تمام آدمیوں کو ہمراہ لے کر اسی رات کو وہاں سے واپس ہو گئے۔ صبح کو حصین نے رفاعہ کے مقابلے کو جانا چاہا مگر ان کو نہ پا کر واپس ہو گیا۔ اہل کوفہ وہاں سے روانہ ہو کر قریسیا آئے یہاں زمز نے ان کو اپنے یہاں اقامت کی دعوت دی۔ چنانچہ تین روز ان لوگوں نے وہاں قیام کیا اور کچھ زادِ راہ لے کر پھر کوفہ روانہ ہو گئے۔

سعد بن حذیفہ کی روانگی:

سعد بن حذیفہ بن یمان کو جب خبر پہنچی تو وہ اہل مدائن کی ایک فوج لے کر میدانِ جنگ کی طرف چلے مگر ہیت میں اپنے آدمیوں کی شکست کی خبر سن کر واپس ہو گئے۔ راستے میں ان کو مثنیٰ بن خرمۃ العبدی ملے جو اہل بصرہ کو لیے ہوئے آرہے تھے۔ سعد نے ان کو پورا حال سنایا۔ چنانچہ یہ دونوں اپنے ہمراہیوں سمیت رفاعہ کے آنے تک وہاں ٹھہرے رہے رفاعہ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے دور سے انکا استقبال کیا۔ اور ایک دوسرے سے مل کر روئے۔ یہ سب لوگ وہاں ایک دن اور ایک رات مقیم رہے۔ اس کے بعد متفرق ہو گئے۔

رفاعہ اور مختار:

رفاعہ جب کوفہ پہنچے تو مختار قید میں تھے، انھوں نے وہیں سے حسب ذیل خط رفاعہ کے نام لکھا۔

”انا بعد! مرحبا ہے ان لوگوں کے لیے کہ جن کی واپسی پر بھی خدا ان کو اجرِ عظیم عطا کرتا ہے اور قتل ہوئے بھی وہ ان سے راضی ہوتا ہے۔ قسم ہے ربِّ کعبہ کی کہ تم میں سے کوئی چلنے والا ایک قدم بھی نہیں چلا اور زمین بلند پر نہیں چڑھا مگر یہ کہ اس کے

لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ سلیمانؑ پر جو فرض تھا وہ ادا کر گئے۔ خدا نے ان کو اٹھالیا، ان کی روح دیگر انبیاء و صدیقین اور شہدا کی ارواح کے درجے میں ہے، اب تمہارا ایسا کوئی شخص باقی نہیں ہے جس سے تم مدد لے سکو مگر میں امیر مامور اور امین مامون ہوں، جبار بن کو قتل کرنے والا اور دشمنانِ دین سے بدلہ لینے والا ہوں لیکن یہاں مقید ہوں اس لیے تم تیار ہو جاؤ اوروں کو تیار کرو نیز آئندہ کے متوقع حالات سے خوش ہو جاؤ۔ میں تم کو کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ، طلبِ خونِ اہل بیتؑ، ضعف کی جانب سے مدافعت اور محکمین سے جہاد کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ والسلام

رفاعہ کے پاس یہ خط پہنچا تو انھوں نے ثقی بن خرمہ العبدی، سعد بن حذیفہ، یزید بن انس، احمر بن حمیط، حمسی، عبد اللہ بن شداد الجملی اور عبد اللہ بن کامل کو پڑھ کر سنایا ان سب کی یہ رائے ہوئی کہ ابنِ کامل کو مختار کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا جائے کہ ہم سب تمہارے ساتھ رہنے کو تیار ہیں۔ اگر چاہو تو ہم تم کو قید سے چھڑالیں لیکن مختار خود ہی کچھ دنوں کے بعد رہا کر دیے گئے۔

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی:

مختار کے کوئے پر قابض ہونے تک رفاعہ برابر ان کے ساتھ رہے لیکن ۶۶ھ میں جب وہ خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے کھڑے ہوئے اور مؤرخین کی تصریح کے مطابق انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں محمد بن الحنفیہ کا وکیل اور سفیر ہوں تو رفاعہ ان سے الگ ہو گئے اور صرف الگ ہی نہیں بلکہ اس گروہ میں شامل ہو گئے جو مذکورہ سبب سے ان سے برسرِ پیکار تھا جس کے سردار شیش بن ربیع، محمد بن

اشعث، عبدالرحمن بن سعید بن قیس، عبدالرحمن بن مخنف ازدی تھے۔ چنانچہ یہ سب لوگ جب بنو سمیع کے قبیلے میں جمع ہوئے تو اس وقت ان میں اختلاف ہوا کہ امامت کون کرے، عبدالرحمن بن مخنف ازدی نے رفاعہ بن شداد کو امامت کے لیے منتخب کیا جس پر سب راضی ہو گئے۔

مختار نے ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جو تم چاہو گے وہ میں کرنے کے لیے تیار ہوں، انھوں نے جواب دیا کہ ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے الگ ہو جاؤ کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ مجھ کو محمد حنفیہ نے بھیجا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ مختار نے کہلا بھیجا کہ اگر تم کو اس میں تردد ہے تو اپنی طرف سے ان کے پاس ایک وفد روانہ کر دو یہاں سے میں بھی کچھ لوگوں کو بھیجتا ہوں، مؤرخ کامل اس موقع پر لکھتے ہیں کہ ”اس جواب سے مختار کا مقصد یہ تھا کہ جب تک ابراہیم بن مالک اشتر پہنچیں اس وقت تک معاملے کو التوا میں رکھا جائے لیکن وہ لوگ راضی نہ ہوئے اور جنگ چھڑ گئی۔“

رفاعہ کی مختار سے علیحدگی اس بنا پر توجیح ہو سکتی ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ محمد حنفیہ کے وکیل اور سفیر ہیں لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس گروہ کا ساتھ دیا جس کی اکثریت ہو اخواہان عثمان اور دشمنان اہل بیت پر مشتمل تھی تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ یقیناً رفاعہ کی یہ ایک بہت بڑی لغزش تھی جو ان کے تمام گزشتہ کارناموں پر پانی پھیر رہی تھی لیکن توفیق الہی نے عین وقت پر ان کی دستگیری کی اور ان کی وہ تلوار جو ابھی ابھی مختار اور ان کے ساتھیوں کے لیے تیز ہو رہی تھی خود اپنی ہی جماعت پر پلٹ پڑی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ اثنائے جنگ میں جس وقت مختار کے آدمیوں نے بنو سمیع کے قبیلے میں پہنچ کر پکارا۔ ”اے حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ!“ یزید

بن عمیر بن ذی العمران ہمدانی نے اس آواز کو سنا تو اس نے بھی پکار کر کہا۔ ”اے عثمان کے خون کا بدلہ لینے والو آؤ“ رفاعہ جو اس وقت تک ان کی طرف سے جنگ کر رہے تھے یہ سن کر پلٹ پڑے اور کہا ”ہم کو عثمان سے کیا واسطہ، میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہو کر نہیں لڑوں گا جو عثمان کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں۔“ اس پر ان کی جماعت کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ”تم ہم کو یہاں تک لائے اور ہم نے تمہاری اطاعت کی اور جب وہ وقت آیا کہ ہماری قوم پر تلوار چلا چاہتی ہے تو تم نے ساتھ چھوڑ دیا۔“ رفاعہ نے یہ سنا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے انھیں کی طرف پلٹ پڑے۔

انا ابن شداد علی دین علی

لست لعثمان بن اروئی بولی

لا صلیٰ الیوم فیمن یصطلی

بحزنا والحرب غیر مؤتلی

ترجمہ: میں ابن شداد ہوں اور علی کے دین پر ہوں، عثمان بن اروئی کا دوست نہیں ہوں! میں آج بے فکر ہو کر آتش جنگ میں جلنے والوں کے ساتھ جلوں گا۔
دیر تک بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ بالآخر شہادت پائی۔

صیفی بن فسیل شیبانی

آپ کو نسل الربعی شیبانی بھی کہا جاتا ہے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب اور فداکاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی زندگی حضرت عثمان کے زمانہ خلافت تک بالکل معرضِ خفا میں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر نے ان کے تذکرے کے ذیل میں حسبِ ذیل روایت لکھی ہے۔

حافظ اور بیہقی اور ابن سعد نے قوادۃ سے روایت کی ہے، انھوں نے ابوالملیح ہذلی سے، ان کا بیان ہے کہ حکم بن ایوب نے مجھ کو شہبابتِ عمیر شیبانیہ کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے شوہر صیفی بن فسیل کی فدا اسل سے خبر مرگ آئی تھی۔ جس کے بعد اس نے عباس بن طریف قیسی سے نکاح کر لیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر (صیفی) آگیا، اس نے کہا کہ اب ہم عثمان بن عفان کے پاس آئے، انھوں نے غور سے دیکھا اور کہنے لگے کہ اس حال میں میں تمہارے درمیان کس طرح فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم آپ کے ہر فیصلے پر راضی ہیں۔ پس انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے شخص کو اختیار ہے کہ وہ خواہ زیرِ مہر واپس لے لے یا اپنی عورت کو لے لے۔ پس اس نے مہر لینا منظور

کیا۔ شبیہ کا بیان ہے کہ اس نے مجھ سے دو ہزار روپے لے لیے۔ یہ وہ مہر تھا جو عموماً عورتوں کا باندھا جاتا تھا۔ ابن سعد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ یہ دو ہزار دوسرے سے لے کر دیے گئے۔ اس کے بعد روایات متفق ہیں۔ چنانچہ لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی ایک اُمّ وُلد بھی تھی جس نے ان کے بعد شادی کر لی تھی اور اس شوہر سے اس کے کئی بچے بھی ہوئے۔ پھر حضرت علیؑ نے اس اُمّ وُلد اور اس کے بچوں کو پہلے مالک کی طرف پلٹایا اور بچوں کے باپ سے فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو ان بچوں کو قیمت ادا کر کے چھڑا لے۔ سعید بن ابی عروبہ کا بیان ہے کہ مجھ سے بھی ایوب نے ایسی ہی بات بیان کی تھی مگر ایوب نے یہ کہا تھا کہ حضرت نے اس کنیز کے بچوں کو ان کے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ (ابن عساکر ۶: ۴۵۷)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گمنامی میں گزرا کہ ان کے اہل و عیال تک کو ان کی خبر نہ تھی اور وہ اپنے خیال میں ان کو مردہ سمجھ چکے تھے۔ البتہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے زمانے میں اور اس کے بعد آپؑ کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ صفین کے بعد امیر المومنینؑ نے جب دوبارہ اہل شام سے جنگ کرنا چاہی ہے اس وقت آپ کے اصحاب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اہل کوفہ اس پر مصر تھے کہ پہلے خوارج سے جنگ کی جائے۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر ایک خطبہ دیا۔ اس وقت صفی بن فیل کھڑے ہو گئے۔ طبری میں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر صفی بن فیل کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا امیر المومنینؑ ہم آپ کی جماعت ہیں اور آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے دشمنوں کے دشمن، جو آپ کے مطیع و فرمان بردار ہیں ان کے دوست ہیں، پس آپ ہم کو اپنے دشمن کی طرف خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں بھی ہوں انشاء اللہ کی تعداد اور

ضعف نیت آپ کو نقصان نہ پہنچائے گا۔

اس کے بعد صفی بن فہیل حجر بن عدی کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ زیاد نے جب حجر کے اصحاب کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے تو قیس بن عباد شیبانی نے زیاد سے آکر کہا کہ ایک شخص ہم میں سے بنی ہام کا ہے جسے صفی بن فہیل کہتے ہیں، اصحاب حجر کے سرگروہوں میں ہے اور سب سے زیادہ تمہارا دشمن ہے۔ زیاد نے ان پر دوڑ بھیجی، لوگ ان کو پکڑ کر زیاد کے پاس لے آئے۔ اس موقع پر زیاد سے ان کا حسب ذیل مکالمہ ہوا جس کو ہم تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ (طبری، ۶: ۴۵)

زیاد:- اے دشمن خدا ابوتراب کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صفی:- میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔

زیاد:- تو خوب جانتا ہے۔

صفی:- میں نہیں جانتا۔

زیاد:- کیا علی بن ابی طالب کو تو نہیں جانتا؟

صفی:- ضرور جانتا ہوں۔

زیاد:- وہی تو ابوتراب ہیں۔

صفی:- ہرگز نہیں، وہ تو ابوالحسنؑ اور ابوالحسینؑ ہیں۔

ایک درباری:- امیر تو انھیں ابوتراب کہتا ہے اور تو کہتا ہے نہیں۔

صفی:- یہ کیا ضروری ہے کہ امیر جھوٹ بولے تو میں بھی جھوٹ بولوں اور امر

ناحق پر دلی گواہی دوں جیسی امیر نے دی۔

زیاد:- (غصہ ہو کر) قصور اور اس پر زباں درازی! لاؤ تو میرا عصا! (ایک

غلام نے عصا لا کر دیا) اب بتا علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

صیفی :- بندگانِ خدا میں سے کسی بندہٴ مومن کی نسبت جیسی میری رائے ہونی چاہئے اس سے بڑھ کر ہے۔

یہ جواب پا کر زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ عصا لے کر اس کے شانوں پر اس قدر مارو کہ زمین پر لوٹنے لگے، آخر صدماتِ ضرب سے زمین پر گر پڑے۔ اب زیاد نے مار کو موقوف کرنے کا حکم دیا اور پوچھا۔

زیاد :- اب بتا علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

صیفی :- واللہ! اگر تو میری بوٹیاں بھی اڑا دے گا جب بھی اس کے سوانہ کہوں گا جو تو سن چکا۔

زیاد :- تجھ کو علیؑ پر لعنت کرنا پڑے گی۔ نہیں تو گردن مار دی جائے گی۔

صیفی :- واللہ! میری یہی خواہش ہے کہ اس سے پہلے میری گردن مار دی جائے۔

اگر تو ایسا کرے گا تو میں حکمِ خدا پر راضی ہو جاؤں گا۔ اور تو شقاوت میں مبتلا ہوگا۔

یہ سن کر زیاد نے حکم دیا کہ ان کو بیڑیاں پہنا کر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔

(تاریخ طبری ۶: ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶: ۸)

اس کے بعد حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ کچھ دن

مرجِ عذراء میں قید رہے۔ اس کے بعد قتل کر دیے گئے۔

بنی شیبان کے ایک شاعر نے صیفی کی شہادت پر حسب ذیل تین شعر کہے

ہیں۔ جن میں بنی ہند کو قیس بن عباد پر ابھارا ہے۔

دعی ابن فسیل یا ال مرة دعوة

ولاقی ذباب السیف کفا و معصبا

فحرض بنی ہندا ذا مالقیلم

وقل لغیاث وابنه یتکلبا

لقبک بنی ہند فتیلہ مثل ما بکت عرس صیفی و تبعث مائماً

جناب صیفی بن فسیل قبیلہ ربیعہ کی شاخ بنو شیبان سے تعلق رکھتے تھے بڑے جیلے اور مضبوط انسان تھے جام محبت امیر المومنین علیہ السلام پی کر ہمہ وقت مست رہتے تھے علامہ مامقانی اپنے رجال جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب اور معتمد تھے اور علامہ برقی تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت کا شرف بھی حاصل تھا ان کے فضل و شرف کے لیے یہ کافی ہے کہ یہ جناب حجر بن عدی کے ساتھیوں میں تھے اور جو رائے جناب حجر کی تھی اسی کے مالک یہ بھی تھے جناب حجر کے ساتھ جن بارہ افراد کو زیاد نے گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجا تھا ان میں جناب صیفی بھی داخل تھے اور ان میں جن افراد کی شہادت مقام مرج عذرا میں واقع ہوئی ان میں بھی ان کا شمار ہے۔ جناب حجر بن عدی اور ان کے رفقا جب زیاد کی قید سے چھٹ کر روپوش ہو گئے اور ان کی گرفتاری شروع ہوئی تو قبیسہ بن ضبیعہ بن حرمہ عسی کی گرفتاری کے بعد قیس بن عباد و شیبائی نے زیاد سے آکر بیان کیا کہ ہمارے قبیلہ بنو ہام میں صیفی بن فسیل ایک شخص ہے جو رسوا اصحاب حجر بن عدی میں داخل ہے وہ آپ کو بہت دشمن رکھتا ہے زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا چنانچہ جناب صیفی گرفتار کر کے لائے گئے زیاد نے کہا اے دشمن خدا تو ابوتراب کے بارے میں کیا کہتا ہے جناب صیفی نے جواب دیا کہ میں ابوتراب کو نہیں جانتا ہوں زیاد نے کہا وہی تو ابوتراب ہیں جناب صیفی نے جواب دیا ہرگز نہیں وہ ابوالحسن و احسین ہیں کو تو اس شہر نے کہا امیر کہہ رہا ہے کہ وہی ابوتراب اور تم اس سے انکار کر رہے ہو جناب صیفی نے کہا کہ اگر امیر جھوٹ بولے تو کیا میں بھی جھوٹ بولوں

اور امیر کی طرح جھوٹی گواہی دوں (مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا) زیاد نے کہا تمہارے گناہ کے ساتھ ایک اور گناہ کا اضافہ ہو گیا اچھا چھڑی لاؤ جب چھڑی آگئی تو زیاد نے کہا اچھا اب بتاؤ علی بن ابی طالب کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب صفی نے جواب دیا کہ بہتر سے بہتر جو بات میں کہہ سکتا ہوں وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے لیے کہتا ہوں علی علیہ السلام تو خدا کے مومن بندوں میں سے ایک بزرگ تھے زیاد نے حکم دیا کہ ان کے شانے پر اتنی چھڑیاں ماری جائیں کہ یہ زمین پر لیٹ جائیں چنانچہ ان کو اتنی چھڑیاں ماری گئیں کہ فرش زمین ہو گئے زیاد نے حکم دیا ان کو کھڑا کرو جب زمین سے اٹھا کر کھڑے کئے گئے تو زیاد کہنے لگا اب تم علی کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب صفی نے کہا خدا کی قسم اگر تو مجھے استرے اور چھڑی سے چھیل ڈالے جب بھی وہی کہوں گا جو تو نے مجھ سے ابھی ابھی سنا ہے زیاد نے کہا اچھا علی پر لعنت کرو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا جناب صفی نے کہا اے زیاد خدا کی قسم مجھے علی کو برا بھلا کہنے سے پہلے ماری ڈال اور اگر تو میری گردن ہی اڑانا چاہتا ہے تو میں اس پر بھی خدا سے راضی و خوشنود ہوں لیکن توشقی و بد بخت ہو جائے گا۔ زیاد نے حکم دیا کہ ان کو گردن میں ہاتھ دے کر نکال دو اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو لوہے میں اچھی طرح جکڑ کے قید خانے میں ڈال دو۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۳۹)

چنانچہ یہ زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیے گئے اور جب جناب حجر ایک مخصوص محضر کے ساتھ روانہ کئے گئے تو ان کے ساتھ یہ بھی تھے اور انھیں کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبدالرحمن بن حسان عنزی

حجر کے اصحاب میں تھے۔ جس وقت یہ مرج عذرا پہنچے ہیں اور معاویہ کے آدمیوں نے ان سے تبراً کرنے کو کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو امیر المومنین کے پاس بھیج دیا جائے اور جو کچھ وہ علیؑ کے بارے میں کہلوانا چاہتے ہیں کہہ دیں گے۔ چنانچہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس موقع پر معاویہ سے ان کا جو مکالمہ ہوا ہے وہ ان کی حق گوئی اور جرأت و ہمت کی یادگار مثال ہے۔

معاویہ :- اے اخوربیعہ! علیؑ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمن :- یہ تذکرہ جانے دیجیے، بہتر ہے کہ یہ بات مجھ سے نہ پوچھیے۔

معاویہ :- جب تک تم یہ نہ بتاؤ گے میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں۔

عبدالرحمن :- میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ بہت زیادہ ذکرِ خدا کرنے والے اور حق کا

حکم دینے والے، انصاف قائم کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے تھے۔

معاویہ :- اچھا! عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

عبدالرحمن :- انھوں نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کے دروازوں کو ہلا ڈالا۔

یہ سن کر معاویہ نے کہا کہ تُو نے خود اپنے کو قتل کیا اور میں نے بھی تجھ کو قتل کیا۔

اس وقت بنی ربیعہ کا کوئی شخص موجود نہ تھا کہ ان کے بارے میں سفارش کرتا۔

معاویہ نے ان کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور حسب ذیل مضمون کا خط لکھا۔
 انا بعدہ معلوم ہو کہ تمہارے بھیجے ہوئے لوگوں میں سب سے بدتر یہ عنزی
 ہے۔ اس کو ایسی سزا دے جس کا وہ اہل ہے اور بہت بری طرح قتل کر۔

زیاد کے پاس جب یہ پہنچا تو اس نے ان کو قس عطف میں بھیج کر زندہ گڑوا دیا
 (کال ۳: ۲۰۸، طبری ۶: ۱۵۵)

جس وقت عنزی اور کریم بن عقیف خشمی کو معاویہ کے پاس لے جانے لگے
 ہیں تو عنزی نے حجر کی طرف خطاب کر کے کہا ”اے حجر! خدا آپ پر رحم کرے،
 آپ کتنے اچھے برادر ایمانی تھے۔“

اتنے میں ان دونوں کو لے کر لوگ دور نکل گئے۔ جب تک سامنا رہا حجر ان کی
 طرف دیکھتے رہے پھر کہا ”دوستوں کے تعلقات قطع کرنے کے لیے موت کافی ہے۔
 (طبری ۶: ۱۵۵)

جناب عبدالرحمن جناب حجر بن عدی کے ہم مسلک اور ساتھی تھے اور انھیں
 کے ساتھ جرم محبت امیر المومنین علیہ السلام میں گرفتار کر کے شام روانہ کئے گئے
 جب یہ قافلہ شام پہنچا اور مقام عذراء میں جو دمشق سے دو فرسخ دور تھا ٹھہرایا گیا تو
 معاویہ نے ان لوگوں کے پاس ہدیہ بن فیاض قضاعی حسین بن عبداللہ کلابی اور
 ابو شریف ہدی کو سمجھانے بجانے کے لیے شام کے وقت روانہ کیا ان میں ایک
 شخص یک چشم تھا رفقاء حجر میں سے کریم بن عقیف خشمی نے ایک یک چشم کو بھی
 آتے دیکھ کر کہا کہ ہم میں سے نصف قتل کیے جائیں گے نصف کو نجات مل جائے
 گی سعد بن نمران جو جرم محبت کے گرفتاروں میں داخل تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے
 پالنے والے مجھے نجات مل جائے لیکن تو راضی و خوشنود رہے اور عبدالرحمن بن
 حسان نے کہا کہ پالنے مجھے تو معزز و محترم قرار دے اور ان کو ذلیل و رسوا کر اور تو

مجھ سے راضی رہے پالنے والے میں نے بسا اوقات اپنے کو ہلاکت میں ڈالا ہے لیکن ہوا وہی جو تُو نے چاہا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پیامبر آگئے اور معاویہ کا یہ حکم ان لوگوں کو سنایا (فلاں فلاں) چھ آدمی رہا کیے جاتے ہیں اور (فلاں فلاں) آٹھ آدمی قتل کیے جائیں گے اس کے بعد دوسرے دن بعد نماز صبح قتل ہونے والوں میں سے ایک ایک آدمی کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ چھ آدمی جام شہادت پی کر راہی جنت ہو گئے۔ اور صرف عبدالرحمن بن حسان اور کریم بن عقیف باقی بچے ان لوگوں نے قاصدوں سے کہا کہ ہم لوگ علی بن ابی طالب کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو معاویہ کہتا ہے پیامبروں نے ان کی گفتگو معاویہ کے پاس کہلا بھیجی معاویہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ یہ دونوں بزرگوار معاویہ کے پاس آئے جب سامنے پہنچے تو کریم بن عقیف جمعی نے کہا کہ اے معاویہ خوفِ خدا کرے تو بھی اس خالی گھر سے آخرت کے باقی گھر جائے گا تجھ سے ہمارے قتل کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ معاویہ نے کہا اچھا یہ بتاؤ تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو کریم نے جواب دیا جو تم کہتے ہو وہی میں کہتا ہوں معاویہ نے کہا علیؑ جس دین پر تھے اس سے رات کرتے ہو کریم نے یہ سوال سن کر کچھ جواب نہیں دیا معاویہ نے بھی یہ پسند نہیں کہا کہ وہ جواب دیں الغرض اپنے بعض اعضاء کی سفارش سے وہ اس شرط سے رہا کر دیے گئے کہ کوفہ واپس نہ جائیں۔

معاویہ اس کے بعد جناب عبدالرحمن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ آئے قبیلہ ربیعہ کے فرد تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمن نے کہا اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہ کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے معاویہ نے کہا بتانا پڑے گا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمن نے کہا جب حضرت علیؑ کے

متعلق اظہار خیال ضروری ہے تو سنو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ ذکر خدا بہت کرتے تھے حق کا حکم دیتے تھے عدل و انصاف کو قائم کرتے تھے لوگوں کی خطائیں معاف کرتے تھے معاویہ نے کہا عثمان کے متعلق کیا کہتے ہو جناب عبدالرحمن نے کہا عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ظلم کا دروازہ کھول دیا حق کا دروازہ بند کیا معاویہ نے کہا عبدالرحمن تم نے اپنے کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمن بولے نہیں میں نے تجھ کو قتل کیا الغرض معاویہ نے عبدالرحمن کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور اسے تحریر کیا کہ تو نے جتنے افراد کو یہاں بھیجا تھا ان میں سب سے زیادہ برے عبدالرحمن ہیں اس لیے جس سزا کے یہ مستحق ہیں ان کو وہ سزا دے اور ان کو بری طرح قتل کر جب عبدالرحمن زیاد کے پاس لائے گئے تو اس نے ان کو مقام فس ناطف بھیج دیا اور زندہ قبر میں دفن کر دیا۔

جناب عبدالرحمن اور کریم جب معاویہ کے پاس عذراء سے لے جائے جا رہے تھے تو جناب عبدالرحمن نے جناب حجر بن عدی سے کہا کہ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے بارگاہ قدسی میں رکھے آپ بہترین اسلامی بھائی تھے۔

(طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۵۴ تا ۱۵۵ سے بعض حصے حذف کے بعد لیا گیا)

قبیصہ بن ضبیعہ عبسی

حجر بن عدی کے اصحاب اور ان کے پُر جوش حامیوں میں تھے، جنگ نہروان میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھے۔ جب خارجیوں سے مقابلہ ہوا ہے اور انھوں نے یزید بن قیس کو لکار کر کہا ہے لا حکم الا للہ تو عباس بن شریک اور قبیصہ بن ضبیعہ العبیدان نے ان کو جواب دیا اور کہا یا اعداء اللہ الیس فیکم شریح بن اوفی المسرف علی نفسہ ہذا انتم الاشبہاء (طبری ۶: ۴۹)

زیاد نے جب اصحاب حجر کو گرفتار کرنا شروع کیا ہے تو قبیصہ بن ضبیعہ کے پاس اپنے صاحب شرطہ شداد بن بشم کو بھیجا۔ قبیصہ نے اپنی قوم والوں کو پکارا اور تلواریں سونت لی۔ ربیع بن خراش عبسی اور کچھ لوگ ان کی قوم کے آپہنچے۔ یہ کچھ زیادہ نہ تھے، قبیصہ لڑنے پر آمادہ ہو گئے، صاحب شرطہ نے کہا تم کو جان و مال کی امان دی گئی ہے پھر کیوں خود کو ہلاک کرتے ہو، یہ سن کر ان کے ساتھی بھی کہنے لگے کہ صاحب شرطہ صحیح کہتا ہے اب اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ قبیصہ نے کہا۔ خدا تم کو قتل دے یہ آیا لگایا ہوا پسر فاحشہ اگر میں اس کے ہاتھ آ گیا تو ہر گز بچ نہیں سکتا۔ یہ ضرور مجھے قتل کرے گا۔ انھوں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ قبیصہ نے

مجبوراً اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ زیاد کے آدمی ان کو لیے ہوئے زیاد کے پاس چلے۔ جب سامنا ہوا تو زیاد نے کہا، واللہ میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ یہ فتنہ و فساد اٹھانا اور حاکموں پر حملہ کرنا سب بھول جائے گا۔ قبیصہ نے کہا میں تو امان پا کر چلا آیا ہوں، زیاد نے حکم دیا کہ اس کو زندان میں ڈال دیا جائے۔

(طبری ۶: ۱۳۹ و انانی ۱۶: ۸)

جس وقت حجر اور ان کے اصحاب کو زیاد کے سپاہی لے کر چلے ہیں اور قیدیوں کا یہ قافلہ حملہ عزم تک پہنچا تو قبیصہ نے اپنے گھر کی طرف ایک نظر کی۔ دیکھا کہ ان کی لڑکیاں ایک بلندی سے اپنے باپ کو دیکھ رہی ہیں۔ قبیصہ نے زیاد کے سپاہیوں سے کہا کہ مجھے اتنی اجازت دو کہ اپنے عیال کو وصیت کر لوں۔ اجازت ملنے پر یہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ لڑکیاں رو رہی ہیں کچھ دیر یہ خاموش رہے۔ اس کے بعد ان کو تسلی دلا سادے کر خاموش کیا۔ جب سب خاموش ہو گئے تو حسب ذیل وصیتیں کیں۔

ترجمہ: اللہ عز و جل سے ڈرو اور صبر کرو! میں اپنے اس سفر میں دو باتوں میں سے ایک کی ضرورت امید کرتا ہوں، یا تو شہادت! اور یہ بہت بڑی سعادت ہے یا خیر و عافیت کے ساتھ واپسی اور سنو جو تم کو رزق دیتا تھا اور تمہاری پرورش میں میرا مددگار رہتا تھا وہ اللہ تعالیٰ ہے، وہ زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں، مجھے امید ہے کہ وہ تم کو ضائع نہ ہونے دے گا اور تمہارے سلسلے میں میرا لحاظ کرے گا۔

یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے اور اپنی برادری والوں کی طرف سے گزرے، سب لوگ ان کو دیکھ کر ان کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ قبیصہ نے کہا۔ ”مجھے جتنی اپنی جان عزیز ہے اتنا ہی اپنی قوم کی ہلاکت کا خیال ہے۔ اس وقت قبیصہ کو کچھ یہ امید ہوئی کہ یہ لوگ مجھ کو چھڑا لیں گے۔ (طبری ۶: ۶۵۱)

جناب حجر بن عدی کو اسیر و مقید کرنے کے بعد زیاد بن ابیہ نے ان کے رفقاء کی گرفتاری شروع کی اور ان حضرات نے چھپنا شروع کیا ان میں سے جو ملتا تھا اسے قید خانہ میں بند کر دیتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے پولیس کے افسر شداد بن ہشام کو جناب قبیصہ کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا جناب قبیصہ نے اپنے قبیلہ والوں کو آواز دی اور خود تلوار لے کر مقابلہ میں آگئے۔ آپ کے بلانے پر ربیع بن حراش اور ان کے قبیلہ کے کچھ اور لوگ امداد کے لیے آگئے اور جنگ کا ارادہ کیا شداد نے جب یہ کیفیت دیکھی تو قبیصہ سے کہا آپ زیاد کے پاس چلیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی جان اور مال محفوظ رہے گا آخر آپ کیوں اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرتے ہیں اور ان کے ساتھیوں نے بھی کہا کہ جب امان دی جا رہی ہے تو ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جیئے اور ہمیں بھی ہلاکت سے بچائیے۔ جناب قبیصہ نے کہا حرامزادہ ہے اگر میں اس کے قبضہ میں پہنچ گیا تو پھر کہیں بھاگ کر نہیں جاسکوں گا قید کر دے گا یا قتل کر دے گا۔ قبیلہ والوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا ہے بالآخر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا وہ لوگ ان کو لے کر زیاد کے پاس آئے۔ زیاد نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ بہت سے قبیلہ ہیں جو عنقریب مجھے دین کے سبب سے تعزیت دیں گے (زیاد نے یہ جملہ تعریض کے طور سے زبان پر جاری کیا تھا) قبیصہ آگاہ ہو کہ میں عنقریب تم کو فتنوں میں پڑنے اور حکام کے خلاف شور و غل کرنے سے غافل اور بے پرواہ کروں گا۔ جناب قبیصہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں یہاں امان پانے کے بعد آیا ہوں۔ زیاد نے حکم دیا ان کو بھی قید خانہ میں بند کر دیا جائے۔ (طبری جلد ۶، صفحہ ۱۴۹)

زیاد نے جب حکم دیا کہ ان جانبازوں کو شام لے جایا جائے تو زیاد کو اندیشہ

تھا کہ مبادا اہل کوفہ پھر ان لوگوں کو آزاد کرالیں اس لیے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب کو حکم دیا کہ ان سب حضرات کو راتوں رات شہر سے باہر پہنچا دیا جائے۔ جب ان کو سواری حبانہ عرزم پہنچی تو قبیسہ جن کا گھر بھی وہیں واقع تھا اپنے گھر کو دیکھا اتفاقاً ان کی نظر اپنی لڑکیوں پر پڑی جو مکان کے اوپر سے اس دردناک منظر کو دیکھ رہی تھیں قبیسہ نے پہرے داروں سے اجازت لی کہ میں اپنے اہل عیال کو وصیت کر دوں لڑکیوں کے پاس گئے تو انھوں نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا قبیسہ نے انھیں خاموش کیا اور کہا کہ تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو اس لیے کہ میں خدا سے اس راہ میں دو حسنت میں سے ایک کی اُمید رکھتا ہوں شہادت یا خیریت سے تم لوگوں کے پاس واپسی رہے تمہارے ضروریات تو جواب تک تم کو رزق دیتا تھا۔ وہ اللہ ہے جو زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی مجھے اُمید ہے کہ وہ تم کو ضائع و برباد نہ کرے گا۔ اور تمہارے لیے میری حفاظت کرے گا یہ کہہ کر وہاں سے واپس ہوئے۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۱۵۲)

عاصم بن عوف بحلی

ابن عوف بخلی کے نام سے مشہور ہیں، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے شیعوں میں ہیں، آپ کا شمار راویان حدیث میں ہے۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ آپ نے ابوامامہ بابلی، عمیر مولیٰ..... اور عمرو بن شرجیل سے احادیث کی روایت کی ہے۔ چنانچہ ابواسحاق سمعی اور دیگر محدثین نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔ ابوزرعہ سے جب عاصم کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا ”هو صدوق“ (ابن عساکر ۷: ۱۲۹)

روى عنه طارق بن عبد الرحمن الجبلى وابو اسحاق
السبيعي وشعبة ومالك بن مغول و حجاج بن ارطاة
وغيرهم قال يحيى بن معين كان كوفياً قدم الشام وقال
ابو حاتم صدوق يحول من كتاب الضعفاء يعنى الذى
للبخارى وذكره ابن حبان فى الثقات وروى له ابن حبان
فى الثقات وروى له ابن حبان فى الثقات وروى له ابن
ماجة حديثاً واحداً فى فضل صلوة الرجل فى بيته قلت
قال البخارى لم يثبت حديثه وذكره العقيلي فى الصعفا
(تهذيب التهذيب ٥: ٥٥)

سعید بن نمران الہمدانی الناعلی

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں ہیں نیز طبری کی تصریح کے مطابق آپ کے کاتب بھی رہ چکے تھے۔ ابن عساکر نے ان کو تابعین اہل کوفہ سے لکھا ہے۔

(تاریخ ابن عساکر ۶: ۱۱۴)

ابن سعد نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے: سعید بن نمران، علیؑ کے اصحاب میں تھے، آپ نے ان کو عبید اللہ بن العباس بن عبد المطلب کی ہمراہی میں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۵۶)

اس کی تائید سید رضی جامع نفع البلاغہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ انھوں نے ایک خطبے کے ذیل میں لکھا ہے:-

”جس وقت معاویہ کے اصحاب کی یورش کی خبریں امیر المومنینؑ کو پہنچی ہیں اور بُسر بن ارطاة نے یمن کے عامل عبید اللہ بن العباس اور سعید بن نمران پر قابو پالیا۔ تو یہ دونوں حضرات امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے، اس وقت آپ اپنے اصحاب کے جہاد سے جی چرانے پر بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

أُنْبِئْتُ بُسْرًا قَدْ أَطْلَعَ عَلَى الْيَمَنِ --- الخ

حجر بن عدی کے ہمراہ ان کو بھی زیاد نے گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجا تھا لیکن حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے۔ (ابن عساکر ۶: ۱۱۴)

ان کے ایک بیٹے مسافر بن سعید مختار کے اصحاب میں تھے۔ چنانچہ مختار نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص بن عمر کے سرکاٹ کر ان ہی کے ہاتھ محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۵۶ و طبری)

ربیعہ بن ناجد ازدی

تابعین اہل کوفہ سے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ربیعہ بن ناجد ازدی، ان کو الاسدی الکوفی بھی کہا جاتا ہے، انھوں نے علی بن ابی طالبؑ، ابن مسعود، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور ان سے ابو صادق ازدی نے! کہا جاتا ہے کہ یہ ابو صادق ان کے بھائی تھے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن ماجہ میں ان سے ایک حدیث اقامت حدود کے بارے میں مروی ہے۔ اور دوسری خصائص میں علیؑ کی فضیلت میں۔ عجل نے ان کو کوفی تابعی اور ثقہ کہا ہے اور ذہبی کی تحریر میں نے پڑھی جو اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ (تہذیب التہذیب ۳: ۳۶۳)

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا تو حجر بن عدی محلہ ازد میں پہنچ کر ان ہی کے گھر میں پناہ گیر ہوئے تھے اور ایک دن رات وہاں قیام کیا۔ (طبری ۶: ۱۴)

عبدالرحمن بن محرز الکندی لطمی

حجر کے سرگرم حامیوں میں تھے۔ جنگ صفین میں امیر المومنین کی طرف سے شریک تھے۔ طبری میں ہے کہ جنگ میں اہل شام کا ایک شخص جب مبارز طلب ہوا ہے تو اس کے مقابلے کو یہی عبدالرحمن بن محرز گئے ہیں۔ دونوں میں دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے شامی پر حملہ کیا اور اس کی گردن پر نیزے کا وار کر کے نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد جب قریب پہنچے تو اس کے ہتھیار اور زرہ اتاری۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ ایک مرد جوشی تھا۔ کہنے لگے۔ اٹا اللہ لمن اخطرت نفسی لعبد اسود (طبری ۶: ۱۶)

زیاد نے جب حجر بن عدی کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا اس وقت یہ ان کے ہمراہ تھے۔ جب زیاد کے سپاہی قریب آپہنچے تو عبدالرحمن بن محرز نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک گھٹنے تک ان کا مقابلہ کیا۔ بعد میں بچ کر نکل گئے۔ (طبری ۶: ۱۴)

عبیدہ بن عمرو بدی

بنو بد کے ایک معزز فرد تھے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں :-

عبیدہ نہایت دلیر اور بہت عمدہ شاعر تھے۔ اور تشیع اور حضرت علیؑ کی محبت میں نہایت شدید اور غالی تھے۔ (کامل)

نجر بن عدی کے پرجوش حامیوں میں تھے۔ زیاد نے جب حجر کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا ہے تو اس وقت یہ حجر کے ہمراہ تھے۔ جب اس کے سپاہی قریب پہنچ گئے تو عبیدہ بن عمرو بدی نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔ اس ہنگامے میں وہ زخمی بھی ہوئے۔ (طبری ج ۲)

مختار جب قاتلانِ حسینؑ کے انتقام کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے تو راستے میں جب بنو بد کی طرف سے گزرے تو عبیدہ بن عمرو البدی سے ملاقات ہوئی، مختار نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ ”نصرت اور فتح تم کو مبارک ہو تم ابو عمرو ہو اور بہت اچھی رائے رکھتے ہو، خدا تمہارے کسی گناہ کو لگائے نہیں رکھے گا بخش دے گا۔“ عبیدہ نے کہا ”خدا تم کو بھی اچھی خوشخبریاں سنائے لیکن تم ہمارے لیے واپس آؤ گے، کہا ہاں مجھ سے آج رات کو ملنا اس کے بعد جب وہ اپنے گھر چلے گئے تو شیعہ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اسمعیل بن کثیر اور اس کے بھائی اور

عبیدہ بن عمرو بھی آئے، مختار نے ان سے سلیمان بن مرد کا حال دریافت کیا انھوں نے بتلایا کہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر اپنا مقصد ان پر ظاہر کیا اور ان سے امداد کا طالب ہوا چنانچہ سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (ابن اثیر واقعات ۶۴ ص ۵)

ارقم بن عبد اللہ الکندی

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ تابعین اہل کوفہ سے ہیں۔ حجر بن عدی کے ہمراہ جن بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے مرج عذرا بھیجا گیا ان میں آپ کا نام بھی ملتا ہے لیکن نبائل بن حجر کی سفارش سے چھوڑ دیے گئے۔ (ابن عساکر جلد ۲)

ورقاء بن ستمی الجلی

امیر المومنین علی بن ابی طالب کے اصحاب میں ہیں، جنگ صفین میں ان کے ہمراہ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حکیم کے اقرار نامے پر گواہوں میں آپ کا نام بھی ملتا ہے۔ (طبری ۲۰/۶)

صعصعہ بن صوحان العبدي

نام و نسب :

صعصعہ نام، کنیت ابو عمر اور ابو طلحہ، قبیلہ عبدالقیس کی ایک معزز اور نمایاں فرد تھے سلسلہ نسب اس طرح ہے :-

صعصعہ بن صوحان حجر بن الحارث بن ہجر ص بن صیرہ بن حدرجان بن عساس بن لیث بن حداد بن ظالم بن دھل بن عجل بن عمرو بن ودیعہ بن اقصی بن عبدالقیس بن اقصی بن دغی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار (طبقات ابن سعد: ۶: ۱۵۴)

اسلام :

صعصعہ کی زندگی کا یہ پہلو بالکل تاریکی میں ہے کہ وہ کب اسلام لائے؟ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ صعصعہ عہد رسالت ہی میں اسلام کے شرف سے بہرہ انداز ہو گئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہیں کی، نہ آپ کو دیکھا :- (استیعاب: ۱: ۵۴۲)

علم و فضل :

صعصعہ اپنی قوم، قبیلہ عبدالقیس کے سرداروں میں تھے۔ ابن عبدالبر نے ان

کے تذکرے میں لکھا ہے مصعب نہایت فصیح، مقرر عاقل و زیرک، زباں آور، متدین فاضل اور بلیغ تھے، ان کا شمار اصحاب علی میں ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ مصعب اور زید اور یحجان، پسران صوحان، عبد القیس کے خطبا میں تھے۔

(استیعاب: ۱: ۵۴۲)

ان کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو آپ کی فصاحت و بلاغت اور مختلف علوم سے بہرہ وافر حاصل ہوا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس، باوجود اپنے تبحر علم کے ان کو ”باقر علم العرب“ کہا کرتے تھے (مرؤج الذهب ۲: ۶۴) امام شعبی جن کا شمار آئمہ حدیث میں ہوتا ہے مصعب کے حلقہ تلامذہ میں تھے ان کا مشہور قول ہے، کنت اتعلم منه الخطب (تہذیب التہذیب ۳: ۴۲۲) میں (مصعب) سے خطبے سیکھا کرتا تھا:۔ مصعب نہ صرف ایک عالم اور خطیب تھے بلکہ راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:-

مصعب نے حضرت عثمان، حضرت علیؓ اور ابن عباس سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے ابوالحق سبعی، ابن بریدہ، شعبی، مالک بن عمیر اور نہال بن عمرو وغیرہ ہیں ابن سعد کا قول ہے۔ مصعب ثقہ مگر قلیل الحدیث تھے، ابن حبان نے بھی ثقافت میں ان کا ذکر کیا ہے اور عبداللہ بن بریدہ نے سنن ابی داؤد میں ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب، ۳: ۴۲۲)

حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔ مصعب ثقہ اور معروف تھے

ابن عساکر نے مصعب کے ذکر میں مذکورہ بالا اقوال ہی کو نقل کیا ہے اور ان سے مروی حسب ذیل تین احادیث بھی نقل کی ہیں جو انھوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ ہم ریشم سے کسی چیز میں کوئی فائدہ حاصل کریں۔

(۲) اور حافظ نے بطریق ابی شیبہ، اُن (صعصعہ) سے علی ابن ابی طالب کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ فرماتے تھے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چکنی مٹی کے کوزوں، شراب سازی کے ظروف، نبیذ خرما اور جو کی شراب، سونے کی انگوٹھی ریشم پہننے اور کمان لگانے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) اور حافظ نے اپنی اسناد کے ساتھ صعصعہ سے، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، بیشک بیان میں جادو ہے اور شعر میں حکمتیں اور طلب علم میں جہل اور قول میں عاجزی ہے۔ (تاریخ ابن عساکر ۶: ۲۲۳)

صعصعہ اور حضرت عمر:

صعصعہ چونکہ عہد رسالت ہی میں اسلام لے آئے تھے اس لیے انھوں نے چاروں خلفائوں کا زمانہ دیکھا لیکن ان کے حالات سے تاریخ اتنی خاموش ہے کہ اسلام لانے کے وقت سے حضرت ابوبکر کے زمانے تک ان کی زندگی بالکل تاریکی میں ہے، البتہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ان کا ایک واقعہ ملتا ہے جس کو ابن عبد البر نے ”استیعاب“ میں اس طرح نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جو حضرت عمر کی طرف سے کوفے کے گورنر تھے، مرکزی حکومت کو کچھ مال بھیجا جو ایک لاکھ درہم کی شکل میں تھا، حضرت عمر نے وہ سب روپیہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا لیکن کچھ درہم اس میں سے باقی رہ گئے، اس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کہاں صرف کیے جائیں، حضرت عمر یہ دیکھ کر منبر پر گئے اور خطبہ پڑھنے کے بعد کہا۔ اے

مسلمانو! جان لو کہ تمام لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد تھوڑا سا مال باقی رہ گیا ہے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مصعصہ اس زمانے میں بالکل نو عمر تھے، نور اکھڑے ہو گئے اور کہا۔ اے امیر المومنین! مشورہ اس امر میں طلب کرنا چاہئے جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم موجود نہ ہو لیکن وہ امور جن کی بابت قرآن میں صاف و صریح احکام موجود ہوں اور اللہ نے اس کے موافقے بھی معین فرمادے ہوں تو ان کو اسی محل پر رکھو جس محل پر اللہ نے رکھا ہے، حضرت عمر نے کہا ”تم سچ کہتے ہو مصعصہ! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، یہ کہہ کر وہ بقیہ مال بھی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا (استیعاب: ۵۴۲)

عہد عثمانی:

مصعصہ بدو فطرت سے ایک بے باک اور حق گو طبیعت لے کر آئے تھے، ان کا یہ جو ہر عہد میں نمایاں رہا ہے، خصوصاً حضرت عثمان کے زمانے میں جب کہ تمام قلمرو اسلامی پر بنی اُمیہ کا تسلط تھا، مصعصہ کے لیے خاموش بیٹھنا ناممکن تھا اس لیے یہ پورا دور ان کے لیے ابتلا و آزمائش کا دور ہے۔

اس عہد کا سب سے پہلا واقعہ وہ ہے جس کو شیخ الطائفہ نے امالی میں خود مصعصہ کی زبانی روایت کیا ہے۔

مصعصہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک مصری وفد کے ہمراہ حضرت عثمان کے پاس گیا، ان کو جب ہمارے آنے کی اطلاع ہوئی تو کہلا بھیجا آپ لوگ اپنے کسی نمائندہ کو بھیج دیں جو مجھ سے بات چیت کر سکے۔ مشورے کے بعد لوگوں نے مجھ ہی کو اس کے لیے انتخاب کیا، میں جب پہنچا تو مجھ کو دیکھ کر حضرت عثمان نے کہا۔ ”یہ نو عمر لڑکا مجھ سے کیا بات چیت کرے گا“، میں نے جواب دیا، ”امیر المومنین! علم اگر عمر پر موقوف ہے تو پھر نہ میرے لیے اس میں سے کچھ

حصہ ہے نہ آپ کے لیے لیکن علم سیکھنے پر ہے۔“ حضرت عثمان میرے اس جواب پر قائل ہوئے اور کہا! ”اچھا، جو کچھ کہنا ہو کہو!“ میں نے یہ آیت پڑھی:-

”بسم الله الرحمن الرحيم۔ ان مکتلہم فی الارض، اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر ولتلعاقبۃ الامور۔“

(ترجمہ)۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم! اگر ہم ان کو زمین میں حکمین عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کر دیں گے اور زکوٰۃ دیں گے، اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور کا انجام ہے۔

حضرت عثمان نے کہا۔ ”یہ آیت تو ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے“ میں نے کہا ”تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کیوں نہیں ادا کرتے“، حضرت عثمان نے کہا! اس کو چھوڑو اور آگے بڑھو! اس پر میں نے یہ آیت سنائی۔

”بسم الله الرحمن الرحيم! الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حقّ الا ان یقولوا ربنا اللہ“

(ترجمہ)۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم! وہ لوگ جو اپنے شہروں سے نکالے گئے ہیں بغیر کسی حق کے بجز اس کے کہ وہ یہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہے۔

حضرت عثمان بولے۔ ”یہ آیت بھی ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے“ میں نے جواب دیا۔ ”اچھا تو جو کچھ آپ نے اللہ کے مال میں سے لیا ہے وہ ہم کو عطا کیجئے“ اس پر حضرت عثمان برہم ہو کر بولے۔

”اے لوگو! تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ کا تھا جماعت پر ہے اور فرد واحد کے ساتھ شیطان ہے، پس اس شخص کی بات پر کان مت دھرو یقیناً یہ شخص نہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کون ہے؟ اور اللہ کہاں ہے؟“

میں نے پلٹ کر جواب دیا۔ ”امیر المومنین! آپ کا قول کہ تم پر سننا اور اطاعت کرنا ہے پس آپ اس سے یہ چاہتے ہیں کہ کل ہم یہ کہیں، ”رہنا اطعنا سادتنا و کیداءنا فاضلونا السبیل“ (اے ہمارے رب۔ ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کی اطاعت کی، پس انھوں نے ہم کو راہِ حق سے بھٹکا دیا)۔

آپ کا دوسرا قول، کہ ”میں یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ کون ہے؟“ تو سنئے ”فان اللہ رہنا و رب اباءنا الاولین“ (بیشک اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے) تیسرا قول کہ میں یہ نہیں سمجھتا، اللہ کہاں ہے؟ اس کا جواب بھی سنئے فان اللہ تعالیٰ لبنا المرصاد (بیشک اللہ تعالیٰ.....) راوی کا بیان ہے کہ اس پر حضرت عثمان غضبناک ہو گئے اور پلٹانے کا حکم دے دیا اور دروازے بند کر لیے۔ (امالی شیخ الطائفہ ۱۴۸)

اس روایت کا آخری ٹکڑا حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۶/۴۲۴) میں بھی نقل کیا ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے، مصعصہ کھڑے ہو گئے اور کہا ”یا امیر المومنین! ملئت فیالت اُمتک، اعتدل یا امیر المومنین! تعتدل اُمتک“ (اے امیر المومنین! آپ جھکے تو آپ کی اُمت بھی جھکی، آپ اپنے میں اعتدال پیدا کریں تاکہ امت بھی اعتدال پیدا کرے)۔ (تاریخ ابن عساکر ۶/۴۲۴)

مصعصہ اور سعید بن العاص:

۳۰ھ میں حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سعید بن

العاص کو کوفے کا گورنر بنا کر بھیجا اس نے آتے ہی وہاں کے لوگوں پر زیادتیاں شروع کر دیں، مصعصہ اس وقت کوفے ہی میں موجود تھے، ان کی طبیعت سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ حکام کے غیر عادلانہ اور مستبدانہ رویے پر خاموش بیٹھے رہیں چنانچہ کئی مرتبہ سعید بن العاص سے ان کا اختلاف ہوا، ان میں سب سے پہلا واقعہ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک مرتبہ رمضان کی ۲۹، کو سعید بن العاص نے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ ”آپ میں سے چاند کس نے دیکھا ہے“ سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا۔ ”ہم نے نہیں دیکھا“ صرف ہاشم بن عتبہ کا یہ بیان تھا کہ ”میں نے دیکھا ہے“ اس پر سعید بن العاص نے طنز کے طور پر کہا۔ ”اس کا فی آکھ سے تو نے چاند دیکھا ہے؟“ ہاشم کو اس پر غصہ آ گیا اور کہا ”آپ میری آکھ کا مجھ کو طعنہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آکھ اللہ کے راستے میں گئی ہے۔“ ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کی آکھ جنگ یرموک میں جاتی رہی تھی، اس کے بعد ہاشم اپنے گھر میں چلے گئے اور افطار کر لیا۔ دوسرے دن صبح سے ان کے پاس لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا اس کی خبر سعید بن العاص کو پہنچی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر خوب زد و کوب کرائی اور اس کا گھر جلا دیا۔

اس واقعے سے کوفے میں عام بے چینی پیدا ہو گئی اور ہاشم کی بہن ام الحکم بنت عتبہ بن ابی وقاص جو مہاجرات میں تھی اور ان کے چچا نافع بن ابی وقاص نے مدینے میں آ کر سعد بن ابی وقاص سے اس واقعے کا ذکر کیا، انھوں نے جا کر حضرت عثمان سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمان نے جواب دیا۔

”سعید لکم بها شیم اضربوه بصرہ و دار سعید لکم
بدار ہاشم فاحرقوها“

ہاشم کے بدلے تمہارے واسطے سعید ہے، جس طرح اس نے ہاشم کو مارا ہے تم بھی اس کو مارو اور ہاشم کے گھر کے عوض تمہارے لیے سعید کا گھر ہے اس کو جلا ڈالو! چنانچہ عمر بن سعد بن ابی وقاص جو اس وقت لڑکا ہی تھا آگ لگانے کے ارادے سے سعید کے گھر پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو بلا بھیجا اور اس ارادے سے باز رہنے کو کہا، اس طرح بات رفع دفع ہو گئی۔ صمصعہ پر بھی اس واقعے کا بے حد اثر ہوا وہ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے اور سعید کی معزولی کے لیے ان سے درخواست کی۔ صمصعہ کے ساتھ اس موقع پر حسب ذیل لوگ تھے۔

”مالک اشتر، یزید بن کف، ثابت بن قیس، کمیل بن زیاد نخعی، زید بن صوحان عبدی، حارث بن عبداللہ الاعمور، جندب بن زبیر ازدی ابو زینب ازدی، اصغر بن قیس الحارثی“ (طبقات ابن سعد ۵: ۲۱-۲۲)

دوسرا واقعہ اس سلسلے کا وہ ہے جس کو مؤرخ کامل نے اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے۔

سعید بن العاص جب کوفے کا گورنر ہو کر آیا تو یہاں اس نے رؤسا۔ شہر اور اہل قادیہ سے مراسم بڑھائے، وہ ہر روز رات کو ایک مجلس منعقد کیا کرتا تھا، جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی، ایک دن جب کہ اس کی صحبت میں مالک بن کعب ارجی، اسود بن یزید، علقمہ بن قیس نخعی، ثابت بن قیس ہمدانی، جندب بن زبیر غامدی، جندب بن کعب ازدی، عمرو بن الحمق، صمصعہ بن صوحان، زید بن صوحان، ابن الکواء، کمیل بن زیاد، عمیر بن ضابی، طلحہ بن خویلد وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، سعید نے اشاکلام میں کہا ”ہذا السواد بستان قریش“ یہ سب زمین قریش کے باغات ہیں، ہم جتنا چاہیں اس میں سے لے سکتے ہیں اور جتنا

چاہیں چھوڑ دیں، عبدالرحمن بن عیش نے جو اس کے اہل شرط میں تھا کہا ”صدق الامیر“ امیر نے سچ کہا، اس پر تمام حاضرین اس پر ٹوٹ پڑے اور زد و کوب شروع کر دی اور کہا۔ ”اے دشمنِ خدا! امیر کی خوشنودی میں باطل کی حمایت کرتا ہے!“ سعید کو اس پر غصہ آ گیا اور ان سب لوگوں کو گھر سے باہر نکال دیا۔ دوسرے روز صبح کو جب یہ لوگ مسجد میں آئے تو لوگوں کو سعید کے خلاف بھڑکایا اور کہا! ”تمہارے امیر کا یہ گمان ہے کہ یہ سب باغات اس کے اور اس کی قوم کے ہیں حالانکہ ہم نے اپنے زور بازو سے ان کو حاصل کیا ہے، قسم بخدا! ہم نے اس بات پر اس کی بیعت نہیں کی ہے۔“

سعید اور دیگر اشرافِ کوفہ نے اس کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی اور یہ سفارش کی کہ ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیا جائے۔ حضرت عثمان نے اس کے جواب میں لکھ کر بھیجا کہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے اور معاویہ کو حسبِ ذیل خط لکھا۔

”چند لوگ جو فتنہ و فساد کے لیے مخلوق ہوئے ہیں، تمہارے پاس بھیجے جاتے ہیں، تم ان کی نگرانی اور اصلاح کرو، اگر وہ اصلاح پذیر ہو جائیں تو خیر اور اگر تم کو بھی عاجز کریں تو میرے پاس بھیج دو!“

غرض کہ حضرت عثمان کے حکم کے بموجب ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا، یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو معاویہ نے ان کو کنسیہ مریم میں اتارا اور جو وظائف اور تنخواہیں ان کو عراق میں ملتی تھیں بدستور جاری رکھیں اور صبح و شام ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ (تاریخ کامل ۳: ۵۸، اغانی ۱۱: ۲۸)

صعصعہ اور معاویہ کے مکالمے:

ایک روز حالتِ قید میں معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور حسبِ ذیل گفتگو کی۔

معاویہ :- تم لوگ عرب کی ایک ذی ہوش اور سمجھ دار قوم ہو، تم نے اسلام کا شرف حاصل کیا ہے، بڑے بڑے گردن کشوں پر غالب آئے اور ان کے مملوکات پر تم قابض ہوئے، میں نے سنا ہے کہ تم لوگ قریش کی برائیاں بیان کرتے ہو حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو تم لوگ ذلیل و خوار رہتے کیونکہ تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں، پس اپنی سپر کو توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارے آئمہ تمہاری زیادتیوں کو برداشت کرتے ہیں اور تمہارے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں، بخدا! اگر تم ان سے منحرف ہو جاؤ گے تو تم کو اللہ تعالیٰ ضرور کسی بلا میں گرفتار کرے گا جس کو تم برداشت نہ کر سکو گے!

صعصعہ :- اے امیر آپ نے جو قریش کا ذکر کیا ہے تو سنئے! وہ کسی زمانے میں باعتبار تعدد و نفوس ہم سے زیادہ نہ تھے اور نہ جاہلیت میں ان کا کوئی قابل لحاظ درجہ تھا جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں نیز آپ کا یہ کہنا۔ تمہارے آئمہ تمہاری سپر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب سپر ٹوٹ جائے گی تو ہم خود سین سپر ہو جائیں گے۔

معاویہ :- اب میں نے تم کو پہچانا اور سمجھ لیا کہ تمہاری کم عقلی نے تم کو مغرور کیا ہے، پھر صعصعہ سے مخاطب ہو کر بولے۔ اے صعصعہ! تم ان کے خطیب اور پیشوا ہو، میں تم میں بھی عقل کا مادہ زیادہ نہیں پاتا اور نہ تم میں اسلام کی محبت دیکھتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری قوم کی شان کو کس نے بڑھایا ہے، یہ تم کو نہ معلوم ہوگا، لو میں تم کو بتاتا ہوں کہ اسلام و جاہلیت دونوں زمانوں میں قریش کی عزت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور ہے، نہ کثرت و قوت کے سبب سے، اللہ نے ان کو عزت و حرمت عنایت فرمائی تھی ان کو بامروت، صحیح النسب اور ذی شعور پیدا کیا ہے۔ ان کو اپنے گھر کا مجاور اور اپنے حرم کا محافظ بنایا ہے، پس کیا تمہارے ملک اور قوم میں کوئی عربی، عجمی، سیاہ اور سرخ ایسا ہے جس کو اللہ نے یہ کرامتیں مرحمت

کی ہوں، جب عالم میں کفر و الحاد پھیلا تو اللہ نے قریش ہی میں سے ایک نبی مبعوث کیا جس نے کفر و بت پرستی کی سیاہی دور کر کے توحید کا چراغ روشن کیا، اللہ نے اس نبی کے لیے جو اصحاب منتخب فرمائے وہ بھی قریش ہی سے ہیں جن سے اسلام کی بنا مضبوط ہوئی اور بعد رسول منصب خلافت سے۔

وہ سرفراز ہوئے اور بیشک وہ اسی کے لائق تھے تم لوگ بالکل بے عقل اور بے شعور ہو۔“

معاویہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ صعصعہ نے ان باتوں کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ہمراہیوں سمیت اٹھ کر چلے آئے۔ چند دن کے بعد معاویہ نے ان لوگوں کو پھر بلوایا اور کہا۔ ”تم لوگ جہاں چاہو چلے جاؤ، تمہاری ذات سے اللہ تعالیٰ نہ کسی کو نفع پہنچائے گا نہ نقصان اور اگر تم نجات کے خواہاں ہو تو جماعت کو نہ چھوڑو اور کفر ان نعمت سے باز آؤ! میں تمہاری بابت امیر المومنین عثمان کو لکھوں گا“، صعصعہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور معاویہ نے حضرت عثمان کو حسب ذیل خط لکھا۔

”اے ابوبکر، میرے پاس چند لوگ آئے ہیں جن کو نہ عقل ہے نہ ان کو دین کا پاس ہے البتہ فتنہ و فساد اور اہل ذمہ کے مال نے ان کو رنج میں ڈال رکھا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو کسی بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، ان کا کام صرف فتنہ انگیزی ہے، ان سے نیکی کی امید کم ہے اور برائی کا اندیشہ زیادہ۔“

دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔ ”بخدا! میں تم کو کسی ایسی بات کا حکم نہیں دوں گا جس کو میں اپنے نفس اور اپنے اہل کے لیے پسند نہ کروں، قریش جانتے ہیں کہ ابوسفیان اپنے قبیلے میں سب

سے زیادہ کریم تھا سوائے اس چیز کے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے قرار دی اور اس نے ان کو برگزیدہ بنایا اور نبوت سے سرفراز کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تمام بنی آدم ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو سب کے سب دورانہ پیش اور عقل مند ہوتے۔“
صعصعہ نے جواب دیا۔ ”آپ غلط کہتے ہیں اس لیے کہ انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے، جو ابوسفیان سے بہتر تھا (آدم) جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا، پھر بھی ان میں نیک اور بد بیوقوف اور عقل مند سب قسم کے ہیں۔“
دوسرے دن پھر معاویہ آئے اور کہا۔

”اے لوگو! بھلائی کی طرف پلٹ جاؤ یا خاموش ہو جاؤ اور اپنے، اپنے اہل اور مسلمانوں کے فائدہ میں غور کرو“! صعصعہ نے کہا۔ ”آپ اس نصیحت کے اہل نہیں ہیں نیز اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں آپ کی اطاعت کی جائے، معاویہ نے کہا۔ ”کیا میں نے پہلے ہی یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے نبی کی اطاعت کا حکم دوں گا اور یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور تفرقہ اندازی نہ کرو!“ اس کے جواب میں صعصعہ اور ان کے ساتھیوں نے یک زبان ہو کر کہا یہ ”غلط ہے، آپ نے ان تمام چیزوں کے خلاف حکم دیا ہے جن کو رسولؐ لے کر آئے تھے، معاویہ نے کہا۔ ”اگر میں نے ایسا کیا ہے تو اللہ سے اس کی توبہ کرتا ہوں اور اب تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور جماعت سے منسلک ہو جانے کا حکم دیتا ہوں نیز یہ کہ تم اپنے آئمہ کی عزت کرو اور احسن طریقے سے ان کی رہنمائی کرو“ صعصعہ بولے ”ہم آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنے اس عہدے (خلافت) سے دستبردار ہو جائیں اس لیے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ

سے زیادہ اس منصب کے حقدار ہیں، جن کے باپ آپ کے باپ سے زیادہ قدیم الاسلام ہیں اور خود بھی وہ آپ سے زیادہ اسلام میں خالص ہیں۔ ”معاویہ نے کہا۔ درست ہے!“ امیر اغیر ضرور مجھ سے زیادہ قدیم الاسلام ہے لیکن میرے زمانے میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ خلافت کا بار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اگر ایسا ہوتا تو عمر بن الخطاب مجھ کو انتخاب نہ کرتے اس لیے مجھ کو یہ زبیا نہیں ہے کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہو جاؤں اور امیر المومنین کی رائے میں یہ بات درست ہوتی تو ضرور مجھ کو لکھ بھیجتے اور میں اپنے عہدے سے الگ ہو جاتا پس اے صمصعہ! سوچو اور توقف کرو اس لیے کہ یہ باتیں شیطان کی طرف سے ہیں اور قسم میری زندگی کی اگر تم لوگوں کی رائے پر امور کا فیصلہ کیا جائے تو مسلمانوں کے لیے نہ کوئی دن فلاح پذیر ہو سکتا ہے نہ کوئی رات، پس بھلائی کی طرف پلٹو! مجھے یہ ڈر ہے کہ تم شیطان کے پیچھے پیچھے چل پڑو اور وہ تم کو جلد یا بدیر ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرا دے اس بات پر صمصعہ اور ان کے ساتھی معاویہ پر جھپٹ پڑے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیے۔ معاویہ ان لوگوں کی اس حرکت پر برہم ہو گئے اور کہا۔ ”یہ کوفے کی سرزمین نہیں ہے، تم لوگوں نے جو عمل میرے ساتھ کیا ہے اگر شام والوں کو اس کا علم ہو جائے تو پھر وہ میرے قابو میں بھی نہ آسکیں گے اور تم کو قتل کر کے ہی دم ماریں گے۔“ یہ کہہ کر معاویہ ان کے پاس سے چلے آئے اور حضرت عثمان کو ان کی شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں کو سعید بن العاص کے پاس کو ذبح بھیج دیا جائے“ چنانچہ امیر معاویہ نے ایسا ہی کیا، کوفے پہنچ کر سعید بن العاص سے ان کے اختلافات بڑھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، غرض کہ وہاں سے ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس محض روانہ کر دیا گیا۔ (تاریخ کامل ۳: ۵۸-۶۰)

عہد امیر المومنینؑ:

معصعہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اُن مخلص اصحاب میں تھے جنہوں نے آخر وقت تک آپ کی حمایت سے منہ نہیں موڑا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں بجز معصعہ اور ان کے اصحاب کے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کے حق کو پہچانتا ہو۔ (رجال کشی، ص ۷ خلاصۃ الاقوال ص ۴۴)

معصعہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ متکلم اور خطیب تھے اسی طرح ایک بہادر اور جنگ آزما سپاہی بھی تھے، چنانچہ ایک موقع پر جب مغیرہ بن شعبہ نے ان کو خطیب ہونے کا طعنہ دیا ہے تو معصعہ نے بکڑ کر کہا۔

واللہ میں ایک نہایت سخت اور زبردست خطیب ہوں، خدا کی قسم! اگر آپ جنگ جمل کے دن موجود ہوتے جبکہ نیزے آپس میں ٹکرا رہے تھے اور آنکھیں چھیدی جا رہی تھیں اور سرتن سے جدا ہو رہے تھے تو آپ کو علم ہو جاتا کہ میں ایک بہادر اور شیر دل انسان ہوں۔“ (تاریخ کامل ۱۸۶:۳)

چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معصعہ قریب قریب ہر جنگ میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ رہے۔ اگرچہ تاریخ نے ان کے جنگی کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی پھر بھی جس حد تک واقعات ملتے ہیں اُن سے ان کی بہادری کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

سب سے پہلی جنگ جو امیر المومنینؑ کے عہد خلافت میں ہوئی وہ جنگ جمل ہے، اس میں معصعہ شروع سے آخر تک ملتے ہیں۔ ابن سعد کا بیان ہے، معصعہ اور ان کے دونوں بھائی زید اور صیمان جنگ جمل میں موجود تھے، اس میں علم

جنگ صیمان کے ہاتھوں میں تھا، ان کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے بھائی زید نے علم سنبھالا جب وہ بھی شہید ہو گئے تو پھر صمصعہ نے علم لیا۔

(طبقات ابن سعد ۶: ۱۵۴)

طبری کے بیان کے مطابق اس جنگ میں وہ زخمی بھی ہوئے (طبری ۵: ۳۴۲) اس موقع پر کتب تواریخ میں ان کا حسب ذیل ایک خطبہ بھی ملتا ہے۔

اے امیر المومنین! جس روز طلحہ اور زبیر آپ کے مقابلے پر آئے ہیں اس دن ہم سب سے پہلے آپ کی طرف آئے ہیں پس حکیم (بن جبلة) نے ہم کو آپ کے گورنر عثمان بن حنیف کی مدد کی طرف بلایا، ہم نے اس کو قبول کیا، اس نے آپ کے دشمن سے جنگ کی یہاں تک کہ بنی عبد قیس کی ایک قوم پر اس میں مصیبت آئی، انھوں نے اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ ان کی ہتھیلیاں اونٹ کی ہتھیلیوں کی مانند اور ان کی پیشانیاں اونٹ کے گٹھنوں کی طرح ہو گئی تھیں پس زندوں کو قتل کیا گیا اور مقتولین کے لباس اتارے گئے، پس ہم پہلے مقتول اور اسیر تھے، اس کے بعد آپ نے ہماری ابتلا کا منظر صفین میں بھی ملاحظہ فرمایا جبکہ بصیرتیں کند ہو گئی تھیں اور حق صحیح و سالم رہا اور آپ اس کے ذریعہ سے اپنی حاجت کو پہنچ گئے، اب جو کچھ اللہ آپ کو دکھائے اس کا آپ ہمیں حکم دیں۔

(کتاب الامامة والسياسة ۱: ۸۹)

اس کے بعد جنگ صفین میں اس موقع پر ملتے ہیں، جب امیر معاویہ نے جناب امیر کی فوج پر پانی بند کیا ہے تو اس وقت امیر المومنین نے صمصعہ ہی کو امیر معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ”ہم تمہاری طرف جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے اس لیے کہ جب تک تمہارے عذرات کو سن کر ان کا معقول جواب نہ دے دیں، ہم ہر گز جنگ کو روا نہیں رکھتے، اس کی ابتدا

تمہاری ہی طرف سے ہوئی ہے کہ تمہارے سواروں نے تم سے پہلے پہنچ کر ہمارے لشکر سے جنگ چھیڑ دی، ہم کو تمہارے ساتھ لڑنے سے پہلے بھی گریز تھا اور اب بھی ہے تا وقتیکہ تم کو راہ حق کی دعوت نہ دے دیں اور اتمام حجت نہ کر لیں۔ تمہاری طرف سے دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ تم نے ہم پر پانی بند کر دیا۔“

صعصعہ جب یہ پیغام لے کر پہنچے تو معاویہ نے اپنے اصحاب سے رائے لی۔ ولید بن عقبہ اور عبد اللہ بن سعد نے کہا کہ پانی ہرگز نہ کھولا جائے اور جس طرح عثمان پر پانی بند ہوا تھا اسی طرح ان پر بھی پانی بند رکھا جائے۔ یہی رائے عمرو بن العاص کی تھی اسی سلسلے میں ولید بن عقبہ نے کچھ ناروا کلمات بھی کہے جس پر صعصعہ کو غصہ آگیا اور بگڑ کر کہا۔

”اِنَّمَا لِمَنْعَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْكُفْرَةَ الْفُسْقَةَ وَشُرْبَةَ الْخَمْرِ ضَرِيكَ وَضَرِبَ هَذَا الْفَاسِقُ يَعْنِي الْوَلِيدُ بْنُ عَقْبَةَ“

صعصعہ کے ان کلمات پر لوگ ان پر سٹ آئے اور سب دُشمن کرنے لگے لیکن معاویہ نے ان کو روک دیا اور کہا ”فَانْزِلْ رَسُولُ“ (طبری ۵: ۲۴۲)

جنگِ صفین کے بعد نہروان میں بھی صعصعہ کی موجودگی ملتی ہے اس کا ایک واقعہ مسعودی نے مروج الذهب میں اس طرح نقل کیا ہے:-

قبیلہ ازد کے ایک شخص کا بیان ہے نہروان کے دن میں نے ابو ایوب انصاری کو دیکھا کہ انھوں نے عبد اللہ بن وہب نابی کے شانے پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا جس سے اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا اور کہا۔ ”يُؤْجِبُهَا إِلَى النَّارِ يَا مَارِقُ“ ”اے مارق اس کو دوزخ میں ڈال دے“ عبد اللہ نے کہا! ”عَنْقَرِيبَ تَمَّ جَانُ لَوْ كُنَّا هُمَ دُونِ مِثْلِ كُنْ جَهَنَّمَ فِي تَبَائِلِ جَانِ كَامَسْتَحَقَّ هُوَ“ ابو ایوب نے جواب دیا۔ ”تیرے باپ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں۔“ اتنے میں صعصعہ بھی آپہنچے اور ابو

ایوب کی طرف سے اس طرح جواب دیا:-

(جہنم میں تپائے جانے کا زیادہ مستحق وہ ہے جو اندھا ہو کر دنیا میں گمراہ ہو جائے اور آخرت کی طرف شقی ہو جائے، اللہ تجھ کو دور کرے، قسم بخدا! میں نے کل ہی تجھ کو اس لڑائی سے ڈرایا تھا لیکن تو نے انکار کیا اور اس کے برخلاف تو اپنے پچھلے پاؤں پلٹ گیا، پس اے دین سے نکل جانے والے اپنے بُرے اعمال کا مزہ چکھ)۔

یہ کہہ کر ابو ایوب کے ہمراہ کئی ہاتھ تلوار کے لگائے جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ صعصعہ اور ابو ایوب دونوں نے اس کا سر کاٹا اور اس کو لے کر امیر المومنینؓ کی خدمت میں آئے، آپ نے اس کے سر کو دیکھ کر فرمایا۔ هَذَا رَأْسُ الْفَاسِقِ النَّاكِثِ الْمَارِقِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ (مروج الذهب ۲: ۶۵)

صعصعہ دربار معاویہ میں:

امیر المومنینؓ جب جنگِ جمل سے واپس ہوئے تو صعصعہ اپنے چند اصحاب کو ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؓ اس وقت معاویہ کی طرف سے سخت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح معاملات سلجھ جائیں۔ صعصعہ اور ان کے اصحاب کو دیکھ کر فرمایا۔ ”آپ لوگ میرے نزدیک سردارانِ عرب اور میرے رؤساء اصحاب میں ہیں، مجھ کو اس غلام مترف معاویہ کے باب میں مشورہ دو“ وہ لوگ یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے، کچھ دیر بعد صعصعہ نے کہا۔ ”اے امیر المومنین! معاویہ خواہشاتِ نفسانی کا بندہ ہے، دنیا اس پر چھا گئی ہے، لوگوں کا قتل کرنا اس پر آسان ہو گیا ہے، اس نے اپنی آخرت کو دنیا کے عوض میں بیچ دیا ہے، پس اگر آپ اس کے باب میں میری رائے پر عمل کریں تو انشاء اللہ معاملات درست ہو جائیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے کسی قابلِ اعتماد

اور باد جاہت شخص کو ایک خط دے کر اس کے پاس بھیجیں جس میں اس کو بیعت کی طرف بلایا جائے، پس اگر وہ اس کو قبول کر لے اور اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے تو خیر، ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائے اور مشغیت کے فیصلے کے منتظر رہیے۔ امیر المومنین نے یہ سن کر جواب دیا ”بات تو ٹھیک ہے لیکن اس کام کے لیے تم سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے، تم اپنے ہی ہاتھ سے ایک خط لکھو اور اس کو لے کر معاویہ کے پاس روانہ ہو جاؤ خط کی ابتدا میں کچھ ڈرانے دھمکانے کا بھی مضمون ہو اور ابتدا اس طرح ہو۔“

بسم الله الرحمن الرحيم، من عبد الله امير المومنين
الى معاويه سلام عليك، اما بعد۔

”اس کے بعد جو کچھ تم نے بیان کیا ہے وہی سب کچھ لکھ دو“! غرض کہ معصہ یہ خط لے کر دمشق روانہ ہو گئے۔ معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ معصہ امیر المومنین کا خط لے کر آئے ہیں تو کہنے لگے، ”مجھ کو پہلے بھی ان کے بارے میں معلومات ہو چکی ہیں یہ شخص علی کے تیروں میں سے ایک تیر ہے اور خطبا عرب میں سے ایک خطیب، میں خود ہی ان سے ملاقات کا شائق تھا۔“ غرض کہ معصہ اندر داخل ہوئے اور یابن ابی سفیان کہہ کر سلام کیا ساتھ ہی امیر المومنین کا وہ خط پیش کیا، معاویہ نے اس خط کو دیکھ کر کہا۔ ”اگر سفاک کو عہد جاہلیت یا اسلام میں قتل کرنے کا دستور ہوتا تو میں ضرور تم کو قتل کر دیتا، اس کے بعد معاویہ نے ان سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

معاویہ:- تم کس قبیلے سے ہو؟

معصہ:- نزار سے۔

معاویہ:- نزار کی ذرا تعریف کرو۔

صعصعہ :- جب وہ لڑتا تھا تو مقابل کو گرا دیتا تھا اور جب کوئی اس کے سامنے آتا تھا تو پھاڑ لیتا تھا اور جب پلٹتا تھا تو لوٹتا ہوا۔

معاویہ :- اچھا پھر تم نزار کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- ربیعہ سے۔

معاویہ :- ربیعہ کی بھی کچھ تعریف کرو۔

صعصعہ :- اس کی تلوار کی حامل لمبی تھی اور زمین کے مختلف حصوں کو تسخیر کرتا تھا۔

معاویہ :- تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- جدیلہ سے

معاویہ :- جدیلہ کی تعریف کیا ہے؟

صعصعہ :- وہ جنگ میں کانٹے والی تلوار تھا اور بخشش کے وقت نفع پہنچانے والا

امیر اور مقابلے کے وقت شعلہ جوالہ۔

معاویہ :- تم اس کی کس اولاد سے ہو؟

صعصعہ :- عبدالقیس سے۔

معاویہ :- عبدالقیس کی کیا تعریف ہے؟

صعصعہ :- وہ نہایت شریف، کثیر الخیر اور بھوکوں کو کھانا کھلانے والا تھا، وہ ہر

موجود چیز کو اپنے مہمان کو بخش دیتا تھا اور جو چیز موجود نہ ہو اس کا سوال نہیں کرتا

تھا۔ اس کا وجود لوگوں کے لیے ایسا تھا جیسے آسمان کے بادل۔

معاویہ :- واہ ابن صوحان! تم نے قریش کے اس خاندان کے لیے کیا فخر اور

مکرمات باقی رکھی۔

صعصعہ :- ہاں! قسم بخدا اے ابوسفیان کے بیٹے میں نے ان کے لیے وہ

سب کچھ چھوڑ دیا ہے جو سوائے ان کے کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے، ان کے

لیے میں نے سفید و سرخ، تخت اور منبر اور ملک قیامت تک کے لیے چھوڑ دیا ہے اور ایسا کیوں کرتا ہوں اس لیے کہ وہ زمین میں اللہ کا نور ہیں اور آسمان میں اس کے ستارے۔

معاویہ یہ سن کر خوش ہوئے اور یہ خیال کیا کہ صعصعہ کی یہ گفتگو پورے قریش کے بارے میں ہے کہنے لگے۔ ”اے صوحان کے بیٹے! تم نے سچ کیا، بیشک ایسا ہی ہے،“ صعصعہ ان کی بات کو پہچان گئے کہنے لگے۔ ”ان اوصاف میں آپ کا اور آپ کی قوم کا کوئی حصہ نہیں ہے، آپ لوگ اس سے بہت دور ہیں،“ معاویہ نے کہا۔ اے صوحان کے بیٹے! تم پر ویل ہو، یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا۔ ویل اہل دوزخ کے لیے ہو، یہ تمام مکارم بنی ہاشم کے لیے ہیں، معاویہ نے یہ سن کر صعصعہ کو اپنے پاس سے اٹھا دیا لیکن دل میں قائل ہو گئے، چنانچہ ان کے اٹھ جانے کے بعد اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر بولے ”ہکذا فله کن الرجال“ مر دایسے ہوتے ہیں۔

اس واقعے کو مسعودی نے مروج الذهب (۲: ۶۱) میں اور ابو علی القالی نے اپنی امالی (۲: ۲۳۰) میں اور ابوالعباس القلیشندی نے صبح الاعشی (۱: ۲۵۳) میں باختلاف الفاظ نقل کیا ہے۔

صعصعہ کا خط عقیل بن ابی طالب کے نام:

مسعودی لکھتا ہے عقیل جس وقت معاویہ کے پاس آئے تو معاویہ نے ان سے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ اصحاب علیؑ کے بارے میں تم سے کچھ پوچھوں اس لیے کہ تم ان کو اچھی طرح جانتے ہو“ عقیل نے جواب دیا۔ ”آپ جو چاہیں دریافت کر سکتے ہیں۔“ معاویہ نے کہا ”اچھا اصحاب علیؑ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ اور آل صوحان سے ابتدا کرو اس لیے کہ وہ تقریر و بیان کے بادشاہ ہیں۔“ عقیل نے صعصعہ سے ابتدا کی اور کہا ”لیکن صعصعہ، وہ صاحب عظمت، تیز

زبان، بہترین قائد اور شہسوار، اپنے مقابل اور حریف کو قتل کرنے والے، ٹوٹے ہوئے کہ جوڑنے والے اور سالم کو توڑنے والے، ان کا مثل بہت کم ہے لیکن زید اور عبداللہ وہ دونوں دو بہنے والی نہریں ہیں جن میں دوسری نہریں آکر گرتی ہیں جن کی طغیانی سے شہر کے شہر فریاد کناں ہیں لیکن بنو صوحان، پس وہ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:-

اذنزل العدو فان عندی

اسود اتخلص الاسد النفوسا

ترجمہ :- (جب دشمن میدان میں اترے تو میرے پاس ایسے شیر ہیں جن کی ہیبت سے شیروں کے سانس اکھڑ جاتے ہیں)
عقیل کی یہ گفتگو جب صعصعہ کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے ان کو حسب ذیل خط تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور کشائش

چاہنے والے اسی سے کشائش چاہتے ہیں اور آپ لوگ دنیا اور

آخرت کی گنجیاں ہیں، بعد ازاں:

آپ کے آقا (علی ابن ابی طالب) کو دشمن خدا معاویہ سے آپ کی گفتگو کی خبر پہنچ گئی ہے، میں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس سے دعا مانگی کہ وہ تم کو بلند درجے اور سرخ شاخ اور سیاہ عمود تک پہنچائے کیونکہ وہ ایسا عمود ہے کہ جس نے اس سے مفارقت کی تو گویا اللہ کے روشن دین سے مفارقت کی، پس اگر آپ نے اپنے کو معاویہ کے پاس طلب مال کی غرض سے پہنچایا ہے تو آپ کو اس کے تمام خصائل اور بد باطنی کا علم ہے، پس ڈرو! ایسا نہ ہو کہ اس کا شعلہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور سیدھے راستے سے وہ آپ کو بھٹکا دے، یقیناً اللہ نے آپ اہل

بیت سے ان تمام چیزوں کو اٹھا دیا ہے جو آپ کے غیر میں رکھ دی ہیں، پس اللہ کا جو کچھ بھی فضل و احسان ہے وہ تمہارے ہی ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے، یقیناً اللہ نے آپ کے مراتب کو بلند کیا ہے اور آپ کے آثار کو لکھ لیا ہے، بیشک آپ کے مراتب پسندیدہ ہیں اور آثار روشن ہیں اور آپ لوگ مخلوق کے لیے اللہ تک پہنچنے کا زینہ ہیں اور اس کے راستوں کی طرف اس کا وسیلہ، آپ بلند ہاتھ اور روشن چہرے ہیں اور آپ ایسے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

فما كان من خيراتوه فائما
توارثه ابااء ابااءهم قبل
وهل ينبت الخطى الا وشيجه
وتعزس الا في منابتها النحل
(مرج الذهب ۲: ۱۶)

جس خیر کو وہ لائے ہیں، بیشک ان کے باپ دادا کے باپ دادا ان سے قبل ورثے میں لا چکے ہیں یقیناً نیز اپنے پیر ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور نخل اپنے اُگنے کی جگہ پر ہی اُگتے ہیں۔

صعصعہ اور معاویہ :-

صعصعہ معاویہ کے سخت ترین دشمنوں میں تھے، وہ تلوار سے تو ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے لیکن زبان سے انھوں نے زندگی بھر مقابلہ کیا اور کسی وقت حق بات کہنے سے نہیں جھجکے جیسا کہ اکثر موقعوں پر معاویہ کو یہ کہہ کر اعتراف شکست کرنا پڑا ہے۔ "والله ان كنت لا بغض ان اراك خطيباً" (قسم بخدا! مجھ کو یہ امر نہایت شاق ہے کہ تم کو خطیب کی حیثیت میں دیکھوں) جس کا جواب صعصعہ کے پاس یہ تھا "والله ان كنت لا بغض ان اراك اميراً"

(واللہ! مجھ کو یہ بات شاق ہے کہ تم کو مسند امارت پر دیکھوں) چنانچہ مختلف موقعوں پر ان سے اور معاویہ سے جو گفتگو ہوئیں ہیں وہ تاریخ و ادب کا ایک اہم باب ہیں۔ ذیل میں ناظرین کی دلچسپی کے لیے چند صحبتیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ، عبداللہ بن کواء اور امیر المومنین کے کچھ دیگر اصحاب کو گرفتار کر لیا، حالت بقید میں ایک دن معاویہ ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا۔ ”میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے مجھ کو کیسا خلیفہ پایا، خبردار صحیح صحیح بتانا،“ ابن الکواء نے کہا۔ ”اگر تو نے ہمارے خلاف ارادہ نہ کر لیا ہوتا تو ہم کبھی اپنی رائے ظاہر نہ کرتے کیونکہ تو ایک سرکش جبار ہے، نیک لوگوں کے قتل کرنے میں تجھ کو شامل نہیں ہوتا لیکن اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس کی دنیا وسیع ہے اور آخرت تنگ ہے، تمہر قریب اور جائے پناہ دور ہے، تو تاریکیوں کو نور بناتا ہے اور نور کو تاریکی،“ معاویہ نے کہا! ”لیکن اللہ نے امر حکومت سے اہل شام کو عزت دی ہے جو اس کے ناموں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس کے محارم کو ترک کرنے والے نیز وہ اہل عراق کی طرح نہیں ہیں جو اللہ کے محارم کی ہتک حرمت کرتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال اور جس کو حلال کیا ہے اس کو حرام کرتے ہیں“ عبداللہ بن الکواء نے جواب دیا۔ ”اے ابوسفیان کے بیٹے! جواب ہر بات کا ہوا کرتا ہے، ہم کو صرف تیرے جبروت کا خوف ہے، اگر ہماری زبان آزاد ہوتی اور اس پر تیرے خوف اقتدار کا پہرہ نہ ہوتا تو ہم ایسی تیز زبانوں سے ان کی مدافعت کرتے جن کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا در صورت دیگر ہم صبر کرتے ہیں جب تک اللہ کا حکم ہو اور وہ ہم کو کشائش عطا کرے“ معاویہ نے کہا! ”بخدا! تمہاری زبانوں کو آزادی نہیں دی جاسکتی“۔ اس کے بعد صعصعہ سے مخاطب

ہوئے، معصعہ نے کہا۔ ”اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے بات کی اور جو کچھ تو جانتا تھا اس میں کسر نہیں کی، سچ تو یہ ہے کہ جیسا تو نے بیان کیا امر واقعہ یہ ہے۔ بھلا وہ شخص خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے جو جبر و قہر کے ذریعے لوگوں کا حاکم بن جائے اور اپنی بڑائی دکھا کر ان کو مطیع بنالے اور اسباب باطلہ، جھوٹ اور مکر کے بل پر ان پر مستولی ہو جائے، قسم بخدا! بدر کے دن نہ تو نے کوئی تلوار کا ہاتھ چلایا نہ کوئی تیر مارا اور اس میں تو بالکل الگ رہا، یقیناً تو اور تیرا عیر اور نفیر میں تھا، ان لوگوں میں جنہوں نے رسول اللہ کے خلاف نفع اندوزی کی تھی اور تو یقیناً طلیق ہے اور طلیق کا بیٹا ہے، رسول اللہ نے تم دونوں کو آزاد کر دیا تھا، بھلا طلقاء کس طرح خلافت کے سزاوار ہو سکتے ہیں“ معاویہ نے معصعہ کا یہ کلام سن کر کہا۔ ”اگر میں ابوطالب کے اس شعر کی طرف رجوع نہ کرتا ضرورتاً تجھ کو قتل کر دیتا“، اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

قابِلْتُ جَہْلَہُمْ حِلْمًا و مَغْفِرَۃً

وَالْعَفْوُ عَنْ قَدْرَةِ ضَرْبٍ مِّنَ الْکَرَمِ

(میں نے ان کی جہالت کا جواب حلم اور بخشش سے دیا اور قدرت حاصل

ہونے کے باوجود معاف کر دینا ہی کرم ہے)

۲۔ ایک مرتبہ معصعہ امیر المومنین کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس آئے،

معاویہ نے ان سے کہا۔ ”اے صوحان کے بیٹے! تم عرب اور ان کے حالات پر بصیرت رکھتے ہو، ذرا اہل بصرہ کے بارے میں کچھ بیان کرو، لیکن عصیبت سے کام نہ لینا“، معصعہ نے کہا۔ ”اہل بصرہ عرب کا واسطہ اور بزرگی و سرداری کا نقطہ انتہا ہیں وہ اول دہر اور آخر دہر میں مشکل امور کو حل کرنے والے ہیں، ان پر عرب کی سیادت اسی طرح چکر لگاتی ہے جس طرح پتلی کیلی پر گھومتی ہے“

معاویہ نے کہا۔ اچھا اہل کوفہ کے بارے میں بیان کرو! ”صعصعہ نے کہا یہ لوگ اسلام کی بنیاد اور کلام و بیان کا مقام بلند ہیں اور باوجاہت اشخاص کی جائے پناہ، لیکن اتنی سی بات ہے کہ ان میں بے وقوف لوگ ہیں جو ذی الامر کو اطاعت سے روکتے ہیں اور ان کو جماعت سے نکالتے ہیں۔“

اس کے بعد معاویہ نے اہل حجاز کے بارے میں پوچھا:-

صعصعہ نے کہا۔ ”اہل حجاز فتنے کی طرف بہت تیزی سے بڑھنے والے ہیں اور فتنے سے نکلنے میں بہت سست لیکن دین میں وہ ثابت قدم ہیں اور یقین کی رسی سے متمسک ہیں، وہ ائمہ ابرار کا اتباع کرتے اور فاسق و فاجر لوگوں کی اطاعت کا قلاوہ نکال کر پھینک دیتے ہیں،“ معاویہ نے یہ سن کر کہا۔ ”ابرار اور فساق سے تمہاری مراد کون ہیں؟“ صعصعہ نے کہا۔ ”علی اور ان کے اصحاب ائمہ ابرار ہیں اور تُو اور تیرے ساتھی فساق ہیں۔“ اس کے بعد معاویہ نے چاہا کہ مزید صعصعہ کے خیالات کا جائزہ لیں، اگرچہ اس گفتگو سے ان میں ہیجان و غصہ پیدا ہو چلا تھا، کہنے لگے۔ ”اچھا قہر الحمراء جو مضر کے شہر میں ہے۔ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔ صعصعہ نے کہا۔ مضر کے شیر دو مرطوب وادیوں کے درمیان بہاؤ رہا ہے، جب ان کو آزاد کر دیا جاتا ہے تو پھاڑ کھاتے ہیں اور جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو چھپ کر شکار کرتے ہیں“ معاویہ نے کہا۔ یہاں ایسی ٹھوس عزت ہے جس کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا، کیا اس کے مثل تمہاری قوم میں بھی ہے؟ صعصعہ نے جواب دیا۔ یہ اس کے اہل کے لیے ہے نہ کہ تیرے لیے اور جو شخص کسی قوم کو محبوب رکھتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے بعد معاویہ نے ربیعہ و مضر کے بارے میں دریافت کیا صعصعہ نے اس کا بھی اسی طرح جواب دیا، اب معاویہ خاموش ہو گئے۔ صعصعہ نے ابھی تک دل کی بات نہیں کہی تھی جس کے

لیے وہ بے چین تھے، اس لیے معاویہ سے کہا۔ ”ابھی کچھ اور پوچھیے ورنہ جو چیز آپ سے چھوٹ گئی ہے میں خود اس کو بیان کئے دیتا ہوں“ معاویہ نے کہا۔ ”وہ کیا؟“ کہا، ”اہل شام!“ معاویہ نے کہا اچھا پھر ان کے بارے میں بھی بیان کرو، مصعصہ نے کہا۔ (اہل شام) مخلوق کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اسی قدر خالق کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ وہ گناہگار، جبار، کمینوں کے جانشین ہیں، ان پر ہلاکت ہو اور ان کے لیے بُرا ٹھکانہ ہو (مرؤج الذهب ۲: ۶۲)

مصعصہ کی حاضر جوابی:

علامہ ابن عبد ربہ اللاندی لکھتے ہیں۔ فاما احضر الناس جوابا فصعصه بن صوحان۔ مصعصہ بن صوحان لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے، ذیل میں ان کی حاضر جوابی کی چند نقلیں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

(۱)

ایک مرتبہ مصعصہ معاویہ کے پاس آئے، اس وقت عمر و العاص بھی ان کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے مصعصہ کو دیکھ کر کہا۔ ”اس ترابیہ کو بھی اس تخت پر جگہ دو“، مصعصہ نے جواب دیا۔ ”بخدا! میں ترابی ہی ہوں، اسی سے پیدا ہوا ہوں اور اسی کی طرف پلٹ جاؤں گا اور اسی سے اٹھایا جاؤں گا“، لیکن آپ یقیناً جہنم کا ایک شعلہ ہیں۔ (عقد الفرید ۳: ۳۱۶)

(۲)

ایک مرتبہ مصعصہ اہل عراق کے ایک وفد کے ہمراہ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔ ”تم کو مبارک ہو اے اہل عراق! تم اللہ کی مقدس سرزمین میں آئے ہو اسی سے اٹھو گے اور اسی کی طرف جمع کر کے لائے جاؤ گے، تم بہترین امیر کے پاس آئے ہو جو تمہارے بڑوں کے ساتھ حسن

سلوک کرتا ہے اور چھوٹوں کے ساتھ رحم سے پیش آتا ہے اور اگر تمام آدمی ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو ضرور بردبار اور عقل مند ہوتے، لوگوں نے صمصعہ کی طرف دیکھا (جواب دینے پر اکسایا) صمصعہ ایسے موقع پر کہاں چوکنے والے تھے فوراً کہا۔

”اے معاویہ! تمہارا یہ کہنا کہ ہم پاک زمین میں آئے ہیں پس قسم میری زندگی کی، کوئی سرزمین لوگوں کے لیے پاک نہیں ہے، پاکی صرف اعمال کی ہے نیز تمہارا دوسرا قول کہ اسی سے نشر کیے جائیں گے اور اسی کی طرف جمع کئے جائیں گے، یہ بھی غلط ہے، قسم میری جان کی، مومن کو نہ اس کی نزدیکی کوئی نفع پہنچا سکتی ہے نہ اس کی دوری۔ رہا تمہارا تیسرا قول کہ اگر تمام انسان ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو حلیم اور عقل مند ہوتے، یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ وہ اس کی اولاد ہیں جو ابوسفیان سے بہتر تھا (حضرت آدمؑ) پس ان میں حلیم بھی ہیں، کمینے بھی، جاہل بھی اور عالم بھی (عقد الفرید ۳: ۳۱۶)

(۳)

ابراہیم بن عقیل بصری کا بیان ہے، ایک مرتبہ صمصعہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا ایک خط لے کر معاویہ کے پاس آئے، اس وقت ان کے پاس اور بھی کچھ باوجاہت اصحاب بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ نے ان کو دیکھ کر کہا۔
(زمین اللہ کے لیے ہے اور میں اس کا خلیفہ ہوں، پس جو کچھ میں اللہ کے مال میں سے لوں وہ میرا ہے اور جو کچھ اس میں سے چھوڑوں تو یہ میرے لیے جائز ہے)۔

صمصعہ قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، جواب دیا: تمنیک نفسک
مالا یكون جھلا معاوی لا تأثم ”اے معاویہ تو نے اپنے نفس کے لیے

اس چیز کی تمنا کی ہے جو جہالت کا مقتضا ہے“ معاویہ نے کہا۔ ”اے صمصعہ! تم نے بولنا تو خوب سیکھا ہے“ صمصعہ نے جواب دیا۔ ”علم سیکھنے ہی سے آتا ہے اور جس میں علم نہ ہو وہ جاہل ہے“۔ معاویہ نے کہا۔ ”مجھ کو کیا امر مانع ہے کہ تم کو تمہاری گستاخی کی سزا دوں“، جواب دیا۔ ”یہ امر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ اس ذات کے قبضے میں ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت کے لیے اس کو نہیں ٹال سکتے“، معاویہ نے پھر کہا۔ ”میرے اور تمہارے درمیان کون حائل ہے؟“ جواب دیا:

الذی یحول بین السوء وقلبه ”وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان میں حائل ہے“۔ معاویہ یہ کہنے لگے۔ ”تمہارا پیٹ کلام کے لیے اتنا ہی وسیع ہے جتنا اونٹ کا پیٹ جو کے لیے“ صمصعہ نے کہا ”نہیں بلکہ اس شخص کے پیٹ کی طرح جو کبھی سیر ہی نہیں ہوتا“ (مروج الذهب ۲: ۶۲)

(۴)

ایک مرتبہ قریش کے علما اور ربیعہ کے خطیب لوگ اور یمن کے کچھ سردار معاویہ کے دربار میں آئے، معاویہ ان کو دیکھ کر مسجد دمشق کے منبر پر گئے اور اس طرح خطبہ پڑھنا شروع کیا!

بیشک اللہ نے اپنے خلفا کو عزت دی ہے اور ان کے لیے جنت کو واجب کیا اور دوزخ سے ان کو نکالا پھر مجھ کو ان ہی میں سے قرار دیا اور اہل شام کے حامیوں کو حرمِ الہی سے مدافعت کرنے والا، اللہ کی فتح سے موند اور اللہ کے دشمنوں پر فتح پانے والا بنایا۔

راوی کا بیان ہے کہ اخف بن قیس اور صمصعہ بن صوحان اس وقت مسجد میں

موجود تھے، انھوں نے معاویہ کا یہ گمراہ کن کلام سنا تو اخف نے صمصعہ سے کہا۔
تم اس کا جواب دیتے ہو یا میں کھڑا ہو جاؤں، صمصعہ نے کہا۔ ”تم بیٹھو میں ہی
جواب دے لیتا ہوں“ چنانچہ صمصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا۔

”اے ابوسفیان کے بیٹے! تو نے کلام کیا اور جو کچھ تو کہنا
چاہتا تھا اس میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی لیکن تیرا یہ کلام کیونکر صحیح
ہو سکتا ہے حالانکہ تو نے زبردستی ہم پر غلبہ کیا اور جبر و قہر کے
ذریعے ہمارا حاکم بنا اور اسبابِ فضل کے ذریعے تو ہم پر مستولی
ہوا، پس تیرا اہلِ شام کو سراہنا کہاں تک درست ہے، حالانکہ
میں نے ان سے زیادہ بندہ مخلوق اور خالق کا نافرمان کسی کو نہیں
دیکھا، یہ وہ قوم ہے جس نے حال کے عوض میں تیرے ہاتھ اپنا
دین اور اپنے جسم بیچ دیے ہیں۔ پس اگر تو ان کو دیتا رہے گا تو
تیری حمایت کریں گے اور اگر روک لے گا تو بیٹھ رہیں گے اور
تجھ سے پھر جائیں گے“ (امالیٰ شیخ الطائفہ صفحہ ۳)

(۵)

ایک مرتبہ معاویہ نے صمصعہ سے سوال کیا۔ ”کون سا گھوڑا سب سے بہتر
ہوتا ہے؟“ کہا: الطویل الثلاث، القصیر الثلاث، العریض
الثلاث، الصافی الثلاث۔

”وہ گھوڑا جس کی تین چیزیں لمبی، تین چھوٹی، تین چوڑی اور تین صاف
ہوں۔“ معاویہ نے کہا۔ ”ذرا اس کو واضح کرو“، صمصعہ نے کہا۔ سنو! تین لمبی
چیزیں، کان، گردن اور ناک ہیں اور تین چھوٹی چیزیں وہ پشت، دُم کی ہڈی اور
عضو متاسل ہیں اور تین چوڑی پیشانی، نتھنے اور سرین ہیں اور تین صاف چیزیں

چڑا، آنکھیں اور گھر ہیں!۔ (عقد الفرید ۱: ۱۱۹)

(۶)

ایک مرتبہ معاویہ نے ان سے پوچھا: ”أَتُنَى النِّسَاءَ أَشْهَى إِلَيْكَ، ”کون سی عورت تم کو سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے؟“ کہا ”وہ عورت کہ جو بات مرد چاہے اس کو بجالانے والی ہو،“ معاویہ نے پھر کہا ”اچھا سب سے ناپسند کون سی عورت ہے؟“ کہا! ”وہ عورت کہ جو بات مرد کو پسند ہو،“ وہ اس سے دور دور ہو، معاویہ نے کہا۔ هَذَا النِّقَاحُ الْعَاجِلُ (یہ تو روادری کی بات ہے) صعصعہ نے کہا: ”بِالْمِيزَانِ الْعَادِلِ“ (لیکن بات چچی تلی ہے) (عقد الفرید ۷: ۱۱۷)

(۷)

ایک مرتبہ صعصعہ نے معاویہ سے کہا۔ ”اے امیر المومنین! ہم تم کو کس طرح عقل کی طرف نسبت دے سکتے ہیں جب کہ آدھا انسان تم پر چھایا ہوا ہے یعنی فاختہ بنت قرقظہ کی محبت تم پر مستولی ہے،“ معاویہ نے جواب دیا۔ یہ پری و ش صاحبان کرامت پر غالب آتے ہیں اور لیم ان پر غالب آتے ہیں!

(عقد الفرید ۷: ۱۱۷)

(۸)

کتاب کامل بہائی میں ہے۔ ”ایک دن معاویہ منبر پر خطبہ کہہ رہے تھے کہ اسی اثنا میں بلند آواز سے ان کے ایک ریح صادر ہوئی۔ مجمع میں اس سے ایک استعجابی کیفیت پیدا ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، معاویہ مجمع کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے۔ فوراً خطبے کو موقوف کیا اور اس طرح کہنا شروع کیا۔

اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے جسموں کو پیدا کیا اور ان میں ہماری روحوں کو ساکن کیا اور اس میں ریح قرار دیے اور ان کا نکلنا نفس کے لیے سبب

راحت قرار دیا پس اکثر وہ بے موقع اور بے وقت بھی نکل جاتے ہیں پس اگر کسی سے ایسا امر سرزد ہو جائے تو وہ ملزم نہیں ہے۔

صعصعہ اس وقت مسجد ہی میں موجود تھے فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا۔

”اے معاویہ! آپ سچ کہتے ہیں، بیشک اللہ نے ہمارے بدنوں کو پیدا کیا اور اُن میں ہماری رگوں کو ساکن کیا اور اس میں ریاہ قرار دیے اور جن کا نکلنا نفس کے لیے موجب راحت بنایا لیکن ان کا ارسال بیت الخلا میں راحت قرار دیا ہے اور منبر پر بدعت۔“

یہ کہہ کر نیچے بیٹھ گئے اور اہل شام سے کہا۔ ”تمہارا امیر ہگ بھرا ہے اب نہ اس کی نماز ہو سکتی ہے نہ تمہاری“ اور مسجد سے نکل کر مدینے کی طرف چل دیئے۔

(محاسن المومنین)

(۹)

ایک مرتبہ تکتے جاتے ہوئے صعصعہ ایک قوم کی طرف سے گزرے لوگوں نے پوچھا۔ ”کہاں سے آرہے ہو؟“ جواب دیا ”من الفج العمیق“ پھر سوال کیا۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ کہا ”البیت العتیق“ لوگوں نے کہا ”هل كان من مطر“ (کیا وہاں بارش تھی) جواب دیا ”نعم عفی الاثر، وانظر الشجر ووهده الحجر“ (بیشک نشانات مٹ گئے اور درخت سوکھ گئے ہیں اور پتھر چٹخ گئے) پھر لوگوں نے سوال کیا۔ ”کون سی آیت کتاب اللہ میں سب سے زیادہ محکم ہے؟“ کہا۔ ”فمن يعمل مثقال ذرة خیراً یروہ ومن یعمل مثقال ذرة شرّاً یرہ“ (تاریخ ابن مساکر ۶: ۲۶۲)

ایک مرتبہ بنی فزارہ کا ایک شخص صعصعہ سے الجھ گیا اور کہنے لگا ”اے صوحان کے بیٹے! تم نے صرف اپنی لسانی سے لوگوں کو مرعوب کر لیا ہے لیکن اگر میں

چاہوں اور تمہیں چٹ جاؤں تو سب بولنا بھول جاؤ گے اور اگر بولو گے تو اس کا جواب تلوار کی دھار سے زیادہ تیز زبان سے پاؤ گے، پھر تم کو نے جھانکتے پھرد گے،“ صعصعہ اس بے سواد کی یہ بات سن کر دل میں ہنسنے اور کہنے لگے۔

”مرد خدا، اگر میں تیرے پاس کوئی نشانہ پاتا تو ضرور تیرا اندازی کرتا بلکہ میرے سامنے تو ایک بے روح تصویر ہے اور ایک ایسی سراب جو ایک طویل و عریض میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھ رہا ہو مگر جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا، ہاں اگر تو میری برابر کا ہوتا تو تیری پونجی کو سنان سے زیادہ تیز آلے سے کاٹ کر پھینک دیتا اور ایسے تیروں سے تیرا مقابلہ کرتا جو تجھ کو جواب میں تیر پھینکنے کا موقع ہی نہ دیتے، پھر تیری ناک میں ایسی ٹکیل ڈالتا جو تیرے دہانے کو پھاڑ کر رکھ دیتی۔“ مسعودی لکھتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو جب فزاری کی اس گفتگو کا علم ہوا تو وہ ہنسنے اور کہنے لگے۔ ”اگر یہ مرد فزاری اپنے نفس پر اتنا جبر کر لے جتنا کہ پتھروں کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے آنے میں ہوتا ہے تو یہ بات اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ عبدالقیس کے بھائی کو جاہل سمجھ رہا ہے

(مروج الذهب ۲: ۸۲)

ایک مرتبہ معاویہ کے سامنے دیر تک کچھ بات چیت کی جس سے پسینہ آ گیا، معاویہ بولے۔ ”بَهْرُكُ الْقَوْلِ“ ”بولنے نے تم کو تھکا دیا“ صعصعہ نے جواب دیا ”اِنَّ الْحَيَادَ فِضًّا جَاةٌ لِلْمَاءِ“ ”پیشک!“ ”اصل گھوڑے کو پسینہ آتا ہی ہے“

(عیون الاخبار ۲: ۱۵۳)

صعصعہ کے آثارِ علمیہ:

مسعودی لکھتا ہے۔

(صعصعہ بن صوحان کی بہت سی دلچسپ چیزیں اور بہت سا ایسا کلام ہے جو

فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نقطے پر ہے اور ایجاز و اختصار کے ساتھ ساتھ نہایت واضح اور سلیس، منجملہ اس کے ان کا وہ کلام بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس کی صحبتوں میں واقع ہوا، جس کی روایت مجھ سے مدائنی نے زید بن طلحہ شیبانی کے حوالے سے کی ہے۔

اس ذیل میں اُس نے صمصعہ کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں، اس کے علاوہ تاریخ و ادب کی دوسری کتابوں میں بھی جستہ جستہ ان کے حکیمانہ اقوال ملتے ہیں جن کا استیعاب بہت وقت چاہتا ہے، البتہ نمونے کے طور پر چند اقوال نقل کرتا ہوں۔
(۱) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ان سے سوال کیا ”مالسود فیکم“ ”سرداری کیا ہے“۔ صمصعہ نے جواب دیا۔

”کھانا کھانا، نرمی سے بات کرنا، جو کچھ موجود ہو اس کو بخش دینا، مرد کا سوال کرنے سے اپنے نفس کو باز رکھنا اور چھوٹوں اور بڑوں سے محبت کرنا۔“

(مروج الذهب ۲: ۶۵)

(۲) ابن عباس نے پھر پوچھا۔ ”حلیم کون ہے؟“ صمصعہ نے جواب دیا:-
من ملک غَضْبَاءِ فلم یفعل و سَعِی الیہ بحقِّ او باطلٍ فلم یقبل و وجد قاتل ابیہ و اخیہ فصفح ولم یقتل

(مروج الذهب ۲: ۶۵)

” (حلیم وہ ہے) جو غیظ و غضب کے وقت اقدام نہ کرے اور سچی یا جھوٹی کوئی چغلی اس سے کی جائے تو اس کو قبول نہ کرے اور اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو پالے تو معاف کرے اور قتل نہ کرے۔“

(۳) ایک مرتبہ ابن عباس نے ان سے پوچھا۔ ”فارس (شہسوار) کون ہے؟“ صمصعہ نے کہا:

الفارس من قصر الجبلۃ فی نفسہ و ضغم علی املہ
بضرہ و کانت الحرب اھوں علیہ من امسہ ذلک الفارس
اذا و قدت الحروب و اشتدت بالانفس الکروب و تداعوا
للنزالی و تخالسو المھج و اقتحموا بالسیوف اللجج۔

”شہسوار وہ ہے جو موت کو حقیر سمجھتا ہو اور اپنی آرزوؤں پر پورا پورا قابو رکھتا
ہو، جنگ اس کے لیے نہایت آسان ہو، شہسوار وہی ہے کہ جنگ کے شعلے بھڑک
رہے ہوں اور جانیں سخت کرب میں مبتلا ہوں اور میدان میں ایک دوسرے کو
مقابلے کے لیے بلا رہا ہو اور جان کی بازی لگی ہوئی ہو اور تلواروں کے ساتھ
خطرات کے منجھار میں ڈوب رہے ہوں۔“

ابن عباس نے یہ سن کر کہا:۔ ”(مرحبا اے صوحان کے بیٹے! بیشک تم ان
قوموں کے فرزند ہو جو صاحبانِ کرامت اور خطیب فصیح ہیں)“

(۴) ایک مرتبہ معاویہ نے ان سے پوچھا۔ جو دکیا ہے؟ جواب دیا:۔

”مال تبرعاً دے ڈالنا اور سوال سے پہلے عطا کرنا“ (عقد الفرید: ۱۸۳)

(۵) ایک مرتبہ معاویہ نے مروت کے بارے میں ان سے سوال کیا۔ کہا۔

صبر اور خاموشی، پس صبر ان مصائب پر جو تیرے اوپر پڑیں اور خاموشی اس

وقت تک جب تک بولنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابن عساکر ۶: ۲۲۳)

ایک مرتبہ معاویہ نے صعصعہ سے کہا۔ ”تم صرف بولنا ہی جانتے ہو اور کلام کی
کجی اور راستی پر غور نہیں کرتے، اچھا اگر سوچ سمجھ کر جواب دو تو بتاؤ افضل مال کیا
ہے؟“ صعصعہ نے جواب دیا ”میں اس وقت تک کلام نہیں کرتا جب تک وہ
میرے سینے میں پک نہیں جاتا اور اس وقت تک نہیں بولتا جب تک اس کے ہر
پہلو پر غور نہ کر لوں“ من۔

(۶) ”بیشک بہترین مال وہ دانہ ہے جو مٹی میں ملا ہوا ہو یا وہ بھیڑ جو سر سبز وادی میں چر رہی ہو یا وہ چشمہ جو زمین پر پہاڑ کی بلندی سے گر رہا ہو۔“
 معاویہ نے کہا۔ خدا تمہارا بھلا کرے سونا چاندی پھر کیا ہے؟ کہا۔
 ”(یہ دونوں بھڑکتی ہوئی آگ ہیں، اگر ان کی طرف رخ کرو گے تو خرچ ہو جائیں گے اور چھوڑ دو گے تو بڑھیں گے نہیں)“ (عقد الفرید ۲: ۳۳۹)
 ایک مرتبہ اپنے بھتیجے سے انھوں نے کہا۔

(۷) اِذَا رَأَيْتَ الْمُؤْمِنَ فِخَالِصَهُ وَ اِذَا رَأَيْتَ الْفَاجِرَ فِخَالِفَهُ وَ
 دِينَكَ لَا تَكَلِّهِ اِلَى اَحَدٍ اِنَّ الْفَاجِرَ يَرْضٰی مِنْكَ بِالْخُلُقِ الْحَسَنِ
 وَ اِنَّهُ لِحَقِّ عَلِيكَ اِنْ تَخَالَصَ الْمُؤْمِنَ (ابن عساکر ۶: ۴۲۶)
 جب کسی مومن کو دیکھو تو اس کے ساتھ خلوص سے پیش آؤ اور جب کسی بدکار کو
 دیکھو تو اس کی مخالفت کرو، اور اپنا دین کسی کے حوالے مت کرو، یقیناً بدکار حسن
 اخلاق کے ساتھ تم سے راضی ہو جائے گا لیکن مومن کا تم پر یہ حق ہے کہ اس کے
 ساتھ خلوص رکھو!

صعصعہ کا ایک تاریخی خطبہ:

۴۳ھ میں جب مختلف مقامات سے خارجیوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور گورنر
 کوفہ مغیرہ بن شعبہ کو اس کی اطلاعات پہنچیں تو اس نے تمام سردارانِ قبائل کو بلا کر
 ایک تقریر کی اور کہا ”میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی قوم کے پاس
 جائے اور ان کو سنبھالنے میں میرا ہاتھ بنائے ورنہ مجبوراً مجھے وہ کچھ کرنا پڑے گا جو
 تمہارے لیے ناپسندیدگی کا سبب ہوگا۔“

صعصعہ بن صوحان قبیلہ عبدالقیس کے سردار تھے، ان کو اگرچہ معلوم تھا کہ حیان (خارجی) سلیم بن محدود عبیدی کے گھر مہمان ہے مگر انھیں یہ ناگوار ہوا کہ اُن ہی کے قبیلے کا صرف اس وجہ سے مواخذہ ہو کہ وہ اہل شام سے جدا ہو گیا ہے اور ان سے ہم آہنگی نہیں رکھتا، اس موقع پر انھوں نے اپنے قبیلے والوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا۔

(ترجمہ) اٰیُّهَا النَّاسُ! بیشک اللہ نے جس کے لیے تمام تعریفیں ہیں جب فضیلت تقسیم فرمائی تو تم کو اس کے بہترین حصے سے مخصوص کیا، پس تم نے اللہ کے اس دین کو قبول کیا جس کو خدا نے اپنی ذات کے لیے اختیار فرمایا اور اپنے ملائکہ اور اپنے رسل کے لیے اس کو منتخب کیا، پھر تم رسول اللہ کی وفات کے وقت تک اس دین پر قائم رہے، اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا چنانچہ ایک جماعت تو ثابت قدم رہی اور ایک مرتد ہو گئی، ایک نے مداخلت اختیار کی اور ایک نے تڑبھس، مگر تم چونکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تھے اس لیے اسی دین سے وابستہ رہے اور اس وقت تک تم برابر مرتدین سے برسرِ پیکار رہے جب تک اللہ نے اپنے دین کو از سرِ نو ممکن نہ دے دیا اور ظالموں کو برباد نہ کر دیا، اسی کی برکت سے خداوند تعالیٰ برابر تمہاری خیر و برکت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ امت میں پھوٹ پڑ گئی، ایک جماعت کہتی تھی ہم اہل مغرب کو چاہتے ہیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ ہم صرف اپنے نبی کے اہل بیت کو چاہتے ہیں جن کے ذریعے سے اللہ عزوجل نے پہلی بار ہم کو کرامت عطا فرمائی یہ صرف تمہارے ساتھ اللہ کی تائید اور اس کی توفیق کا نتیجہ تھا، تم برابر حق پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری طرح ہدایت یافتہ دوسرے لوگوں کے ذریعے سے یومِ جمل کے ناکشیں اور یومِ نہر کے مارقین کو تباہ و برباد کر دیا لیکن وہ اہل شام کی

طرف سے بالکل خاموش رہا کیونکہ غلبہ ان ہی کو حاصل تھا خوب سمجھ لو کوئی قوم، تمہاری اور تمہارے خدا کی اور تمہارے نبی کے اہل بیت کی ایسی دشمن نہیں جیسے یہ بد بخت اور خاٹی لوگ جنہوں نے ہمارے امام سے مفارقت کی اور ہمارے خون کو حلال کر دیا اور ہمارے خلاف کفر کی شہادت دی، خبردار! اگر تم نے ان کو اپنے مکانات میں پناہ دی یا ان کے خلاف کسی بات کو پوشیدہ رکھا، کیونکہ عرب کے کسی قبیلے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی ان مارقہ کا دوست ہو۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے چند آدمی، قبیلے کے ایک جانب موجود ہیں اور میں ان کی تلاش میں ہوں، پس اگر یہ بات سچ ہے تو میں ان کے خون کے ذریعے تقرب الہی حاصل کروں گا کیونکہ ان کے خون حلال اے قبیلہ عبد القیس کے افراد! یاد رکھو! کہ ہمارے یہ والیان ملک تم کو اور تمہاری رایوں کو تم سے بہتر جانتے ہیں تم اپنے خلاف ان کو کسی طرح راہ نہ دو کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے امثال میں بہت جلد اثر پیدا کر لیتے ہیں (تاریخ کامل ابن اثیر ۱۸۶:۳ اطبری ۱۰۶:۶)

مؤرخ کامل لکھتے ہیں۔ صمصمہ کی اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ کہنے لگے ”ان پر خدا کی لعنت ہو“، خدا ان سے بیزار ہو، ہم ان کو پناہ نہ دیں گے اور اگر ہم کو ان کی جائے پناہ معلوم ہوگی تو ہم آپ کو اس کی اطلاع کر دیں گے۔ البتہ سلیم بن ممدوح عبدی خاموش رہا اور غمگین ہو کر واپس چلا گیا کیونکہ اس کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کو گھر سے نکال دے۔

صمصمہ اور کلام امیر المومنین:

صمصمہ کی ہستی یوں تو جامع کمالات تھی لیکن ان تمام حیثیات میں ان کی حیثیت خطابت و بلاغت سب سے زیادہ نمایاں ہے جس کو صرف امیر المومنین علی بن ابی طالب کے فیضِ صحبت کا اثر کہا جاسکتا ہے، اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ انھوں

نے آپ کے خطبات اور کلام کو محفوظ نہ کیا ہو لیکن افسوس ہے کہ ان کے مرویات بہت کمی کے ساتھ ملتے ہیں، ممکن تھا کہ اگر قدیم مولفین کی تمام مولفات آج موجود ہوتیں تو امیر المومنین کا بہت سا کلام صعصعہ کی روایت کے ساتھ ہم کو مل جاتا۔ بہر حال میری ناقص تحقیق میں حسب ذیل صرف دو کلام ملے ہیں جن کو صعصعہ نے روایت کیا ہے۔

۱۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے اب میں تم میں سے کسی کو ان کے مشابہ نہیں پاتا وہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ غبار میں اُٹے ہوئے ہوتے تھے اور راتیں، سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔ (نح البلاغہ: ۱۱۳)

یہ کلام جامع نح البلاغہ کے استاد شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ نے کتاب الارشاد صفحہ ۳۸ میں صعصعہ کی روایت سے حسب ذیل طریقے پر نقل کیا ہے:

نیز امیر المومنین کا کلام خیبر صحابہ کے ذکر میں جس کو صعصعہ بن صوحان نے اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی جب سلام سے فارغ ہوئے تو سیدھے ہو کر رو بہ قبلہ بیٹھ گئے یہاں تک کہ سورج تمہاری اس مسجد (جامع کوفہ) کی دیوار سے ایک نیزے کی بقدر بلند ہو گیا، پھر آپ نے ہماری طرف اپنا رخ کیا اور اس طرح فرمایا۔

”میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تمام رات عبادت الہی میں گزارتے تھے اور جب صبح کرتے تھے تو اس حالت میں کہ ان کے سر غبار آلود ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے زانوؤں کی طرح گٹھے پڑے ہوتے تھے اور جب موت کا ذکر ان کے سامنے ہوتا تھا تو اس طرح لرزتے تھے اس طرح بیڑ

ہوا سے ہلتا ہے۔“

(۲) امیر المومنینؓ کا خط جو آپ نے مالک اشتر کو والی بناتے وقت اہل مصر کے نام تحریر کیا ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے۔

بندۂ خدا علی امیر المومنینؓ کی طرف سے اس گروہ کی طرف جو اللہ کے لیے لوگوں کا مور و عتاب بنے جبکہ زمین میں اس کی نافرمانی ہوتی تھی (نچ ابلاغہ ۲: ۲۴) یہ پورا خط ابو العباس احمد بن علی النجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے کتاب الرجال ص ۱۴۴ میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ معصعہ سے روایت کیا ہے۔

ابن نوح کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن الحسین بن سفیان ہمدانی نے بیان کیا، انھوں نے علی بن احمد بن علی بن خاتم بن اسمعیل سے، انھوں نے عباد بن یعقوب سے، انھوں نے عمرو بن ثابت سے انھوں نے جابر سے جابر کا بیان ہے کہ مجھ سے شعبی نے معصعہ کی زبانی بیان کیا کہ جب امیر المومنینؓ نے مالک اشتر کو مصر کا والی بنایا تو اہل مصر کے نام حسب ذیل خط تحریر فرمایا۔

بندۂ خدا امیر المومنینؓ کی طرف سے مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف، تم پر سلام ہو! میں تمہاری طرف اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، بعد ازاں میں نے تمہاری طرف اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو بھیجا ہے جو ایام خوف میں سوتا نہیں اور دشمنوں سے دلگیر نہیں ہوتا۔

وفات:

یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ معصعہ جیسی تاریخی شخصیت کی وفات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے مؤرخین نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ معاویہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا (تہذیب التہذیب ۳: ۴۲۳، طبقات ابن سعد ۶: ۱۵۴)

دیا امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت سے جو ۴۰ھ میں واقع ہوئی ۶۰ھ تک ان کی وفات دار ہے۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ان سے صرف ۴۳ھ تک ان کا وجود کوفے میں ملتا ہے اس کے بعد کسی مقام پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صعصعہ کا وجود چونکہ ارباب حکومت کی نگاہوں میں بہت کھٹکتا تھا اس لیے نامعلوم طریقے سے ان کو ختم کرانے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ عام حالات میں اگر ان کی وفات ہوئی ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی صحیح تاریخ ضبط تحریر میں نہ آتی۔ اس خیال کی تائید اصحاب کی حسب ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

علائی نے زیاد کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ مغیرہ نے معاویہ کے حکم سے صعصعہ کو کوفے سے نکال کر ان کو بحرین کے جزیرہ ادالی اور ایک روایت کی بنا پر جزیرہ ابن کافان میں بھیج دیا تھا وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مرزبانی نے ان پر یہ دو شعر کہے ہیں۔ (اصابہ ۳: ۲۶۰، مطبوعہ مکتبہ ۱۲۳۵ھ)

هَلَّا سَأَلْتُ نَبِيَّ الْجَارِ وَدَايَ فَتَيَّ عِنْدَ الشَّفَاعَةِ وَالْبَانَ ابْنَ
صُوحَانَ كُنَّا وَكَانُوا كَاهِلٍ أَرْضَعْتَ وَكَدًّا عَقْتَ وَلَمْ تَجْزِ
بِأَلَا حَسَانَ أَحْسَانًا۔ (اصابہ ۳: ۲۶۰، مطبوعہ مکتبہ ۱۲۳۵ھ)

حافظ ابن عساکر نے ان دو شعروں کو خود صعصعہ کے کلام کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ (تاریخ ابن عساکر ۶: ۴۲۶)۔

صعصعہ کے کردار پر ایک نظر:

امیر المومنینؑ کے اصحاب میں صعصعہ کو جو چیز ممتاز بناتی ہے وہ ان کے کردار کی عظمت ہے۔ ان کی زندگی کا ایک طویل دور ایسے حالات میں گزرنا جب علی کا نام لینا ارباب حکومت کی نظر میں ناقابل عفو جرم تھا اور چُن چُن کر دوست دار ان

علی کو قتل و قید کی سزائیں دی جاتی تھیں لیکن صعصعہ نے نہایت دلیری اور بلند آہنگی سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور کسی وقت اپنے نقطے سے نہیں ہٹے۔ انھوں نے جس طرح آزادی کے زمانے میں اعلائے کلمۃ الحق کیا اسی طرح معاویہ کی قید میں رہ کر بھی اپنے اس فرض کو بدرجہ اتم انجام دیا۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پہلا مظاہرہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ہوا جبکہ وہ بالکل نوعمر تھے لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں جمہوریت کی روح باقی تھی اس لیے ان کے اس جذبے کی قدر کی گئی اور حضرت عمر نے یہ کہہ کر ان کی ہمت افزائی کی ”انت مٹی وانا مینک یا ابن صوحان“۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانے میں اگرچہ حالات بدل چکے تھے اور خود ان کی طبیعت میں بھی وہ سادگی نہ تھی جو ان کے بیشتر وؤں میں تھی۔ ان کے لیے کسی کا ٹوک دینا جذبہ اقتدار پسندی پر گراں تھا لیکن صعصعہ ان کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرنے سے نہ بچوے، چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ اس پورے دور میں وہ اموی حکام کے جبر و استبداد کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہے، جس کی پاداش میں انھیں قید اور نظر بندی کی سزائیں بھگتنا پڑیں، حالانکہ صعصعہ جن بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کو دیکھتے ہوئے ہر حکومت کو ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے خود معاویہ ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے اور کہا کرتے تھے ”هذا سهم من سهام علی“ ”صعصعہ علی کے تیروں میں سے ایک تیر ہے“ اس بنا پر اگر وہ بھی عقل بن ابی طالب کی طرح معاویہ کے یہاں چلے گئے ہوتے تو مرکزی حکومت میں بہت بڑی جگہ پاسکتے تھے لیکن انھوں نے حق کے مقابلے میں دنیوی جاہ و منصب کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک نشر فضائل اہل بیت میں سرگرم رہے۔

امام حسنؑ کی صلح کے بعد معاویہ تمام قلمرو اسلامی کے خود مختار فرماں روا تھے انھوں نے اپنے تمام عہدال کے نام یہ احکام بھیج دیئے تھے کہ علیؑ اور آل علیؑ پر سب و شتم اور عثمان پر طلب مغفرت و رحمت کرنے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ چنانچہ ۴۱ھ میں انھوں نے جب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تو اس کو بھی یہی نصیحت کی ہے حکومت کے اس تشدد سے شیعہ ان علیؑ میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی اور علیؑ کا نام زبان سے نکالنے کو وہ اپنے قتل کا مرادف سمجھتے تھے لیکن صحصہ کے استقلال میں اس وقت بھی کوئی فرق نہیں آیا اور جس سرگرمی کے ساتھ وہ امیر المومنین کے زمانہ خلافت میں آپ کے فضائل بیان کرتے تھے اسی طرح اب بھی ان کا یہی معمول تھا۔ چنانچہ مغیرہ کو ان کے بارے میں جب یہ اطلاعیں پہنچیں کہ وہ علی الاعلان علی کے فضائل بیان کرتے ہیں تو ان کو بلا کر اس نے حسب ذیل فہمائش کی۔

”خبردار! میں کبھی تمہارے متعلق یہ نہ سنوں کہ تم حضرت عثمان کو متہم کرتے ہو نیز یہ بات بھی میرے کانوں تک نہ پہنچے کہ تم علیؑ کے فضائل بیان کرتے ہو کیونکہ تم سے زیادہ میں خود اس امر سے واقف ہوں لیکن اب یہ بادشاہ غالب ہو گیا ہے اور اس نے علیؑ کے متعلق لوگوں میں عیب جوئی کرنے پر ہم کو مجبور کر دیا ہے اس لیے ہم ان بہت سی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جن کا وہ حکم دیتا ہے اور ایسے امور کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر کے سوا چارہ کار نہیں ہے اس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو اپنے سے دور رکھتے ہیں اس لیے اگر تم علی کے فضائل بیان بھی کرو تو صرف اپنے آپس میں اور اپنے مکانوں پر، باقی رہا یہ امر

کہ مسجدوں میں اعلانیہ طریقے سے علیؑ کا ذکر کیا جائے تو خلیفہ ہماری اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔“

(طبری ۶: ۱۰۸ و کامل ابن اثیر ۳: ۱۸۵)

مؤرخ کامل لکھتے ہیں مغیرہ کی اس فہمائش کا صمصمہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور بدستور وہ اپنے رویے پر قائم رہے جس کی وجہ سے مغیرہ کو ان سے کینہ ہو گیا۔

(طبری ۶: ۱۳۲)

دوسری طرف صمصمہ کے کردار کا یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ حکومت سے اتنے اختلافات کے باوجود کوئی روایت یہ نہیں بتاتی کہ انھوں نے کسی وقت کوئی ایسا قدم اٹھایا ہو جو فتنے کا سبب ہوتا بلکہ اس کے برخلاف تمام جائز حدود تک انھوں نے اپنے احکام کے ساتھ تعاون ہی کیا ہے، چنانچہ اسی مغیرہ کے ایام حکومت میں خارجیوں کے خلاف انھوں نے برابر اس کا ساتھ دیا ہے جو ان کی امن پسندانہ ذہنیت کا روشن ثبوت ہے۔

مغیرہ کی مذکورہ بالا گفتگو سے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ وہ دل سے علیؑ کی فضیلت کا معترف تھا اور آپ کے اصحاب کو وہ برگزیدگان الہی میں سمجھتا تھا لیکن حرص جاہ اس پر چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف وہ اپنے امیر کی پالیسی پر عمل کرتا تھا، اسی کے ساتھ حتی المکان وہ ایسے اقدامات سے اپنے کو بچائے رکھتا تھا جن کے بغیر اس کو کوئی مادی نقصان نہ پہنچے، چنانچہ کوفہ میں اس نے جب تک حکومت کی حجر بن عدی کے قتل کو ٹالتا رہا اور اپنے بعد میں آنے والے حاکم پر اس کام کو چھوڑ دیا، لوگوں نے جب اس سے اصرار کیا تو جواب دیا میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے نیک لوگوں سے قتل کی ابتدا کروں کہ وہ تو سعادت حاصل کریں اور میں شقاوت میں مبتلا ہو جاؤں، معاویہ کو تو دنیا میں

عزت ملے اور مغیرہ قیامت کے دن ذلیل ہو۔

امیر المومنینؑ نے اس کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ اس کے کردار کی پوری پوری تصویر ہے۔

”(اے عمار! اس شخص کو چھوڑو کیونکہ اس نے دین سے فقط اتنا ہی حاصل کیا ہے جس سے دنیا ہاتھ آجائے، اس نے جان بوجھ کر اپنے نفس کو شبہ میں ڈال رکھا ہے تاکہ اپنی لغزشوں سے معذرت خواہ ہونے کے وقت ان شبہات کو عذر میں پیش کر سکے۔)“ (نچ البلاغ طبع بیروت ۲: ۱۲۴)

صعصعہ اور مورخین اسلام:

عام طور سے صعصعہ اور ان کے اصحاب پر مسلمانوں کی طرف سے فتنہ انگیزی کا الزام عائد کیا جاتا ہے معین الدین احمد ندوی، حضرت عثمان کے عہد خلافت کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کوفے کے انقلاب پسندوں کے سرغنہ، اشتراغی، جناب بن کعب، ابن ذی الحکمہ، صعصعہ ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی تھے ان کا کام حضرت عثمان کو بدنام کرنا تھا یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آکر سعید بن العاص اور اشراف کوفے نے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ کوفے کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انھیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو معادیہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو!

(تاریخ اسلام حصہ اول)

ہمیں تعجب ہے کہ اس علم و تحقیق کے زمانے میں تاریخ نویسی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ واقعات پر سرے سے پردہ ڈال دیا جائے اور صرف اپنی رائے پر فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ مؤرخ کا کام کسی کو باغی، سرکش اور فتنہ انگیز کہنا نہیں ہے اس کا کام صرف واقعات و حقائق کو سامنے رکھ دینا ہے۔ فاضل مولف نے جس کو ”ذرا ذرا سی بات“ فرمایا ہے وہ مظالم کی پوری پوری داستانیں ہیں۔ مثال کے طور پر سعید بن العاص کا اپنی شہنشاہیت کے نشے میں یہ کہنا کہ یہ تمام زمینیں قریش کی ہیں، ہم اس میں سے جتنا چاہیں لے سکتے ہیں یا ہاشم بن عقبہ جیسے مقدس صحابی رسول کو صرف اتنی سی بات پر کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق یہ کہا تھا ”میں نے چاند دیکھا ہے“ زد و کوب کرنا اور جذبہ عناد میں ان کا گھر جلا دینا ایسی معمولی بات نہیں ہے جس کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکتا۔ ان زیادتیوں پر صصعہ اور ان کے اصحاب نے اگر کوئی احتجاجی آواز بلند کی تو اس کو فتنہ انگیزی کس طرح کہا جاسکتا ہے اور اگر جابر حکام کے خلاف کوئی آواز اٹھانا یا ان پر تنقید کرنا ہی فتنہ انگیزی ہے تو پھر ہر مصلح فتنہ انگیز قرار پاتا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ایک طرف تو یہی مؤرخین اسلامی جمہوریت کے ثبوت میں ان ہی واقعات کو فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں دوسری طرف جب خلفا کی حمایت پر تلے ہیں تو ان کے متعین کردہ فاسق و فاجر عمال پر بھی تنقید گوارا نہیں کرتے۔ سعید بن العاص، ولید بن عقبہ، زیاد بن سمیہ، مروان یا حضرت عثمان کے مقرر کردہ دیگر اعمال کا فسق و فجور اور بد طبیعتی تاریخ اسلام کے کس طالب علم سے پوشیدہ ہے، ان کے مقابلے میں صصعہ حارث اعمور، عمرو بن الحمق، کمیل بن زیاد جیسے مقدس اصحاب علی کو فتنہ انگیز بتانا معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔

ابو الطفیل عامر بن واثلہ الکنانی

نام و نسب :

عامر نام، کنیت ابو الطفیل، نکلے کے رہنے والے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے :-
عامر بن واثلہ بن عبد اللہ بن عمرو بن جابر بن خمیس بن جدی بن سعد بن لیث
بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار

(اغانی ۱۵۹/۱۳)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ عمرو بھی ان کو کہا جاتا ہے لیکن پہلا نام
زیادہ صحیح ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

صحابیت :

ابو الطفیل کی پیدائش غزوہ احد کے سال ۳ھ میں ہوئی تھی اور بالاتفاق صحابی
رسول تھے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل روایات ان کے تذکرے میں ملتی ہیں۔
(۱) عمارہ بن ثوبان نے ابو الطفیل سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے۔
میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام جعرانہ میں دیکھا تھا کہ آپ
گوشت تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ایک خاتون آئیں، آنحضرتؐ نے اُن
کے لیے اپنی چادر بچھادی، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ انھوں
نے بتایا یہ آپ کی رضاعی ماں (حلیمہ سعدیہ) ہیں۔ (اسد الغابہ ۹۶/۳)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں۔ حافظ نے بطریق ابو یعلیٰ اُن (ابو الطفیل) سے اس روایت کا اخراج کیا ہے نیز بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے (تاریخ ابن عساکر ۲۰۰/۷)

(۲) سعید جریری راوی ہیں کہ ابو الطفیل کہا کرتے تھے ”میرے سوا روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسا نہ ملے گا جو تم سے کہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”کیا آپ آنحضرتؐ کا کچھ حلیہ بیان کر سکتے ہیں؟“ کہا بیشک! ”آپ میانہ قد تھے رنگ سفید تھا اور طبع تھے۔“

(اسد الغابہ ۹۷/۳)

اس روایت کو مسلم اور امام احمد نے بھی قدرے لفظی تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ابن عساکر ۲۰۰/۷)

(۳) ابن جعفی کا بیان ہے۔ مجھ سے ابو الطفیل نے کہا۔ ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آٹھ سال پائے ہیں اور احد کے سال میں پیدا ہوا۔“

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں۔ ”وقد صحح البخاری لهذا“ بخاری نے اس روایت کی صحیح تصحیح ہے۔

(۴) حافظ نے امام احمد کی اسناد سے ابو الطفیل سے اخراج کیا ہے، ”وہ کہتے تھے میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا ہے جب کہ میں بالکل لڑکا ہی تھا، آپ ایک ناقے پر بیٹھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود کو ٹھک کر چھو رہے تھے۔“ اس کو ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔

(۵) یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کہا ہے ہم سے عقبہ بن مکرم نے، یعقوب بن اسحق نے، مہدی بن عمران حنفی نے بیان کیا، ان کا بیان ہے کہ

میں نے ابوالطفیل کو یہ کہتے ہوئے سنا، بدر کے دن میں لڑکا تھا، میری ازار کو اوپر سے باندھ دیا گیا تھا اور میدان سے پہاڑ پر گوشت لے لے کر جا رہا تھا۔

اس روایت کے بارے میں مولف تہذیب التہذیب لکھتے ہیں۔ مجھے اس روایت کے ایک لفظ ”یوم بدر“ میں شک ہے اور صحیح ”یوم حنین“ ہے واللہ اعلم۔

اقوال علماء:

ابوالطفیل کے صحابی رسول ہونے کے بارے میں محدثین اسلام کے حسب ذیل اقوال ملتے ہیں جن کے بعد ان کے صحابی رسول ہونے میں کسی قسم کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

(۱) مسلم کا قول ہے کہ ابوالطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا اور آپ کا انتقال صحابہ رسول میں سب سے آخر میں ہوا۔ (تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

(۲) ابن سکین کا قول ہے۔ ابوالطفیل کا رسول اللہ کو دیکھنا وجوہ ثابتہ کے ذریعے ان سے مروی ہے البتہ سماع حدیث آنحضرتؐ سے اس طرح ان سے مروی نہیں ہے۔

(۳) ابن عدی کا قول ہے۔ ابوالطفیل کو صحبت رسولؐ حاصل تھی اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً بیس احادیث روایت کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ۸۲/۵)

(۴) ابن مندہ کا قول ہے۔ (ابوالطفیل) نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت رسولؐ کو اہل حدیث کے ایک گروہ نے ثابت کیا ہے۔

(۵) خلیفہ بن خیاط کا قول ہے۔ ابوالطفیل پہلے کوفہ میں آئے، اس کے بعد مکہ میں قیام کیا یہاں تک کہ ۱۰۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ رسول

اللہ کے اصحاب میں سب سے آخر میں مرے۔ (ابن عساکر ۲۰۰/۷)

روایت حدیث:

ابو الطفیل نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے جس پر قریب قریب تمام محدثین کا اتفاق ہے، صرف ابن سکین نے یہ کہا ہے کہ ابو الطفیل کا سماع براہ راست آنحضرتؐ سے وجہ ثابت کے ذریعے اُن سے مروی نہیں ہے (تہذیب التہذیب ۸۲/۵) لیکن اس کا مطلب بھی مطلقاً نفی سماع نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود ابو الطفیل نے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے حدیث کو سنا ہے۔

آپ کے بعد صحابہ میں سے انھوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، معاذ بن جبل، حذیفہ، ابن مسعود، عبد اللہ بن عباس، ابوسریحہ، نافع بن عبد الحارث، زید بن ارقم وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ اُن سے روایت کرنے والوں میں، امام زہری، ابوالزیر قتادہ، عبد العزیز بن رفیع، سعید بن ایاس الجریری، عبد الملک بن سعید بن ابجر، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی حسین، عکرمہ بن خالد مخزومی، عمارہ بن ثوبان، عمرو بن دینار، فرات القرآ، قاسم بن ابی بڑہ، کلثوم بن جبر، کہس بن الحسن، معروف بن خربوذ، منصور بن حیان، ولید بن عبد اللہ بن جمح، یزید بن ابی صیب وغیرہ کے نام ملتے ہیں

ان کی ثقاہت وعدالت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ ملاحظہ ہوں حسب ذیل اقوال۔
ابن سعد کا قول ہے۔ ابو الطفیل ثقہ فی الحدیث تھے لیکن شیعہ تھے۔

(ابن عساکر ۲۰۰/۷)

صالح بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ ابو الطفیل مکے کے رہنے والے اور ثقہ تھے۔

ابن عدی کا قول ہے۔ ان کی روایت میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ صرف مغیرہ (بن شعبہ) کے بارے میں یہ قول ملتا ہے کہ وہ ابوالطفیل سے روایت حدیث کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے امام بخاری بھی باوجود اپنی شدت کے ان کی عدالت میں کوئی قدح نہیں کر سکتے البتہ ان سے روایت نہیں کرتے جس کی وجہ صرف ان کا افراطی التشیع ہے۔ (ابن عساکر ۲۰۰/۷)

ابوالطفیل کا تشیع:

ابوالطفیل کے صحابی رسول ہونے پر جس طرح محدثین کا اتفاق ہے، اسی طرح ان کا شیعہ علی ہونا بھی مسلم ہے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

”ابوالطفیل امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے ساتھ اور آپ کے باوجاہت شیعوں میں تھے۔ امیر المومنین کو ان سے خاص لگاؤ تھا جو شہرت کی اس حد پر ہے جس کا ذکر کرنا فضول ہے۔“

اسد الغابہ میں ہے۔ ابوالطفیل، حضرت علی کے ان اصحاب میں تھے جو آپ سے حد درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کے ہمراہ تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں، اسی کے ساتھ مولف یہ بھی لکھتے ہیں کہ فضیلت شیخین کے وہ معترف تھے مگر حضرت علی کو ان پر ترجیح دیتے تھے۔ (اسد الغابہ دستیاب ۲۵۲/۲ و اصحابہ ۱۱۰/۷)

یہی قول ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصحابہ میں نقل کیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ صرف قول ہی قول ہے، تاریخی شواہد اس کا ثبوت پیش کرنے سے کلیۃً قاصر ہیں۔ یہ صرف ابوالطفیل کی شخصیت کا اثر ہے کہ شیخین کے لیے ان سے سند فضیلت حاصل کی جا رہی ہے۔

امیر المومنینؑ سے اُن کے والہانہ عشق کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابو الفرج اصفہانی نے جابر جعفی سے روایت کیا ہے۔

جابر کا بیان ہے۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت کے بعد، معاویہ جب خود مختار ہو گئے تو انھوں نے ابو الطفیل سے خط و کتابت کی اور بڑی خواہش کے ساتھ ان کو بلوایا، ابو الطفیل جب آئے تو معاویہ نے ان سے جابیہ کے بارے میں کچھ سوالات کرنا شروع کئے، اتنے میں عمرو عاص بھی اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو لے کر آ گئے، معاویہ نے ان سے کہا۔ ”آپ لوگ اس شخص سے بھی واقف ہیں؟ یہ ابو الحسن کے دوست ہیں۔“ اس کے بعد ابو الطفیل سے مخاطب ہو کر بولے۔ ”تم کو علی سے محبت کس درجے پر ہے؟“ ابو الطفیل نے جواب دیا ”اتنی محبت جتنی موسیٰ کی ماں کو تھی۔“ معاویہ نے پھر کہا۔ علیؑ پر تمہاری گریہ و بکا کا کیا عالم ہے؟ کہا۔ اتنی بکا جتنی پسر مردہ عورت اور عاجز بوڑھے کو ہوتی ہے اور کمی کا اللہ سے شکوہ کرتا ہوں۔ ابو الطفیل کے اس جواب پر معاویہ نے کہا۔ ”میرے ان اصحاب سے اگر میری بابت پوچھا جائے تو وہ ہرگز میرے لیے ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ تم نے اپنے صاحب کے بارے میں کہا ہے۔“ یہ سن کر ان کے اصحاب کہنے لگے ”بخدا! ہم باطل سے اپنی زبان آلودہ نہ کریں گے، معاویہ بولے۔ ”بخدا ایسا نہیں ہے، تم لوگ حق بھی نہ کہو گے۔“ (الاغانی ۱۵۹/۱۳)

ابو الطفیل اور معاویہ کا ایک دلچسپ مکالمہ:

ابو الطفیل کے کردار کا یہ نمایاں پہلو ہے کہ امر حق کے بارے میں انھوں نے کسی وقت اقتدار کی پروا نہیں کی، یہ ان کی خود اعتمادی اور شخصیت کا اثر تھا کہ ارباب حکومت باوجود اپنی کوشش کے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ ایک

موقعے پر معاویہ سے ان کی جو گفتگو ہوئی ہے اس سے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں یہ پوری گفتگو اغانی سے نقل کرتا ہوں۔

معاویہ: اے ابوالطفیل کیا تم بھی قاتلان عثمان میں تھے؟
ابوالطفیل: میں قاتلوں میں تو نہیں تھا لیکن ان لوگوں میں ضرور تھا جو وہاں موجود تھے لیکن ان کی نصرت نہیں کی۔

معاویہ: تم کو ان کی مدد کرنے سے کیا امر مانع تھا؟
ابوالطفیل: یہ امر کہ مہاجرین و انصار نے ان کی مدد نہیں کی۔
معاویہ: لیکن عثمان کا حق ان مہاجرین و انصار پر واجب تھا کہ وہ ان کی مدد کرتے۔
ابوالطفیل: تو پھر اے امیر المومنین! آپ کو ان کی نصرت کرنے سے کس چیز نے باز رکھا جب کہ آپ کے ساتھ اہل شام بھی تھے۔

معاویہ: میرا ان کے انتقام کے لیے کھڑا ہونا ہی ان کی نصرت ہے۔
ابوالطفیل: (ہنس کر) سبحان اللہ! آپ اور عثمان! بالکل وہی بات ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

(میں اپنے مرنے کے بعد ہرگز تجھ کو نہ پاؤں گا کہ تو میرے اوپر روئے جب کہ یہ معلوم ہے کہ میری زندگی میں تو نے مجھ کو کیا تو شہ دیا)۔

ابوالطفیل کی سیاسی زندگی:

ابوالطفیل نے تاریخ کا ایک طویل دور دیکھا ہے۔ ان کی زندگی میں واقعات نے جتنے پلٹے کھائے اور جس قدر حوادث سے وہ دوچار ہوئے، اس کی مثال ان کے معاصرین میں بہت کم ملتی ہے۔ ان کا شعر ہے۔

وما شأب رأی من سنین تتابعت

علیٰ ولیکن شیبتنی الوقائع

(استیعاب ۲/۶۵۳ در جال کشی صفحہ ۶۳)

خصوصاً واقعہ کربلا کے بعد انتقام خون حسینؑ کی جو تحریک شروع ہوئی ہے وہ ایسی ہمہ گیر تھی جس سے کوئی شیعہ علیٰ مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ چنانچہ ابوالطفیل بھی اس موقع پر مختار کے ساتھیوں میں نظر آتے ہیں۔

مؤرخین کا بیان ہے۔ محمد بن حنفیہ جب شام سے واپس ہوئے تو عبداللہ بن زبیر نے ان کو گرفتار کر لیا اور عارم کے قید خانے میں محبوس کر دیا۔ ان کے چھڑانے کے لیے کوفے سے جو لشکر روانہ ہوا ہے اس کے سردار ابوالطفیل تھے۔ یہ لشکر حجن عارم تک پہنچ گیا اور اس کو توڑ کر محمد حنفیہ کو نکال لیا، اس پر ابن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو لکھا کہ محمد حنفیہ کے اصحاب کی عورتوں کو بھیج دو۔ مصعب نے ان سب عورتوں کو وہاں سے نکال کر بھیج دیا۔ ان عورتوں میں ابوالطفیل کی زوجہ اور ان کا ایک صغیر لڑکا بھی بھی تھا۔ اس واقعے پر ابوالطفیل نے حسب ذیل اشعار کہے۔

إِنْ يَكُ سَيِّرَهَا مُصْعَبُ

فَأَنْيَ إِلَى مُصْعَبٍ ذَاهِبُ

اقوْدُ الْكِتْبِيَةِ مُسْتَلِمًا

كَأَنِّي أَخُو عِزَّةٍ أَجْرَبُ

(اغانی ۱۶۰/۱۳ و تاریخ کامل ۱۰۵/۴)

(ترجمہ) اگر مصعب نے اسے (زوجہ ابوالطفیل) بھیجا ہے تو میں مصعب کی طرف تکلیف اٹھا کر جاؤں گا، میں ایک مسلم اور تیار دستہ فوج کو لے کر وہاں پہنچوں گا، گویا کہ میں ایک صاحب عزت اور جنگ آزما آدمی ہوں۔

اس کے بعد ۶۷ھ میں جب مختار اور مصعب میں جنگ ہوئی اور مختار حروراء

پہنچ کر اپنے قصر میں پناہ گیر ہوئے، اس موقع پر ان کے ساتھ دیگر اصحاب میں ابوالطفیل کا نام بھی ملتا ہے۔

مصعب نے ان کا محاصرہ کر لیا اور سختی شروع کی، اس وقت مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو یہاں سے نکل کر ان سے جنگ کریں ورنہ اس طرح ہم اور کمزور ہو جائیں گے مگر کسی نے ان کا کہنا نہ مانا، ابوالطفیل نے اس وقت اپنے کو قلعہ کی فصیل سے گرا دیا اور یہ شعر کہا۔

ولما رأيتُ الباب قد حِيلَ دونه
تَكَسَّرَتْ بِسْمِ اللَّهِ فِيمَنْ تَكَسَّرَا

عبداللہ بن زبیر پر ابوالطفیل کے اشعار:

علامہ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں ایک مرتبہ عبداللہ بن صفوان کتے میں ابن زبیر کے پاس آئے اور عبداللہ بن عباس کی تعریف کی اور کہا۔ وہ لوگوں کو فقہ کا درس دیتے ہیں اور ان کے بھائی، عبید اللہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، لیکن یہ یاد رکھو کہ اب وہ تمہارے ہاتھ سے جاتے رہے، یہ سن کر ابن زبیر نے اپنے صاحب شرطہ، عبداللہ بن مطیع کو ان کے پاس بھیجا اور یہ کہلوا یا کہ تم نے اس جھنڈے کو پھر نصب کیا ہے جس کو اللہ نے گرا دیا ہے، تمہارے پاس لوگوں کا یہ مجمع کیوں ہوتا ہے۔ اگر تم نے یہ رویہ نہ چھوڑا تو مجبوراً مجھے کوئی سخت اقدام کرنا پڑے گا؛ عبداللہ بن مطیع نے جب یہ پیغام پہنچایا تو ابن عباس کو غصہ آ گیا اور کہا کہ ابن زبیر سے کہنا۔ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے ہمارے پاس دو آدمیوں کے سوا تیرا نہیں آتا، یا طالب فقہ یا طالب فضل، تم ان دونوں میں سے کس کو روکتے ہو! اس پر ابوالطفیل نے حسب ذیل اشعار کہے۔

لا درّ دژ للیالی کیف تضحکنا
 منها خطوب اعا جیب و تبکینا
 کنا نجی ابن عباس فیقبسنا
 علما و یکسبنا اجراً و یمهدینا
 ولو یزال عبیدالله منزعة
 جفانه مطعماً ضیفاً و مسکینا
 فالبرو الدّین والدنیا بدارها
 ننال منها الذی نبغی اذا شئنا
 انّ النبی هو النور الذی کشف
 به عمایات باقینا و ماضینا
 ورهطه عصمة فی دانینا و لهم
 فضل علینا و حق واجب فینا
 و لست فاعلیه اولی منورحمّاً
 یابن الزّبیر ولا اولی به دینا
 ففیهم تمنعهم عنّا و تمنعنا
 منهم و تؤذیهموا فینا و تؤذینا
 لن یؤتی الله من اخزی ببغضهم
 فی الدّین عزّاً ولا فی الارض تمکینا

(اغانی ۱۶۱/۱۳)

(ترجمہ)۔ زمانے کی گردشوں کا براہو، اس کے نئے نئے حادثات کس طرح
 ہم پر ہتے ہیں اور ہم کو زلاتے ہیں۔

۲۔ ہم ابن عباس کے پاس آتے تھے، وہ ہم کو علم سکھاتے تھے اور اس کے ذریعے سے اجر حاصل کرتے تھے اور ہماری ہدایت کرتے تھے۔

۳۔ اور عبید اللہ ہمیشہ اپنے پیالوں کو بھرا رکھتے ہیں، مہمانوں اور مساکین کو کھلانے کے لیے۔

۴۔ پس نیکی اور دین اور دنیا ان دونوں کے گھروں سے وابستہ ہے، ہم جب اور جو چیز چاہتے ہیں ان کے گھر سے پاتے ہیں۔

۵۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نور ہیں جن کے ذریعے سے ہمارے اسلاف کی اور ہماری تاریکیاں دور ہوئیں۔

۶۔ ان کا گھر انا ہمارے دین کا محافظ ہے اور ہمارے اوپر ان کا فضل ہے اور ہم پر ان کا حق واجب ہے۔

۷۔ اے ابن زبیر! جان رکھ کہ تو نہ رحم کے لحاظ سے ان سے اولیٰ ہے نہ دین کے لحاظ سے۔

۸۔ پس تم کس چیز میں لوگوں کو ہم سے اور ہم کو ان سے باز رکھتے ہو اور ہمارے بارے میں ان کو تکلیف دیتے ہو اور ان کے بارے میں ہم کو۔

۹۔ سمجھ لو کہ ان سے بغض رکھنے والے کو اللہ نہ دین میں عزت دے گا نہ زمین میں تمکین عطا کرے گا۔

ابن الاشعث اور ابو الطفیلؓ:

۸۱ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث اور اس کے ساتھ عراق کی فوج نے حجاج سے بغاوت کی جس کی وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ حجاج نے عبدالرحمن کو بلا درتبیل کی طرف بھیجا تھا، وہاں پہنچ کر اس نے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا اور حجاج کو اس کی اطلاع دی، اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی لکھا کہ آئندہ کچھ دنوں

تک اس کا سلسلہ موقوف رکھا جائے تا وقتیکہ راستوں سے واقفیت نہ ہو جائے اور تمام خراج وصول نہ ہو جائیں۔ حجاج نے عبدالرحمن کے اس مشورے کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور فوراً ایک تہدید کی خط لکھا کہ کسی حال میں فتوحات کو ملتی نہ کیا جائے، اس کے بعد دو خط اسی مضمون کے اور لکھے، آخری خط میں تھا کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو تمہارے بھائی اسحق بن محمد کو تمہاری جگہ بھیج دیا جائے گا ان خطوط کے پہنچنے پر عبدالرحمن نے لوگوں کو جمع کیا اور تمام صورتِ واقعہ کو ان کے سامنے رکھا، اس موقع پر عبدالرحمن کی تائید کرنے والوں میں سب سے پہلے ابوالطفیل کا نام ملتا ہے، چنانچہ ان کے بیٹے مطرف بن عامر، ناقل ہیں کہ اس موقع پر سب سے پہلے میرے باپ نے جو شاعر بھی تھے اور خطیب بھی، کھڑے ہو کر تقریر کی اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔

احجاج کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سب سے پہلے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ تو اپنے غلام کو گھوڑے پر سوار کر، اگر یہ ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہو گیا اور اگر زندہ بچ گیا تب بھی تو اس کا مالک ہے۔ حجاج کو شتمہ برابر بھی تمہاری پروا نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے تمہیں ایسے پرخطر ممالک میں بھیجا ہے۔ اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں فتح ہوئی تو مال غنیمت تو ضرور تم حاصل کرو گے مگر اس علاقے کی آمدنی سب اس کی ہے، اس طرح اس کی طاقت اور دبدبے میں اضافہ ہوگا اور اگر دشمنوں نے تم پر فتح پائی تو اس وقت حجاج کی نظر میں تم ایسے حقیر و ذلیل ہو جاؤ گے جن کی تکالیف کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا اور جن پر مطلقاً رحم نہیں کیا جاتا اس لیے آپ لوگ دشمنِ خدا حجاج کو چھوڑ دیجئے اور عبدالرحمن کو اپنا امیر بنالیں، میں اس کی ابتدا کرتا ہوں اور آپ سب کو اس پر گواہ بناتا ہوں)۔ (تاریخ طبری ۸/۸)

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے بیٹھنے سے قبل ہر طرف سے یہ آوازیں آنا شروع

ہوئیں کہ ہم آپ کی رائے پر عمل کرتے ہیں اور حجاج کو چھوڑتے ہیں۔

طفیل بن عامر کی شہادت:

عبدالرحمن اور حجاج کی یہ جنگ تاریخ کا ایک عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اس جنگ میں فقہاء، صحابہ و تابعین کی اکثریت نے عبدالرحمن کا ساتھ دیا جو سب کے سب تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اسی جنگ میں ابوالطفیل کے ایک بیٹے، طفیل بن عامر بھی شہید ہوئے۔ مؤرخ طبری لکھتا ہے طفیل نے عبدالرحمن کے ہمراہ کران سے آتے ہوئے فارس میں چند شعر کہے تھے جن میں حجاج کی موت کی آرزو کی تھی چنانچہ اس کے قتل ہونے کے بعد حجاج نے کہا ”تو نے میرے لیے ایسی بات کی تمنا کی تھی کہ خدا کے علم میں تو اس کا زیادہ مستحق تھا۔ دنیا میں اس نے فوراً ہی تجھے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا اور آخرت میں بھی وہی تجھ کو عذاب دینے والا ہے۔“

(تاریخ طبری ۱۲/۸)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالطفیل پر اس واقعے کا بے حد اثر ہوا اور انھوں نے اس پر حسب ذیل مرثیہ کہا۔

خَلَّى طَفِيلٌ عَلَى الْهَمِّ وَانْشَعَبَا
وَهَذَا ذُلُّكَ رَكْنِي هُدًى عَجَبَا
وَابْنِي سَمِيَّةٌ لَا اِنْسَاهَا اَبْدًا
فِيْمَنْ نَسِيْتُ وَكُلَّ كَانٍ لِي وَصَبَا
وَاخْطَأْتَنِي الْمَنِيَا لَا تَطَالَعْنِي
حَتَّى كَبُرْتُ وَلَمْ يَتْرُكْنِي لِي نَشَبَا
وَكَنتُ بَعْدَ طَفِيلٍ كَالَّذِي نَضَبْتُ
عَنْهُ الْمِيَاهُ وَغَاضَ الْمَاءُ فَانْقَضَبَا

فلا بعیر له فی الارض یرکبه
وان سعی اثر من قد فاته لغبا
وصار من ارض خاقان التي غلبت
ابناء فارس فی ارباءها غلبا
ومن سجستان اسباب تزینها
لك المنيّة حيناً كان مجتلبا
حتی وردت خياض الموت فانكشفت
عنك الكتائب لا تخفى الها عقبا
وغادروك صريعا رهن معركة
تُرى التّسور على القتلى بها عُصبا
تعاهدوا ثم لم يُرفوا بما عهدوا
واسلمو للعدوا لشبى والسلبا
يا سوئة القوم اذ تسبى نساء هم
وهم كثير يرون الخزي والحربا

(تاریخ طبری ۱۳/۸)

ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں اس مرثیے کے ۶ شعر نقل کیے ہیں جن میں
ابتدائی دو شعر تو یہی ہیں اور چار شعر ان پر مزید ہیں۔

فلن یرد بکاء المرء ما ذهباً
ولیس یشفی حزیناً من تذکرة
الا البکاء اذا ما ناح وانتحبا
فاذ سلکت سبیلاً، کنت سالکها

ولا محالة ان ياتي الذي كتبنا
فما لبطنك من ري ولا شبع
ولا ظلمت بنا في العيش مرتعباً

(اغاني ۱۶۱/۱۳)

مورخ کامل نے صرف چار شعر دیے ہیں جن میں تین تو وہی ہیں جو طبری میں ہیں اور حسب ذیل ایک شعر زائد ہے۔

مهيا نسيت فلا انساها اذ حقت
به الا سنة مقتولا ومسلبا

(تاریخ کامل ۱۹۳/۲)

شاعری:

ابو الطفیل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس طرح ایک بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے اسی طرح اعلیٰ درجے کے شاعر اور خطیب بھی تھے۔ علامہ ابن عبدالبر ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

ابن ابی خثیمہ نے شعراء صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور وہ فاضل، عاقل، حاضر جواب اور فصیح تھے اور علی کے شیعوں میں تھے۔ (استیعاب ۶۵۳/۲)

اس سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ بشر بن مروان، جس زمانے میں عراق کا گورنر تھا تو ایک دن اس نے بن زینم سے کہا کہ کنانہ کا کوئی بہترین شعر سناؤ!

اس پر اس نے ابو الطفیل کا یہ قصیدہ سنایا۔

ایہ عوننی شیخاً وقد عشت حقبة
وهن من الازواج نحوی نوازع

بشر نے جب یہ کلام سنا تو کہنے لگا ”تم نے سچ کہا فی الحقیقت یہ شخص اشعر شعراء ہے“

اسی طرح ایک موقع پر حجاج نے بھی انس سے اس قصیدے کی فرمائش کی، انس نے جب یہ قصیدہ سنایا تو حجاج نے کہا:-

اللہ اس منافق کو ہلاک کرے یہ کتاب بڑا شاعر ہے (اغانی ۱۵۹/۱۳)

ابو الطفیل کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود ان کے زمانے ہی میں ان کے اشعار کی اشاعت اس حد تک ہو گئی تھی کہ لوگ اکثر اجتماعات کے موقعوں پر ان کا کلام پڑھتے تھے چنانچہ ابو الفرج اصفہانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ قریش کے کچھ نوجوان کسی مقام پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور شعر پڑھے جارہے تھے اتنے میں طویس بھی آ گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا، لوگوں نے اس سے کہا۔ ”اے ابو عبد النعم! کیا اچھا ہو کہ اس موقع پر آپ بھی کچھ اشعار سنائیں“، طویس نے کہا۔ ”ضرور، میں تم کو ایسے بزرگ کا کلام سناتا ہوں جو رسول اللہ کے اصحاب اور علیؑ کے شیعوں میں ہے اور ان کے رایت کا حامل ہے، جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے تھے اور اپنی قوم کا سردار اور شاعر تھا“، لوگوں نے کہا۔ ”اے ابو عبد النعم! وہ کون شخص ہے؟“ طویس نے کہا ”وہ شخص عامر بن وائلہ ہے۔“ اس کے بعد ان کا حسب ذیل قصیدہ سنایا۔

ایہ عوننی شیخاً وقد عشت حقبة

وهن من الازواج نحوی نوازع

(اغانی ۱۶۲/۱۳)

مؤلف اغانی نے ان کے اور بھی بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جن کو بخوف

طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

آثارِ علمیہ:

ابو الطفیل کے آثارِ علمیہ میں ان کے وہ مریات ہیں جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز آپ کے اصحاب سے روایت کیے ہیں جن کا جمع کرنا مستقل ایک کام ہے، البتہ امیر المومنینؑ کے چند اقوال اور خطبے جو ”رجالِ نہج البلاغۃ“ کی تالیف کے دوران میں ابو الطفیل کی روایت کے ساتھ میری نظر سے گزرے ہیں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوف دو چیزوں کا ہے۔

(نہج البلاغۃ مطبع بیروت ۸۵/۱)

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی امالی صفحہ ۷۳ میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ ابو الطفیل سے روایت کیا ہے۔

(۲) اے لوگو! زہد آرزوؤں کا کوتاہ کرنا ہے اور نعمتوں کے وقت شکر بجالانا

اور محرمات کے موقع پر ان سے پرہیز کرنا۔

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے کتاب ”معانی الاخبار“ صفحہ ۹۲ میں حسب ذیل طریقے سے ابو الطفیل سے روایت کیا ہے۔

(۳) اگر میری اس تلوار سے مومن کی گردن مار دی جائے اس بات پر کہ وہ

مجھ سے بغض رکھے تو کبھی اس پر راضی نہ ہوگا۔ (نہج البلاغۃ ۲۸/۲)

یہ کلام شارح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح (۱/۱۹۹) میں حسب

ذیل سند کے ساتھ ابو الطفیل سے روایت کیا ہے۔

(عبدالکریم بن ہلال نے اسلم مکی سے ابو الطفیل کی زبانی روایت کی ہے۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے علی ابن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”اگر مومن کی

گردنیں میری تلوار کے نیچے رکھ دی جائیں تب بھی وہ مجھ کو دشمن نہ رکھے گا اور منافق پر اگر سونا اور چاندی بکھیری جائے تو بھی وہ مجھ کو دوست نہ رکھے گا۔
(۴) پوچھ لو مجھ سے، قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں۔

(نج ۱/۲۰۳)

یہ کلام علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ”الاغانی“ (۱۳/۱۵۹) میں حسب ذیل طریقے سے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے۔

مجھ سے ابو عبید اللہ صیرفی نے بیان کیا، انھوں نے فضل بن الحسن سے، انھوں نے ابو نعیم سے، انھوں نے بسام صیرفی سے انھوں نے ابوالطفیل سے سن کر بیان کیا۔ ابوالطفیل کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ علی علیہ السلام کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے اثنا خطبہ میں فرمایا۔ پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں، اس پر ابن الکواء کھڑا ہو گیا اور کہا اے امیر المومنین! ذرا بتائیے ”الذاریات درد“ کے کیا معنی ہیں، آپ نے جواب دیا ”الریاح“ (ہوا کیں) پھر اس نے پوچھا ”الحجاریات یسرأ“ کیا ہے؟ فرمایا کشتیاں، پھر پوچھا ”الحاملات وقوا“ کیا ہے؟ جواب دیا یہ بادل ہیں، پھر پوچھا ”المقسمات امرأ“ فرمایا ”ملائکہ“۔ اب اس نے سوال کیا۔ وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے ”بدلو انعمة الله کفرا“ انھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا (آپ نے جواب دیا۔ وہ قریش کے دو فاجر بنو اُمیہ اور بنو مخزوم ہیں، پھر اس نے سوال کیا ذوالقرنین کون تھا؟ آیا نبی تھا یا فرشتہ، فرمایا وہ ایک بندہ مومن تھا (یا صالحاً) جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت رکھتا تھا، اس نے اپنے دائیں قرن پر ایک ضرب لگائی اور مر گیا پھر زندہ ہوا اور بائیں قرن پر ضرب لگائی اور مر گیا اور تم میں اس کی مثل موجود ہے۔

وفات:

ابو الطفیل کی وفات کے بارے میں مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو الطفیل ایک جگہ دعوت ولیمہ میں بلائے گئے وہاں ایک مغنیہ نے طفیل کے مرغیے کا یہ شعر گانا شروع کیا۔

خَلَى طِفِيلٌ عَلَى الْهَمِّ وَانْشَعَبَا

وَهَذَا ذَلِكَ رَكْنِي هَدَا عَجَبًا

(طفیل نے میرے لیے ایسا غم چھوڑا ہے جو رگ سوپے میں سرایت کر گیا ہے اور جس نے میری قوت کو بالکل ختم کر دیا)

روایت میں ہے کہ ابو الطفیل پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ جنھیں مار مار کر رونا شروع کیا اور ہائے طفیل کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے جب دیکھا تو انتقال کر چکے تھے۔

(آغانی ۱۳/۱۶۱)

سنہ وفات کے بارے میں رجالین میں اختلاف ہے اس لیے یقین کے ساتھ کوئی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی پھر بھی ۱۰۰ھ تک ان کا بقید حیات رہنا یقینی ہے۔ مؤلف تہذیب التہذیب نے اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ مسلم کا قول ہے۔ ابو الطفیل کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔

۲۔ خلیفہ (ابن خیاط) کا قول ہے کہ ۱۰۰ھ کے بعد انتقال ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ۱۰۷ھ میں انتقال ہوا۔

۳۔ ابن البرقی کا قول ہے۔ ۱۰۲ھ میں مرے۔

۴۔ وہب بن جریر بن حازم نے اپنے باپ کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکے میں تھا کہ میں نے ایک جنازے کو دیکھا لوگوں سے جب اس کے

بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا۔ یہ ابوالطفیل ہے۔

۵۔ موسیٰ بن اسماعیل نے مبارک بن فضالہ سے، انھوں نے کثیر بن اعین سے سن کر بیان کیا وہ کہتے تھے کہ میں نے ۱۰۷ھ میں ابوالطفیل کو مکے میں کہتے ہوئے سنا۔ رسول اللہ ﷺ اور اس کے بعد پورا قصہ بیان کیا۔

(تہذیب التہذیب ۵/۸۲)

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں ان کی وفات ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ تک دائر ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا۔



الحارث بن عبد اللہ الاعور الہمدانی

نام و نسب:

حارث نام، کنیت ابو زہیر اعور لقب، کوفی کے رہنے والے تھے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: (میزان الاعتدال: ۱۷۶)

”الحارث الاعور بن عبد اللہ بن کعب بن اسد بن مخلد بن حوث واسمہ عبد اللہ بن سبع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن حشم بن حاشد بن حشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان و حوث ہوا خوا السبع ربط ابی اسحاق السیمی“ (ذیل الذیل الطبری: ۱۰۹)

علم و فضل:

حارث اعور کا شمار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ان اصحاب میں ہے جن کو صاحبان اسرار کہا جاتا ہے۔ عام طور سے ان کو ایک عابد و زاہد صحابی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اپنے وقت کے تبحر علماء میں تھا۔ انھوں نے علم فقہ و فرائض و حساب، حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا ان علوم میں وہ اپنے امثال میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، جیسا کہ ابن سعد کی حسب ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ہم کو فضل بن وکین نے خبر دی، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زبیر نے ابوالحق کی زبانی بیان کیا، ان کا قول ہے کہ عام طور سے لوگ کہا کرتے تھے کہ کوفے میں عبیدہ اور حارث اعمور سے زیادہ علم فرائض کا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۱۱۶)

شعبی جن کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے وہ حارث ہی کے خوشہ چینوں میں تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے علم فرائض و حساب، حارث اعمور سے حاصل کیا ہے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم حساب کے جاننے والے تھے (ذیل الذیل صفحہ ۱۰۹)

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

ابوبکر بن ابی داؤد کا قول ہے: حارث اعمور لوگوں میں سب سے زیادہ علم فقہ کے جاننے والے اور سب سے زیادہ علم فرائض و حساب کے جاننے والے تھے انھوں نے علم فرائض حضرت علی سے حاصل کیا تھا۔ آگے چل کر یہی مؤلف ایک دوسری روایت لکھتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ۱: ۱۷۶)

مرہ بن خالد کا بیان ہے کہ ہم سے محمد بن سیرین نے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ ابن مسعود کے اصحاب میں پانچ آدمی تھے جن سے اخذ و استفادہ کیا جاتا تھا، میں نے ان میں سے چار کا ادراک کیا ہے اور حارث اعمور کا ادراک نہ کر سکا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ حارث کو ان سب پر فضیلت دیا کرتے تھے (میزان الاعتدال ۱: ۱۷۷)

حارث کی علمی جلالت کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا:

علبا ابن احمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ علی بن ابی طالب نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا ”کون ہے؟ جو ایک درہم کے عوض علم کو خرید لے“۔ یہ سن

کر حارث اعمور نے ایک درہم دے کر کچھ صحیفے خریدے اور ان کو لے کر امیر المومنین کی خدمت میں آئے آپ نے علم کثیر اس میں لکھ دیا اس کے بعد جب دوبارہ آپ نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے اہل کوفہ تم پر آدھا آدمی غالب ہے (بسبب اپنے علم کے) (طبقات ۶: ۱۱۶)

حارث اعمور بحیثیت راوی حدیث:

حارث اعمور نہ صرف عالم اور عابد و زاہد تھے بلکہ راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ کافی بلند ہے۔ انھوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے احادیث کی روایت کی ہے نیز ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن مرہ، ابوالحق اور محدثین کی ایک جماعت ہے چنانچہ قریب قریب تمام محدثین اسلام نے حارث کی مرویات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے۔ وحدیث الحرث فی السنن الاربعہ حارث کی احادیث سنن اربعہ میں لی گئی ہیں۔ ان کی کثرت مرویات کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے جس کو ذہبی نے بندار کی زبانی روایت کیا ہے۔

بندار کا بیان ہے: میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا کچھ احادیث نقل کر رہا تھا کہ یحییٰ اور عبدالرحمن نے میرے ہاتھ سے قلم لے لیا اور تقریباً چالیس احادیث جو حارث نے علی بن ابی طالب سے روایت کی ہیں اسی وقت لکھ ڈالیں۔

(میزان الاعتدال ۱: ۱۷۷)

عام حالات:

حارث اعمور کے عام حالات زندگی سے تاریخ اسلام کا صفحہ بالکل سادہ نظر آتا ہے تاریخ کا یہ ایک ایسا زبردست خلا ہے جو قدم قدم پر امیر المومنین کے اصحاب

نیز آپ کے بعد دیگر ائمہ اہل بیت اور ان کے موالیان کے سلسلے میں ملتا ہے۔
حارث اعور کے رجحان طبع کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی اختلافات سے ان کو دلچسپی نہ تھی، پھر بھی ذات امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستگی کی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ جمل اور صفین جیسے اہم موقعوں پر وہ آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں، لیکن تاریخیں ان کے ذکر سے خاموش ہیں، صرف ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں نصر (بن مزاحم) کے حوالے سے جنگ صفین میں ان کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے، اس نے لکھا ہے کہ جس وقت امیر المومنین غخیلہ پہنچے ہیں تو آپ نے حارث اعور کو حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں منادی کر دیں کہ وہ غخیلہ میں اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے جائیں۔ (شرح ابن ابی الحدید: ۱۵۷)

اس سے پہلے ایک مقام پر وہ عثمان کے زمانہ خلافت میں نظر آتے ہیں، چنانچہ ۳۰ھ میں جب سعید بن العاص کو فہ کا گورنر ہو کر آیا ہے اور اس نے وہاں کے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا تو جو لوگ اس کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے ہیں اُن میں مالک اشتر، صعصعہ بن صوحان، کمیل بن زیاد وغیرہ کے ساتھ ان کا نام بھی ہے۔ (طبقات ابن سعد ۵: ۲۱)

اس کے بعد حارث اعور ۶۵ ہجری تک بقید حیات رہے اور اس دوران میں بہت سے اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے خصوصاً واقعہ بکر بلا جیسا الم ناک حادثہ پیش آیا لیکن حارث کا نام کسی مقام پر نہیں ملتا، معلوم نہیں کن وجوہات کی بنا پر واقعہ بکر بلا میں شرکت نہ کر سکے۔

حارث اعور کے بارے میں رجالیین اہلسنت کی رائیں:

حارث اعور اس دور کی شخصیتوں میں ہیں جب مسلمانوں میں سیاسی اختلافات نہایت سرگرمی کے ساتھ رونما ہو چکے تھے۔ جمل و صفین کے خونچکاں

مناظر نفاق و شقاق کا بیج بونچے تھے جس کے نتیجے میں شیعہ ایمان علی اور شیعہ ایمان عثمان دو مستقل گروہ وجود میں آ گئے تھے۔ حارث اعمور اگرچہ زندگی بھر ان اختلافات سے الگ رہے پھر بھی ذاتِ امیر المومنین سے وابستگی کی بنا پر وہ اس زد سے نہ بچ سکے، اس وقت تک اگرچہ اصطلاحی معنی میں شیعوں کا کوئی الگ فرقہ نہ تھا لیکن ایسے تمام اصحاب کے لیے جو حضرت علیؑ سے مذہبی طور پر عقیدت رکھتے تھے علمائے اہل سنت نے شیعہ غالی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آگے چل کر یہی چیز ان کی ثقاہت و عدالت میں قاذح قرار پائی چنانچہ ایک طرف تو حارث کی علمی جلالت، دوسری طرف اُن کا تشیع ان دونوں باتوں نے مل کر حارث کی شخصیت کو عجیب سا بنادیا ہے۔ ذہبی نے ان کے بارے میں علمائے اسلام کے تمام مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہوں:

- ۱۔ حارث اعمور کبار علماء تابعین میں ہیں لیکن انھیں ضعف ہے۔
- ۲۔ مغیرہ نے شعبی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے تھے: مجھ سے حارث اعمور نے بیان کیا اور وہ کذاب تھے۔
- ۳۔ منصور نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ حرث متہم تھے
- ۴۔ ابو بکر بن عیاش نے مغیرہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ حارث علیؑ سے جو روایت کرتے ہیں اس میں سچے نہیں ہیں۔
- ۵۔ ابنِ مدینی نے ان کو کذاب کہا ہے۔
- ۶۔ جریر بن عبد الحمید کا قول ہے کہ حارث مردود ہیں۔
- ۷۔ ابنِ معین کا قول ہے: وہ ضعیف ہیں۔
- ۸۔ عباس نے ابنِ معین کی زبانی بیان کیا ہے کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح نسائی نے کہا ہے اور ان ہی سے یہ بھی

روایت ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں۔

۹۔ دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔

۱۰۔ ابن عدی کا قول ہے کہ حارث کی مرویات عموماً غیر محفوظ ہیں۔

۱۱۔ یحییٰ بن القطان نے سفیان کی زبانی بیان کیا ہے ہم عاصم (بن صمرہ) کی حدیث کی فضیلت حارث کی حدیث پر خوب پہچانتے تھے۔

۱۲۔ عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے حارث اعمور کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا وہ ثقہ ہیں۔

۱۳۔ شعبی کا قول ہے کہ اس امت میں کسی پر اتنا جھوٹ نہیں بولا گیا جتنا علی رضی اللہ عنہ پر

۱۴۔ ایوب کا بیان ہے کہ ابن سیرین کی رائے تھی کہ حضرت علیؑ سے حارث کی روایت عموماً باطل ہوتی ہے۔

۱۵۔ مفضل بن مہلہل نے مغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ انھوں نے شعبی کو یہ کہتے ہوئے سنا ”مجھ سے حارث نے بیان کیا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھے۔“
۱۶۔ محمد بن شبیبہ النضبی نے ابواسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے: حارث اعمور کا یہ گمان ہے اور وہ کذاب تھے۔

۱۷۔ ابن حبان کا قول ہے: حارث غالی شیعہ تھے اور واپسی باتیں بیان کیا کرتے تھے۔ یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں۔

(میزان الاعتدال ۱: ۱۷۶-۱۷۷)

حارث کی احادیث سنن اربعہ میں لی گئی ہیں اور نسائی نے ان کے رجال میں شک کرنے کے باوجود ان سے احتجاج کیا ہے اور ان کے امر کو قوت دی ہے اور جمہور ان کے امر کو کمزور کرنے پر تملے ہوئے ہیں پھر بھی مختلف ابواب میں ان

سے احادیث کی بھی روایت کرتے ہیں یہی شعبی ان کو جھوٹا بھی بتاتا ہے اور ان سے حدیث کی روایت بھی کرتا جاتا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حارث کا کذب لہجہ اور حکایت میں ہے نہ کہ امر واقعہ میں۔

مولف کہتا ہے کہ علامہ نے شعبی پر تو یہ طنز کیا کہ وہ حارث کو جھوٹا بھی بتاتے ہیں اور ان سے روایت حدیث بھی کرتے ہیں لیکن اپنے قول پر انھوں نے غور نہیں کیا کہ حارث کو کبار علمائے تابعین میں بھی بتاتے ہیں اور ضعیف بھی کہتے ہیں۔ یہی حال ابن معین کا ہے کبھی تو وہ ان کو ضعیف کہتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ حارث سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عثمان دارمی جب ان سے سوال کرتے ہیں تو کہتے ہیں، حارث ثقہ ہیں۔ ابن سیرین اکابر تابعین میں ہونے کے باوجود ایک موقع پر تو کہتے ہیں کہ ابن مسعود کے پانچ اصحاب جو مرجع علماء تھے، حارث ان میں سب سے افضل تھے، دوسری جگہ کہتے ہیں کہ حارث علیؑ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ اسی طرح ابواحق اپنے علم و تقدس کے باوجود حارث کو کذاب بھی کہتے ہیں اور ان سے احادیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے۔

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے ابواحق کی زبانی بیان کیا کہ وہ حارث اعمور کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور وہ اپنی قوم کے امام تھے اور ان کے جنازوں کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور جب کسی جنازے کی نماز پڑھاتے تھے تو دائیں طرف صرف ایک مرتبہ سلام پھیرا کرتے تھے۔ (طبقات ۶: ۱۱۶)

ان سب باتوں کے علاوہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ علیؑ سے روایت کرنے میں

تو حارث جھوٹے ہیں لیکن حدیث نبوی کی روایت میں سچے آخر ایسا کس بنا پر ہے؟

حارث اعمور اور کلام مولا علیؑ کی جمع و تدوین:

کلام امیر المومنینؑ کی جمع و تدوین میں حارث کی خدمات ان کو اپنے اقران میں ممتاز بناتی ہیں۔ انھوں نے کلام علیؑ کے محفوظ کرنے میں زندگی بھر یہ التزام رکھا تھا کہ جو کچھ حضرت سے سنتے تھے اس کو فوراً قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدوق نے ابواسحق کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے عصر کے بعد خطبہ دیا، اس میں اللہ کی عظمت اور اس کے صفات کا ایسے دلکش پیرایے میں بیان کیا جو سننے والوں کو بے حد پسند آیا، ابواسحق کا بیان ہے کہ میں نے حارث سے کہا، کیا تم نے اس کو محفوظ نہیں کیا، حارث نے کہا نہیں بلکہ میں نے اس کو لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی کتاب سے وہ خطبہ ہم کو لکھوایا۔ (کتاب التوحید صفحہ ۲۱)

اسی کا سبب تھا کہ حارث کے پاس کلام علیؑ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ ایک مرتبہ جب امام حسنؑ نے اُن کو لکھا کہ آپ نے امیر المومنینؑ سے وہ احادیث سنی ہیں جو میں نہیں سن سکا تو حارث نے یہ ذخیرہ ایک اونٹ پر بار کر کے ان کی خدمت میں بھیجا۔

(ذیل المذیل بطبری صفحہ ۱۰۹)

اس کی تائید ابن سعد کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ عامر کی زبانی نقل کی ہے۔

ہم کو فضل بن دکین نے خبر دی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم سے شریک نے، ان سے جابر نے، ان سے عامر نے بیان کیا، عامر کا بیان ہے میں نے حسن حسینؑ کو دیکھا کہ وہ دونوں حارث اعمور سے حدیث علیؑ کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ۶: ۱۱۶)

حارث اعمور کی مرویات:

حارث اعمور سے اکثر موقعوں پر امیر المومنینؑ نے وہ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کو عامۃ الناس پر ظاہر نہیں کیا اور غالباً ان ہی مرویات کی بنا پر سواد اعظم کے محدثین کا ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ حارث علیؑ سے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ باطل ہوتا ہے، اسی سلسلے کی وہ حدیث ہے کہ کوئی محب میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے اور کوئی دشمن میرا اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ سمجھتا ہو اس حدیث کو عبد العزیز الکشی نے کتاب الرجال میں اور شیخ الطائفة نے اپنی امالی میں حسب ذیل طریقے پر وارد کیا:

شعبی سے روایت ہے کہ میں نے حارث اعمور کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک رات میں علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا ”اے اعمور! اس وقت آنے کا کیا سبب ہوا“، میں نے کہا، ”اے امیر المومنین! قسم بخدا! صرف آپ کی یاد اس وقت مجھ کو لائی ہے“۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: ”میں اس وقت تم سے ایسی بات بیان کرتا ہوں جس کو سن کر شکر ادا کرو گے، آگاہ ہو جاؤ! کوئی میرا محب اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ محبوب رکھتا ہے اور کوئی دشمن اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ مجھ کو ایسی حیثیت میں نہ دیکھ لے جس کو وہ مکروہ رکھتا ہو“۔

(رجال کشی صفحہ ۵۹، امالی شیخ الطائفة صفحہ ۳۰)

اس مضمون کو امیر المومنینؑ نے اشعار میں بھی نظم فرمایا ہے۔ جو آپ کے

دیوان میں موجود ہیں۔

یا حار ہمدان من یمت یرنی

من مومن او منافق قبلہ
 یعرفنی من طرفہ واعرفہ
 باسمہ ذالکُنئی وما فعلا
 وانت عند الصراط معترضی
 فلا تخف عشرة ولا زللا
 اقول للتارحين توقف للارض
 ذریہ لا تقرابی الرجال
 ذریہ لا تقربیه انّ له
 حبلا بحبل الوصى متصلا
 أسقیك من بارئ علی ظمأ
 تخاله فی الحلاوة العلا

(محاسن المومنین)

۲۔ ایک مرتبہ حارث اعور، امیر المومنین کے پاس آئے اور عرض کی، ”اے امیر المومنین! آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ ان احادیث کو پکڑ لیا ہے اور کتاب خدا کو پس پشت ڈال رکھا ہے، اس پر آپ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا، میں نے عرض کی: ”اس فتنے سے بچاؤ کی کیا تدبیر ہوگی،“ فرمایا! ”اللہ کی کتاب! جس میں تمہارے ماقبل کی بھی خبریں ہیں اور مابعد کی بھی اور جو معاملات تمہارے درمیان میں ہیں ان کا فیصلہ ہے، وہ ایک فیصلہ کن چیز ہے نہ کہ نعوذ و عبث، سرکشوں میں سے جو اس کو چھوڑے گا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا، اور جو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت کا طالب ہوگا تو اللہ اس کو گمراہ کر دے گا، وہ اللہ کی مضبوط رشتی ہے اور حکمت سکھانے والا ذکر اور سیدھا راستہ، وہ کتاب اللہ وہ ہے کہ عقلیں اس

سے ٹیڑھی نہیں ہوتیں نہ زبانیں اس سے ملتیں ہوتی ہیں نہ اس کے عجائب انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اس جیسا کوئی علم نہیں ہے، وہ ایسا کلام ہے کہ جنوں نے جب اس کو سنا تو کہنے لگے ”واثنا سمعنا قرانا عجبا یهدی الی الرشید“ (ہم نے عجیب کلام سنا جو رشد کی طرف راستہ دکھاتا ہے) جس نے اس کے مطابق کہا وہ سچا ہے اور جو اس سے جدا ہوا وہ زیادتی کا مرتکب ہوا، جس نے اس پر عمل کیا ماجور ہوا اور جس نے اس سے تمسک کیا وہ سیدھے راستے پر لگ گیا، خذھا الیک یا عور اے عور! اس کو لے لو!“

اس روایت کو علامہ ابن عبد ربیہ الاندلسی نے عقد الفرید (۹۹:۲) اور ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (۳۳:۲) میں بھی باختلاف الفاظ نقل کیا ہے۔

وفات:

تمام ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حارث عور کا انتقال عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۶۵ھ میں ہوا، اس وقت، عبداللہ بن زبیر کی طرف سے کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حارث عور کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو انھوں نے وصیت کی کہ میری نماز جنازہ عبداللہ بن یزید انصاری پڑھائیں۔ چنانچہ ان کی حسب وصیت ایسا ہی ہوا۔ ابواسحق کا بیان ہے کہ عبداللہ بن یزید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں، اس کے بعد ہم جنازے کے ساتھ ساتھ قبر تک آئے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن یزید نے کہا کہ جنازہ کو قبر کی پالنتی کی طرف رکھو، ابواسحق کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح جنازے کو رکھا اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ انھوں نے ان کے اوپر سے کپڑے کو ہٹا دیا، پس میں نے ان کے کفن پر ذریعہ کو دیکھا اس

کے بعد انھوں نے کہا کہ اس کپڑے کو اتار لو اس لیے کہ یہ مرد ہیں۔

(مروج الذهب ۱۹/۲)

دوسری روایت اسی ابو اسحق سے اس طرح ہے: حارث کی نماز جنازہ عبد اللہ بن یزید نے پڑھائی، انھوں نے قبر کے دونوں پاؤں کی طرف سے ان کو قبر میں داخل کیا اور کہنے لگے یہی طریقہ

امیر المومنین کا مکتوب گرامی حارث اعور کے نام:

”سید رضی“ جامع نہج البلاغہ نے مکاتیب کے ذیل میں امیر المومنین کا حسب ذیل خط حارث کے نام نقل کیا ہے۔ اس خط کی کوئی سند مجھے کسی متقدم کتاب میں نہیں مل سکی لیکن اپنے مضامین کے لحاظ سے چونکہ بے حد اہم ہے اس لیے اس کو بحسنہ نقل کیا جاتا ہے:

”قرآن کی رشی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اس سے نصیحت حاصل کرو، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو اور جو حق (انبیاء) گزر گیا ہے اس کی تصدیق کرو۔ ماضی کی تاریخ اور حال کے واقعات سے عبرت حاصل کرو کیونکہ دنیا کے بعض حصے بعض سے مشابہت رکھتے ہیں، اس کا آخری حصہ اس کے اوّل حصے سے مل جانے والا ہے، پھر نتیجے میں پوری دنیا متغیر ہونے والی اور مفارقت کرنے والی ہے۔ اللہ کے نام کو اس سے بہت بلند سمجھو کہ سوائے حق کے اس کی قسم کھاؤ! موت اور موت کے بعد پیش آنے والی منزلوں کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو اور موت کی آرزو نہ کرو مگر شرط محکم کے ساتھ اور ہر ایک ایسے عمل سے پرہیز کرو جس کا صاحب اپنے نفس کے لیے تو اسے پسند کرے لیکن عامۃ المسلمین کے لیے مکروہ سمجھے نیز ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو جس کو خفیہ طور پر کیا جائے اور اس کے اعلان میں شرم آتی ہو اور ایسے عمل سے بھی پرہیز کرو کہ جب

اس کے صاحب سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یا تو انکار کر دے یا اس کا کوئی عذر نکال کر رکھ دے۔ اپنی آبرو کو لوگوں کی چہ گویوں کا نشانہ نہ بناؤ اور ہر وہ بات جو تم نے سنی ہو اس کو لوگوں میں بیان نہ کرو! ایسا کرنا تم کو جھوٹ سے بچائے گا نیز ہر وہ بات جو تم سے بیان کی جائے اس کو لوگوں سے پوچھتے نہ پھر دو، ایسا کرنا تم کو جہالت سے محفوظ رکھے گا۔ غصے کو ضبط کرو، غیظ و غضب کے وقت حلم اور بردباری سے کام لو جب بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہو تو درگزر کرو، اس سرمایہ سے بے پرواہ ہو جاؤ جو نتیجہ میں تم ہی کو ملنے والا ہے اور ہر اس نعمت کی اصلاح چاہو جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے، اور اللہ کی کسی نعمت کو جو تمہارے پاس موجود ہے، ضائع نہ کرو نیز یہ کہ جو نعمتیں اللہ نے تم کو دی ہیں اس کے آثار تم پر ظاہر ہوں۔ خوب جان لو کہ مومنین میں افضل وہی ہے جو اپنے نفس اور اہل اور اپنے مال کی جانب سے آخرت کی طرف توشہ بھیج رہا ہے اس لیے کہ جو بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے وہ باقی رہے گی اور جس میں تاخیر کرو گے وہ تمہارے غیر کا ہو جائے گا ست اعتقاد اور بدکردار آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو کیونکہ انسان اپنے مصاحب کے ساتھ آزمایا جاتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں سکونت اختیار کرو کیونکہ وہ مسلمانوں کی جمعیت کے محل ہیں اور ان منزلوں سے پرہیز کرو جہاں رہ کر خدا کی یاد سے غفلت ہو اور جہاں جو رو جفا کی جھلک ہو، جہاں خدا کی اطاعت پر مدد کرنے والے بہت قلیل ہوں۔ اپنی رائے اور تدبیر اسی کام کے لیے وقف رکھو جو تمہاری اعانت کرے، بازاری نشست گاہوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ جگہیں فتنہ و فساد کا محل اور شیطان کی فرد گاہ ہیں۔ اس شخص پر کثرت کے ساتھ نظر کرو جس سے تم حیثیت میں زیادہ ہو کیونکہ اپنے سے پست لوگوں کے حال پر نظر کرنا شکر کرنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جمعے کے دن سفر نہ

کرو جب تک نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جاؤ سوائے اس صورت کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کوئی روانہ ہو یا پھر کوئی بڑی مجبوری پیش آجائے۔ اپنے تمام امور میں خدا کی اطاعت کرو کیونکہ خدا کی اطاعت تمام ماسوی اللہ سے افضل ہے۔ عبادت کرنے میں اپنے نفس کو فریب دو اور اس کے ساتھ ملاحت اور نرمی سے پیش آؤ۔ (زیادہ جبر اس پر نہ کرو) اس کو معاف اور خوش وقت کرتے رہو سوائے ان واجبات کے اس لیے کہ ان کی ادائیگی اپنے وقت پر ضروری ہے اور ڈرتے رہو مبادا موت تم پر نازل ہو جائے اور تم طلب دنیا کے سبب اپنے پروردگار کی رحمت سے بھاگ رہے ہو۔ فاسقوں کی مصاحبت سے پرہیز کرو کیونکہ شرارت، شرارت کے ساتھ ملحق ہے۔ اللہ کی تعظیم و توقیر کرو، اس کے دوستوں کو دوست رکھو، غیظ و غضب سے پرہیز کرو کیونکہ یہ شیطان کے لشکروں میں سے ایک عظیم لشکر ہے۔ (نہج البلاغہ، مطبوعہ بیروت ۷۰:۲)



عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی

نام و نسب:

عبداللہ نام، ابوالولید کنیت، مدینے کے رہنے والے تھے،

(تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

”عبداللہ بن شداد بن الہاد بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن بشیر بن عتوارہ بن عامر بن مالک بن لیث بن بکر بن عبدمنافہ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر“ (تہذیب التہذیب ۳۱۸/۴)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شداد کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ”ان کا اصلی نام ”اسامہ تھا اور شداد لقب ہے، اسی طرح ہاد کا نام بھی عمرو ہے، لیکن خلیفہ ابن خیاط کا قول ہے کہ اسامہ ”ہاد“ کا نام ہے نہ کہ شداد کا ”ہاد“ کے لقب کی وجہ تسمیہ علمائے رجال نے یہ لکھی ہے کہ اسامہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رات کو مہمانوں کی آمد و رفت کے لیے آگ روشن کیا کرتے تھے اس لیے ان کا لقب ”ہاد“ ہو گیا۔

(اصابہ ۱۹۷/۳)

عبداللہ بن شداد اس گرامی خانوادہ کی فرد ہیں جہاں ابتدا سے اسلام کا چرچا رہا ہے۔ ان کے والد شداد بن الہاد مسلمہ طور پر صحابی رسول تھے اور ابن سعد کی

صراحت کے بموجب جنگ خندق میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے۔ (اصابہ ۱۹۷/۳)

ان کی والدہ سلمیٰ بنتِ عیسٰی، اسماء بنتِ عیسٰی کی حقیقی بہن تھیں اور پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں رہ چکی تھیں جن سے ایک لڑکی عمارہ پیدا ہوئی، اس کے بعد حضرت حمزہ جب جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو شداد بن الہاد نے ان سے نکاح کر لیا، جس سے عبد اللہ بن شداد پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ۸۶/۶)

علم و فضل:

سوادِ اعظم میں عبد اللہ کا شمار کبار تابعین میں ہے، ابن سعد ان کے تذکرے میں لکھتا ہے: ”عبد اللہ بن شداد، ثقہ فقیہ، کثیر الحدیث اور شیعہ تھے“ اسی طرح عجل اور خطیب نیز ابو زرہ اور نسائی نے بھی ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ کبار تابعین میں تھے۔ (تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

انھوں نے اپنے والد، شداد بن الہاد، حضرت عمر، یعلیٰ، طلحہ، معاذ، عباس ابن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن جعفر نیز اپنی خالہ، اسماء بنتِ عیسٰی اور اپنی مادری خالہ میمونہ بنت الحارث اور اپنی سوتیلی بہن عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب، اُمّ المومنین حضرت عائشہ اور حضرت اُمّ سلمہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا، مولف تہذیب التہذیب نے اس سلسلے میں حسب ذیل اصحاب کا نام لیا ہے۔

سعد بن ابراہیم، ابواسحاق شیبانی، معبد بن خالد، حکم بن عتیبہ، ذر بن عبد اللہ المرصی، ربیع بن حراش، طاؤس، محمد بن کعب القرظی، ابو جعفر الفراء، محمد بن عبد اللہ بن ابی یعقوب نصبی وغیرہ (تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

استیعاب میں ہے عبداللہ بن شداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے، اہل علم سے تھے، انھوں نے حضرت عمر، حضرت علیؓ اور اپنے والد شداد بن الہاد سے روایت کی ہے۔ (استیعاب ۳۸۶/۱)

عام حالات:

عبداللہ بن شداد کے حالات میں اگرچہ تاریخ خاموش ہے پھر بھی اس قدر یقینی ہے کہ ذات گرامی امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کو گہرا تعلق تھا اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ کم از کم اہم موقعوں پر آپ کے ہمراہ نہ رہے ہوں لیکن تاریخ میں کسی مقام پر ان کا ذکر نہیں ملتا صرف ابن المدنی نے نہرواں میں ان کی موجودگی کی نشان دہی کی ہے اس کی تائید حافظ ابن عساکر کے بیان سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے ابن الکواء کے تذکرے میں عبداللہ بن شداد کی زبانی حضرت عائشہ سے ان کی طویل گفتگو نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفین کے وقت سے نہرواں تک وہ برابر امیر المومنینؓ کے ہمراہ رکاب رہے ہیں اور آپ کی ہر نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا ہے ذیل میں یہ پوری گفتگو نقل کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے: ”ایک مرتبہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اس وقت وہ عراق سے واپس آئی تھیں، میں جب جا کر بیٹھا تو کہنے لگیں: اے عبداللہ! اگر تم سچ سچ بیان کرو تو کچھ باتیں تم سے دریافت کروں؟ ذرا ان لوگوں کی بابت کچھ بیان کرو، جن سے علیؓ نے قتال کیا ہے“، میں نے کہا: ”اُمّ المومنین! کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ سے سچی سچی بات بیان نہ کروں، کہا: اچھا ان لوگوں کا پورا قصہ بیان کرو“ ان کے اس استفسار پر میں نے اس طرح کہنا شروع کیا:

”علیؓ نے جب معاویہ سے مکاتبت کی اور آخر میں حکمین پر رائے قرار پائی تو آٹھ ہزار آدمیوں نے ان پر خروج کیا جن میں سب کے سب قاریان قرآن

تھے اور کوفہ کے قریب ایک مقام پر جس کو حرراء کہتے ہیں پڑاؤ ڈال دیا اور امیر المومنینؑ کی بیعت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے: اے علی! تم نے اس قمیض کو اتار پھینکا جو اللہ نے تم کو پہنائی تھی اور جس کے ذریعے سے اس نے تم کو بلند کیا تھا، پھر تم آزاد ہو گئے اور اللہ کے دین میں انسانوں کے حکم کو جائز قرار دے دیا، حالانکہ اللہ کے سوا کسی کے لیے حکم نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ کو جب ان لوگوں کی برہمی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ منادی کر دی جائے کہ امیر المومنینؑ کے پاس صرف وہی لوگ آئیں جو حافظانِ قرآن ہوں۔ اس اعلان پر تمام لوگ آگئے جو سب کے سب حافظِ قرآن تھے اور پورا گھرانہ سے بھر گیا۔ جب یہ لوگ مجتمع ہو کر بیٹھے تو آپ نے ایک بڑا سقر آن منگوا یا اور اس کو اپنے سامنے رکھا اور آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے اس کو اپنے ہاتھ پر اٹھانا شروع کیا ”اے قرآن! ان لوگوں سے کلام کر! اس پر چاروں طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں اے امیر المومنینؑ! اس صامت سے آپ کیا دریافت کر رہے ہیں یہ تو صرف کاغذ اور روشنائی ہے، حالانکہ ہم وہ بات کہہ رہے ہیں جو ہم نے اس سے روایت کی ہے، آخر آپ کا کیا ارادہ ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تمہارے اصحاب ہی کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب ہے، سنو! اللہ اپنی کتاب میں مرد اور عورت کے بارے میں فرماتا ہے:

”وإن خفتم شقاقَ بينهما فابعثوا حكماً من أهله و
حكماً من أهلها“

”اور اگر تم کو زن و شوہر کے درمیان کسی نا اتفاقی کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے بھیجو۔“

پس امتِ محمدیہ اپنی حرمت کے اعتبار سے ایک مرد اور ایک عورت سے کہیں

زیادہ ہے، تم لوگ مجھ سے اس بات پر برہم ہو کہ میں نے معاویہ سے مکاتبت کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صلح حدیبیہ کے دن کفار قریش سے معاملہ کیا تھا جب کہ سہیل بن عمرو آیا ہے، پس آپ نے صلح کے بارے میں وہ سب کچھ لکھا جو آپ نے چاہا اور کفار نے چاہا، اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ“۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے عبد اللہ بن عباس کو اہل حروراء کے پاس بھیجا۔ عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں بھی ان کے ساتھ چلا، جب ہم دونوں ان کے لشکر کے بیچ میں پہنچے تو عبد اللہ ابن الکواء کھڑا ہو گیا اور اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے کہا: اے حاملانِ قرآن! یہ عبد اللہ بن عباس ہیں، جو شخص ان کو نہیں جانتا میں اس کو کتاب اللہ کے ذریعہ ان کا تعارف کراتا ہوں۔ یہ وہ شخص ہیں جن کے بارے میں اور جن کی قوم کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ”بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ“ پس ان کو ان کے صاحب (علیؑ) کے پاس پلٹا دو اور کتاب اللہ سے ان کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ ابن الکواء کی اس بات پر اس کے اصحاب کھڑے ہو گئے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: قسم بخدا! ہم ضرور ان کے سامنے اللہ کی کتاب رکھیں گے، پس اگر انھوں نے حق بات کہی اور ہماری سمجھ میں بھی آگئی تو ہم اس کا اتباع کریں گے اور اگر باطل کہا تو ہم بھی باطل سے اس کی مزاحمت کریں گے اور ان کو ان کے صاحب کے پاس پلٹا دیں گے۔ چنانچہ تین دن تک ان لوگوں نے قرآن پر ان سے بات چیت کی، جس کے نتیجے میں ان کے چار ہزار آدمی ٹوٹ گئے اور امیر المومنینؑ سے رجوع کر لیا۔ یہ سب لوگ قاریانِ قرآن تھے۔ ابن الکواء ان کو ہمراہ لے کر امیر المومنینؑ کے پاس آیا۔

اب آپ نے بقیہ لوگوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہا: ایہا الناس! ہماری اور ان لوگوں کی جو بات چیت ہوئی اس کا نتیجہ تم نے پچشم خود دیکھ لیا، اب جہاں چاہو تم ٹھہرے رہو! یہاں تک کہ امت محمدیہ کا امر مجتمع ہو جائے، ہم اس وقت تک اپنے نیزوں کو تم سے بچائیں گے جب تک تمہاری طرف سے ابتداء نہ ہو، پس اگر تم نے کوئی زیادتی کی تو ہم بھی جنگ کریں گے، یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میری یہ گفتگو سن کر اُمّ المومنین نے فرمایا: ”اے شداد کے بیٹے! تم نے قتل ہی کر دیا“، میں نے کہا: ”قسم بخدا! علیؑ نے اس وقت تک اُن کی طرف لشکر نہیں بھیجا جب تک انھوں نے راستے نہیں کاٹے اور خونریزی نہیں کی، انھوں نے حباب کے بیٹے کو قتل کیا اور اہل ذمہ کا جان و مال حلال سمجھا“، اُمّ المومنینؑ نے کہا: ”اللہ! میں نے کہا: ”اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے“، ”فی الحقیقت ایسا ہی ہے“، اس پر وہ کہنے لگیں: ”عراق والوں سے مجھ کو جو خیریں پہنچی ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے اور ذوالعہدہ یہ کیا واقعہ ہے؟“ میں نے کہا: میں نے اس کو پچشم خود دیکھا ہے اور امیر المومنینؑ کے ہمراہ اس کی لاش پر جا کر کھڑا ہوا ہوں، آپ نے لوگوں کو بلا کر فرمایا تھا: تم میں سے کون شخص اس کو پہچانتا ہے؟ جس پر بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ہم نے اس کو بنی فلاں کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، وغیرہ وغیرہ“ اُمّ المومنینؑ نے کہا: ”اچھا تو علیؑ جب اس کے قریب جا کر کھڑے ہوئے تو وہ کیا کہہ رہے تھے؟“ میں نے کہا: میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ”صدق اللہ ورسولہ“ اللہ اور اس کا رسول سچا ہے، میری اس بات پر متعجب ہو کر بولیں: ”کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی تم نے ان کو کہتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: بخدا!

کچھ نہیں، فرمایا: ”بے شک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے، اللہ علیٰ پر رحم فرمائے“، ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی عجیب بات دیکھتے تو کہتے تھے ”صدق اللہ ورسولہ“ (ابن عساکر ۳۰۱/۷)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ، اہلِ حر دراء کے خلاف علی کے اقدام پر تذبذب میں تھیں اور اس لیے آپ حالات کو دریافت کر کے حقیقت کو سمجھنا چاہتی تھیں نیز آخر میں انھوں نے ذوالہدیہ کے بارے میں جو تحقیق کے ساتھ پوچھا اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرت کی زبان مبارک سے آپ یہ پیشین گوئی سن چکی تھیں جیسا کہ نسائی کی حسبِ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ میں جناب امیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سفر کے کپڑے پہنے ہوئے آیا، امیر المومنین اس وقت لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے عرض کی مجھ کو کچھ پوچھنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ امیر المومنین اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، وہ شخص ایک آدمی کے پاس بیٹھ گیا، اس سے اس نے پوچھا، کیا بات ہے؟ کہنے لگا: میں ایک مرتبہ بحالتِ عمرہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت انھوں نے مجھ سے دریافت کیا: جس قوم نے تمہارے ملک میں خروج کیا ہے اس کو حروریہ کیوں کہتے ہیں، میں نے کہا: چونکہ حروراء سے خروج کیا ہے اس لیے حروریہ کہے جاتے ہیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: مبارک ہے وہ شخص جو تم میں سے ان کے قتل کرنے میں شریک ہوا، اگر ابنِ ابی طالب کا منشا ہو تو میں تم کو ان کے حال سے خبردار کروں لہذا اس وقت میں اس لیے آیا ہوں کہ امیر المومنین سے اس کے متعلق دریافت کروں۔ راوی کا بیان ہے کہ امیر المومنین جب لوگوں سے باتیں کر چکے تو اس

شخص کی طرف مخاطب ہوئے، اس نے وہی قصہ جو ہم سے بیان کیا تھا آپ سے بھی بیان کیا اس پر امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آنحضرتؐ کے پاس بجز حضرت عائشہ کے اور کوئی موجود نہ تھا، آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا: اے علی تم اس وقت کیا کرو گے جب قوم کا حال ایسا اور ایسا ہوگا، میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اس کے بعد آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا: مشرق کی طرف سے ایک گروہ خروج کرے گا اس جماعت کے لوگ قرآن پڑھتے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے اس طرح بھاگیں گے جس طرح تیر کمان سے بھاگتا ہے، اس میں ایک ناقص الخلق آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ پستان کی طرح ہوگا۔

عبداللہ بن شداد کی وصیت اپنے بیٹے کو:

عبداللہ بن شداد کے علمی کارناموں میں ان کی ایک طویل وصیت ہے جو انھوں نے مرتے وقت اپنے بیٹے محمد کو کی ہے۔ اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشعار عرب اور اقوال حکماء پر پوری پوری بصیرت تھی۔

ذیل میں اس کو پورا نقل کرتا ہوں۔

وَلَسْتُ أَرَى السَّعَادَةَ جَمَعَ مَالٍ
وَلَكِنَّ التَّقَى هُوَ السَّعِيدُ
وَتَقْوَى اللَّهِ خَيْرُ الزَّادِ دُحْرًا
وَعِنْدَ اللَّهِ لِلتَّقَى مَزِيدٌ
وَمَا لَا يُدَانُ يَأْتِي قَرِيبٌ
وَلَكِنَّ الَّذِي يَمْضِي بَعِيدٌ

وَعُدَّ مِنَ الرَّحْمَنِ فَضْلاً وَ نِعْمَةً
 عَلَيْكَ إِذَا مَا جَاءَ لِلْخُرْفِ طَالِبُ
 وَإِنْ أَمْرٌ لَا يُرْتَجَى الْخَيْرُ عِنْدَهُ
 يَكُنْ هَيِّنًا ثِقَلًا عَلَى مَنْ لِصَاحِبِ
 فَلَا تَمْنَعَنَّ ذَا حَاجَةٍ جَاءَ طَالِباً
 فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَتَى أَنْتَ رَاغِبُ
 رَأَيْتُ التَّاهِظَا الزَّمَانَ بِأَهْلِهِ
 وَبَيْنَهُمْ فِيهِ تَكُونُ الثَّوَابُ
 أَجُودُ بِمَكُونِ الثَّلَاثِ ، وَ أَنْتِي
 بِسِرِّكَ عَمَّنْ سَأَلَنِي لَضَمِينِ
 إِذَا جَاوَزَا الْإِثْنَيْنِ سِرٌّ فَإِنَّهُ
 يَنْتِ وَتَكْثِيرُ الْحَدِيثِ فَمِنْ
 وَعِنْدِي لَهُ يَوْمًا إِذَا مَا اتَّيَمَنْتَنِي
 مَكَانَ بِسُودَاءِ الْفُؤَادِ مَكِينِ
 وَجَدْتُ ابْنِي قَدْ أَوْرَثَهُ أَبُوهُ
 خِلَا لَأَقْدُ تُعَدُّ مِنَ الْمَعَالِي
 فَأَكْرُمُ مَا تَكُونُ عَلَى نَفْسِي
 إِذَا مَا قَلَّ فِي الْأَزْمَاتِ مَالِي
 فَأَكْرُمُ مَا تَكُونُ عَلَى نَفْسِي
 إِذَا مَا قَلَّ فِي الْأَزْمَاتِ مَالِي
 فَتَحَسُنْ سِيرَتِي وَأَصْرُنْ عِرْضِي

ويجهل عِنْدَ اهلِ الرأى حالى
 وإنْ تِلْكَ الغِنَا لَمْ أَغْلُ فِيهِ
 ولم احصُصْ بِجَفْوَتِي المَوَالِي
 وما مِنْ شَيْئَتِي شَتْمُ ابنِ عَمِّي
 وما أَنَا مُخْلَفٌ مَنْ يَرْتَجِيْنِي
 وكَلِمَةُ حاسِدٍ فِي غَيْرِ جُرْمٍ
 سمعتُ فَقُلْتُ مُرِّى فأنقذيني
 فَعَا بُوْهَا عَنِّي وَلَمْ تَسْؤَنِي
 ولم يعرق لها يوماً جَبِينِي
 وَذُوَاللَّوْنَيْنِ يَلْقَانِي طَلِيقاً
 وَلَيْسَ إِذَا تَغَيَّبَ يَأْتِلِينِي
 سَمِعْتُ بِعَيْبِهِ فَصَفَحْتُ عَنْهُ
 مُحَافَظَةً عَلَى حَسْبِي وَدِينِي
 أَهْلُ الرِّجَالِ إِذَا ارْدَتْ إِخَاءُ هُمْ
 وَتَوَسَّمَنَ فَعَالَهُمْ وَتَفْقِدِ
 فَأَذَا ظَفِرَتْ بِدِي اللِّبَابَةِ وَالتَّقَى
 فِيهِ اليَدَيْنِ (قَرِيرَ عَيْنٍ) فَاشْوَدُ
 وَإِذَا رَأَيْتَ (وَلَا مَحَالَةَ) زَلَّةً
 فَعَلَى أُخِيكَ بِفَضْلِ حِمْلِكَ فَارْدُدْ
 وَكُنْ مَعْقِلاً لِلْجَلْمِ وَاضْفَحْ عَنِ الحَنَّا
 فَإِنَّكَ رَأَى مَا حَيَّيْتَ وَسَامِعُ

وَأُجِبَ إِذَا أُجِبْتَ جُبًّا مُقَارِبًا
فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَتَى أَنْتَ تَارِعُ
وَأَبْعَضُ إِذَا أَبْعَضْتَ بُغْضًا مُقَارِبًا
فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَتَى أَنْتَ رَاجِعُ
اصْصَبِ الْإِخْيَارَ وَارْغَبْ فِيهِمْ
رَبِّ مَنْ صَاحِبَةٌ مِثْلُ الْجَرَبِ
وَدَعْ النَّاسَ فَلَا تَشْتُمُهُمْ
وَإِذَا شَأْنُكَ فَاشْتُمِ ذَا حَسَبِ
إِنَّ مَنْ شَأْنَهُ وَغَدًا كَالَّذِي
يَشْتَرِي الصُّفْرَ بِأَعْيَانِ الذَّهَبِ
وَاصْصَبِ النَّاسَ إِذَا حَدَّثْتَهُمْ
وَدَعْ النَّاسَ فَمَنْ شَاءَ كَذَبِ

(الامالی للعلی ۲: ۲۰۴، البیان والہدیین ۲: ۵۷ و ۱۳۸)

(ترجمہ) اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ موت کے بلانے والے کو پچھاڑا نہیں جاسکتا اور جو شخص گزر گیا وہ واپس نہیں آتا اور جو باقی ہے وہ اسی کا مشتاق ہے۔ میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اس کو یاد کر لو، اللہ بزرگ و برتر سے ڈرتے رہو نیز یہ کہ تمہارے امور میں سب سے بہتر اللہ کی شکر گزاری ہے اور ظاہر و پوشیدہ ہر حال میں حسن نیت ہے، اس لیے کہ شکر کرنے والا بڑھتا ہے اور تقویٰ بہترین زاد ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ حطیہ نے کہا ہے:

میں مال کے جمع کرنے کو نیک بنی نہیں سمجھتا، نیک بخت وہ ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہو اور ذخیرہ کرنے کے لیے بہترین توشہ تقویٰ ہے اور اللہ کے نزدیک متقی ہی

کے لیے زیادتی نعمت ہے۔ جو چیز آئندہ پیش آنے والی ہے اس کو قریب سمجھو اور جو گزر گئی وہ دور ہے اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے نیکی اور بھلائی کے نقطے سے کبھی مت ہٹو اس لیے کہ دنیا ایک حال پر قائم رہنے والی نہیں اور زمانہ ہر حاضر و غائب پر نئے نئے حادثات لاتا ہے پس کتنے ایسے ہیں جنہوں نے مزید کی خواہش کی اور نتیجہ میں اپنے پاس کا بھی ان سے طلب کر لیا گیا اور جان لو کہ زمانہ نیرنگیوں کا ایک تماشا ہے، جو اس سے دل لگائے گا، ذلت اٹھائے گا اے میرے بیٹے! ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابوالاسود دؤلی نے کہا ہے:

جب تمہارے پاس کوئی بھلائی کا طلب کرنے والا آئے تو اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل و انعام سمجھو۔ یقیناً وہ شخص جس کے پاس کسی بھلائی کی امید نہ کی جاسکے وہ اپنے مصاحبین پر گراں اور حقیر ثابت ہوتا ہے۔ پس کسی ضرورت مند کو جو تم سے کچھ طلب کرے منع نہ کرو اس لیے کہ تم نہیں سمجھ سکتے کہ کس وقت تم بھی اسی حالت میں ہو جاؤ۔ میں نے اہل زمانہ کے ساتھ زمانے کی کجی کو دیکھا ہے۔ اس کے پاس اپنے اہل کے لیے مصائب ہی مصائب ہیں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! حق کے موقع پر مال کے ساتھ سخی بن جاؤ! اور بھیدوں کے معاملے میں تمام دنیا کے ساتھ بخیل ہو جاؤ اس لیے کہ انسان کی سخاوت میں سب سے زیادہ قابل تعریف وہ سخاوت ہے جو نیکی کے راستے میں کی جائے اور بخل میں قابل تعریف بھید کے چھپانے میں بخل کرنا ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ قیس بن خطیم انصاری نے کہا ہے:

میں جیسی ہوئی دولت بے تاثر بخش دیتا ہوں لیکن اگر کوئی شخص مجھ سے تیرا بھید معلوم کرنا چاہے تو اس معاملے میں بخیل ہوں۔ جب کوئی بھید دو سے تین تک تجاوز کر گیا تو اس کو فاش سمجھو اور پھر جگہ جگہ وہ چرے کے قابل ہے۔ جب تو نے مجھے اپنے

بھید کا امانت دار بنا دیا تو اس کے لیے میرے پاس دل کی گہرائیوں میں جگہ ہے۔
اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! اگر تم کبھی مال پر غلبہ بھی حاصل کر لو تو حیلے کو کسی حال میں نہ چھوڑو اس لیے کہ کریم حیلہ کرتا ہے اور مکینہ دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے اور حال کے لحاظ سے ظاہر میں اپنے کو بہتر سے بہتر بناؤ اور مال کے لحاظ سے باطن میں کمتر سے کمتر بناؤ اس لیے کہ کریم وہ ہے، جس کی طبیعت کریم ہو اور اس کی نعمت فقر و احتیاج کے وقت ظاہر ہو، اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ ابن خذاق عبدی نے کہا ہے:

میں نے اپنے باپ کو دیکھا کہ ان کو اُن کے باپ نے
اونچے خصائل کا وارث بنایا، میں اپنے نفس کے تقاضے کے
خلاف اس وقت اکرام کرتا ہوں جب شدت اور قحط کی حالت
میں میرا مال کم ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں میری سیرت بہتر
ہو جاتی ہے اور اپنی آبرو کی میں حفاظت کرتا ہوں اور اہل
الراء کے نزدیک میرا حال اچھا ہوتا ہے اور جب میں مال دار
ہو جاتا ہوں تو اس میں غلو نہیں کرتا اور اپنے وابستگان کو اپنی جود
سے مخصوص نہیں کرتا۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! اگر تم کسی حاسد سے اپنے بارے میں کوئی
کلام سنو تو ایسے ہو جاؤ جیسے تم موجود ہی نہیں تھے اس لیے کہ اگر تم اس سے اغماض
کر دو گے تو نتیجے میں عیب، عیب جو کی طرف پلٹ آئے گا، عقلانے کہا ہے: عاقل و
زیرک وہ ذی ہوش اور متغافل ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ حاتم طائی نے کہا ہے:

اپنے ابن عم کو برا بھلا کہنا میری سیرت نہیں ہے اور جو شخص
مجھ سے کچھ امید کرتا ہے میں اس کو مایوس نہیں کرتا اور بغیر جرم

کے حاسد کے برے کلمات سن کر میں ٹال دیتا ہوں۔ لوگ مجھ کو حاسدوں کی باتوں سے مستہم کرتے ہیں لیکن مجھ کو اس کی مطلق ناگواری نہیں ہوتی اور میری پیشانی پر پسینہ تک نہیں آتا۔ دوغلا آدمی جب مجھ سے ملتا ہے تو بڑی چکنی چڑی باتیں کرتا ہے اور جب میرے پاس سے اٹھ کر چلا جاتا ہے تو میری عیب جوئی میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔ میں اس کی نکتہ چینوں کو سنتا ہوں لیکن اپنی شرافت اور دین کا خیال کرتے ہوئے درگزر کرتا ہوں۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! کسی شخص سے اس وقت تک بھائی چارہ نہ کرو جب تک معاشرت میں اس کو آزمانہ لو اور اس کے تمام حرکات و سکنات پر مطلع نہ ہو جاؤ، پس اگر تم اس سے مل کر رہ سکتے ہو اور اس کے اختیار پر تم راضی ہو تو اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں کو نظر میں رکھتے ہوئے اور تنگی میں موساسۃ کا پیمانہ باندھتے ہوئے اس سے بھائی چارہ کرو اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ موقع کندی نے کہا ہے:

لوگوں سے جب تمہارا بھائی چارہ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اُن کو آزمائو اور ان کے خصائل و اعمال کی کھوج کرو، پس اگر کوئی دانا اور صاحب تقویٰ تم کو مل جائے تو اس سے (اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک) اپنے دونوں ہاتھوں کو مضبوط کر لو! اور جب اس کی کسی لغزش کو دیکھو اور اس سے چارہ کار نہیں ہے تو اس کو نظر انداز کر دو کیونکہ تمہارے بھائی پر تمہارا فضلِ حلم واجب ہے۔

اس کے بعد کہا: اے میرے بیٹے! جب تم کسی سے محبت کرو تو اس میں افراط نہ کرو اور جب دشمنی کرو تو حد سے نہ بڑھ جاؤ اس لیے کہ حکما کا قول ہے: اپنے دوست سے دوستی بہ حد مناسب رکھو، ممکن ہے کسی دن وہ دشمن ہو جائے، اسی طرح

دشمن سے دشمنی میں بھی حد اعتدال ملحوظ رکھو، ممکن ہے کسی روز وہ دوست ہو جائے، اور ایسے بنو جیسا کہ حدیث بن الخثرم العذری نے کہا ہے:

حلم کی پناہ بن اور یہودیوں سے درگزر کر اس لیے کہ جب تک تو زندہ ہے دیکھے گا اور سنے گا بھی۔

اور جب کسی سے دوستی کرو تو مناسب حدود میں کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ کس وقت اس سے جھگڑ بیٹھو، اسی طرح جب کسی سے دشمنی کرو تب بھی مناسب حد میں کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کس وقت تم اس سے پلٹ جاؤ۔

تمہارے لیے نیکوں کی صحبت اور سچ بولنا ضروری ہے اور بدوں کی صحبت سے ہمیشہ پرہیز رکھو کیونکہ یہ ایک ننگ ہے اور ایسے ہو جاؤ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

نیکوں کی صحبت میں بیٹھو اور ان ہی سے رغبت رکھو کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کی تم مصاحبت کرتے ہو اخلاقی رزلیہ کا مجسمہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اور ان کو برا بھلا نہ کہو اور اگر برا بھلا کہنے کا موقع بھی پیش آجائے تو شریف کو کہو کیونکہ جس شخص نے کمینے کو منہ لگایا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو سونا دے کر بیتل خریدتا ہے اور جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو اور جھوٹوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

وفات:

عبداللہ بن شداد کی وفات کے بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں واقدی نے لکھا ہے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے ہمراہ جن لوگوں نے حجاج کے خلاف خروج کیا ان میں عبداللہ بن شداد بھی تھے اور وجیل کے دن قتل

ہوئے۔ یہی قول ابن نمیر کا ہے۔ یحییٰ بن بکیر کا قول ہے کہ قتل نہیں ہوئے بلکہ
 جبل کی رات میں ۸۲ھ میں کہیں غائب ہو گئے۔ ثوری نے کہا ہے: ابن شداد
 اور ابن ابی لیلیٰ جماعہ کے مقام پر سے غائب ہو گئے، یہی قول عجل کا ہے اس میں
 اتنا زائد ہے کہ ان دونوں نے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیے تھے اور وہیں
 سے غائب ہو گئے ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ جبل میں غرق ہو گئے۔

(تہذیب التہذیب ۲۵۱/۵)

زید بن صوحان العبیدی

معصوم بن صوحان کے حقیقی بھائی اور امیر المومنینؑ کے فداکار اور مخلص اصحاب میں تھے۔ ان کی مشہور کنیت ابو عائشہ ہے لیکن بعض روایات میں ابوسلمان، ابو عبد اللہ اور ابو مسلم بھی آئی (تاریخ خطیب بغدادی ۸: ۴۳۹) حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوسلمان کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ زید سلمان فارسی کو بہت زیادہ دوست رکھتے تھے۔ اس افراط محبت کی بنا پر ان کو ابوسلمان کہا جانے لگا (اصابہ ۳: ۴۶)

اسلام:

تمام رجالیین کا اس پر اتفاق ہے کہ زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات ہی میں اسلام سے مشرف ہو گئے تھے (اسد الغابہ ۲: ۲۳۴، استیعاب ۱۹۱۱، اصابہ ۳: ۴۵)

البتہ ان کا صحابی رسول ہونا یقینی نہیں ہے لیکن مختلف روایات کو سامنے رکھ کر زیادہ رجحان یہی ہے کہ وہ صحابی رسول تھے۔ علامہ ابن اثیر نے اس سلسلے میں کلبی کا حسب ذیل قول نقل کیا ہے۔

(زید) نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور اک کیا تھا اور آپ کی صحبت میں

رہے ہیں۔ ابو عمر نے بھی یہی قول نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھ کو ان کے صحابی رسول ہونے کا علم نہیں ہے لیکن وہ ان لوگوں میں ضرور ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت میں نبی کا ادراک کیا ہے۔ (اسد الغابہ ۲: ۳۴)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلبی کی تحقیق کی بنا پر زید کو صحبت رسول کا شرف حاصل تھا جس کی تردید ابو عمر نے بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس ذیل میں کلبی کا مذکورہ بالا قول ہی نقل کیا ہے اس کے بعد لکھا ہے۔

”وقد حكي الرّشاطي عن أبي عبيدة معمر بن المثنى ان له وفادة“ (اصابہ ۳: ۴۵)

رشاطی نے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ سے روایت کی ہے کہ زید کا آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے۔ دوسرے مقام پر زید العبیدی کے عنوان کے تحت انہوں نے اس پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبدالقیس کے شاعر نے زید کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے کہ جو آل عبدالقیس سے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ چنانچہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تاریخ میں مغاب بن حارث کی روایت سے شاعر مذکور کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

مِنَّا صِغَارُ وَالْأَشْبَحُ كَلَاهِمَا

حَقًّا بِصَدَقِ قَالَتِ الْمِتْكَمُ

سَبَقَ الْوُجُودَ إِلَى الثَّبِيِّ مَهْلًا

بِالْخَيْرِ فَوْقَ النَّاجِيَّاتِ الرَّسْمِ

فِي عَصْبَةٍ مِنْ عَبْدِ قَيْسٍ أَوْجَفُوا

طَوْعًا إِلَيْهِ وَحَدَّاهُمْ لَمْ يَكُ

واذکر بنی الحار ودان محلہم
 من عبد قیس فی المکان الاعظم
 ثم ابن سوار علی علابہ
 بذّا لملوک بسود دوتگرم
 وکفی بزید حین یذکر فعلہ
 طوبی لذلک من صریح مکرم
 ذاک الذی سبقت لطاعۃ ربہ
 منه الیمین الی جنان الانعم
 فدعا النبی لهم هنالك دعوة
 مقبولة بین المقام وزمزم
 ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں۔

ابن عسا کرنے ان اشعار کو زید بن صوحان کے تذکرے میں نقل کیا ہے اور
 اس بنا پر لا محالہ وہ صحابی رسول ہیں۔ (اصابہ ۳: ۳۶)

فضائل:

زید اپنی سیادت و نجابت، خطابت و بلاغت اور امیر المومنین سے اکتساب
 علوم میں اپنے بھائی صعصعہ کے برابر کے شریک تھے نیز زہد و ورع حشیہ اللہ
 کثرت عبادت میں اپنے دونوں بھائیوں صعصعہ اور صیحان پر فوقیت رکھتے
 تھے۔ مولف شذرات ان کے بارے میں لکھتے ہیں زید بن صوحان علی کے
 خواص، اصحاب اور صلحاء و اتقیا میں تھے۔ (شذرات الذہب ۱: ۴۴)

خطیب بغدادی نے حمید بن ہلال کی زبانی روایت کی ہے کہ زید بن صوحان
 قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور شب جمعہ تمام رات عبادت میں گزارتے

تھے۔ سلمان فارسی کو ان کے اس زہد کا جب حال معلوم ہوا تو ایک مرتبہ وہ ان کے گھر آئے اور آکر پوچھا: ”زید کہاں ہیں“، ان کی زوجہ نے جواب دیا: ”یہاں نہیں ہیں“، سلمان نے کہا: ”اے کیز خدا! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اسی وقت کھانا پکاؤ اور بہترین لباس پہنو اور کسی کو بھیج کر زید کو بلواؤ“۔ چنانچہ زوجہ کے بلانے پر زید گھر آئے ان کی بیوی نے کھانا لاکر رکھا، سلمان نے زید سے کہا ”کُل یا زبید“۔ بسم اللہ! زید نے جواب دیا: ”میں روزے سے ہوں“ سلمان نے اصرار کیا اور سمجھایا کہ ”تم پر تمہاری آنکھ اور بدن کا بھی حق ہے اور زوجہ بھی تم پر اپنا حق رکھتی ہے“ غرض کہ سلمان کے سمجھانے پر زید نے کھانا کھایا اس وقت سے انہوں نے ترکِ طعام میں کمی کر دی۔

جنت کی بشارت:

اصحاب امیر المومنین کے زمرے میں صرف زید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے ان کو جنت کی بشارت دی ہے جس کا ذکر قریب قریب تمام علمائے رجال کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

طرق متعدده سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں جارہے تھے کہ ایک منزل پر آپ پر غنودگی طاری ہوئی، اس حالت میں آپ کی زبان سے ”زید اور کون زید، جندب اور کون جندب“ کے الفاظ جاری ہوئے، اصحاب نے بڑھ کر اس ارشاد کے معنی دریافت کئے، اس پر آپ نے فرمایا: یہ میری اُمت کے دو شخص ہیں، ان میں پہلا تو وہ ہے جس کا ہاتھ جنت میں جانے کے لیے اس پر سبقت کرے گا اس کے بعد اس کا

بقیہ جسم جائے گا، دوسرا وہ ہے جو اپنی ایک ضرب سے حق اور

باطل کے درمیان تفریق کرے گا۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد مولف کہتے ہیں:

پس زید بن صوحان، ان کا ہاتھ جلوا کے دن کٹ گیا تھا اور ایک روایت کی بنا پر قادیہ میں جب کہ اہل فارس سے جنگ کر رہے تھے، کٹ گیا تھا اور وہ خود جہل کے دن قتل ہوئے نیز جندب، یہ وہ ہیں جنہوں نے ولید بن عقبہ کے پاس ساحر کو قتل کیا تھا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو حسب ذیل اسناد کے ساتھ اصابہ میں نقل کیا ہے۔

”وروی ابن عندہ من طریق الجریری، عن عبد اللہ بن بریدہ عن ابیہ۔ (اصابہ ۳: ۲۵۵)

دوسرے مقامات پر یہ پیشین گوئی صرف زید کے بارے میں آئی ہے اس میں جندب شامل نہیں ہیں چنانچہ خطیب بغدادی اور ابن حجر عسقلانی دونوں نے اپنے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ اس کو حضرت علیؑ سے اس طرح روایت کیا ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جس کا ایک عضو جنت میں سب سے پہلے جائے وہ زید بن صوحان کو دیکھے۔ (اصابہ ۳: ۲۵۵)

عام حالات:

زید کے عام حالات زندگی اگرچہ بہت کم ملتے ہیں پھر بھی اہم مواقع پر ان کا نام تاریخ میں ضرور آتا ہے چنانچہ سب سے پہلے جلولہ میں اور اُس کے بعد قادیہ میں ان کی موجودگی بالافاق ثابت ہے چنانچہ ان ہی دو معرکوں میں سے کسی ایک

میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴ و استیعاب ۱۹۱/۱)

اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں جب سعید بن العاص کو نے کا گورنر ہو کر آیا ہے تو اس کی صحبتوں میں اپنے بھائی صعصعہ کے ہمراہ زید بھی ملتے ہیں لیکن جلد ہی اس سے اختلافات پیدا ہو گئے اور سعید نے ان کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔ جس کے جواب میں حضرت عثمان نے سعید کو لکھا کہ ان لوگوں کو شام بھیج دیا جائے، چنانچہ زید اور ان کے تمام ساتھی جس میں صعصعہ، عمرو بن الحمق، کمیل بن زیاد، حارث اعور وغیرہ بھی تھے معاویہ کے پاس شام بھیج دیئے گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ کوفہ سے نکل کر جب یہ لوگ دمشق پہنچے تو معاویہ نے پہلے تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا لیکن اس کے بعد مالک اشتر سے کسی بات پر ان کا اختلاف ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ معاویہ نے ان کو قید کر دیا، اس پر عمرو بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا: ”اے معاویہ اگر تم نے مالک کو قید کر لیا ہے تو کوئی پروا نہیں عنقریب تم اس شخص کو پاؤ گے جو ان کی حمایت کرے گا“ اس پر معاویہ نے عمرو کو بھی قید کر دیا، یہ دیکھ کر زید کے ساتھیوں نے کہا: ”اے معاویہ احسن جو ارنا“ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، معاویہ نے کہا: ”اب آگے اور کچھ کیوں نہیں کہتے“، اس پر زید نے کہا:

”ہم بول کر کیا کریں، اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طلبگار ہیں۔“

معاویہ کو ان کا یہ کلام پسند آیا اور کہنے لگے: ”اے ابو عاص تم سچے آدمی ہو۔“ اس کے بعد انھوں نے ان کو کوفہ واپس جانے کا حکم دے دیا اور سعید بن العاص کو حسب ذیل خط لکھا:

ابا بعد: میں نے زید بن صوحان کو اجازت دے دی ہے کہ

وہ اپنے گھر کو فہ واپس چلے جائیں کیونکہ میں نے ان کے اندر بزرگی و برتری اور قصد و اعتدال پایا، پس تم ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور کوئی تکلیف نہ دینا اور اپنی موذت اور توجہات کو ان پر ارزاں کرو کیونکہ انھوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ آئندہ کوئی ایسی بات سرزد نہ ہوگی جو آپ کی ناگواری کا باعث ہو۔

اس پر زید نے معاویہ کا شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت بقیہ اصحاب کے بارے میں بھی رہائی کی سفارش کی۔ بلاذری کا بیان ہے کہ ان کے کہنے پر معاویہ نے سب کو آزاد کر دیا۔ (انساب الاشراف صفحہ ۴۳ و اصابہ ۴۶/۳)

مؤلف کہتا ہے: بلاذری نے اس واقعے کے بیان میں انتہائی خیانت اور کتر بیونت سے کام لیا ہے، اس نے تمام مقامات کو نظر انداز کر دیا ہے جن سے معاویہ کا ان اصحاب پر تشدد ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صعصعہ اور ابن الکواء وغیرہ سے ان کی جو سرد و گرم گفتگوئیں ہوئی ہیں معاویہ کی ناحق کوشی کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ ان میں سے کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمان کے حکم سے جن لوگوں کو دمشق بھیجا گیا تھا ان میں زید کا نام بھی ہے لیکن دورانِ نظر بندی میں معاویہ سے ان کی کوئی گفتگو منقول نہیں ہے، پھر بھی یہ ہو سکتا ہے کہ دیگر مؤرخین نے زید کی اس گفتگو کو نقل نہ کیا ہو یا ان تک یہ روایت نہ پہنچی ہو لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ زید کہ اتنی سی بات پر ”اگر ہم ظالم ہیں تو اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور اگر مظلوم ہیں تو اس سے عافیت کے طالب ہیں“ معاویہ ان کو رہا کر دیں اور سعید کو ان کی تعریفوں سے بھرا ہوا ایک طول طویل خط لکھ ماریں پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی سفارش پر ان کے تمام ساتھیوں کو بھی چھوڑ دیں، یقیناً اصحاب امیر المومنین کے سلسلے میں معاویہ کی جو پالیسی ابتدا سے رہی ہے یہ بات

اس کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مؤرخین کے بیانات سے اس کی پوری پوری تردید ہوتی ہے، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے کسی وقت ان کو رہا نہیں کیا بلکہ صعصعہ نے جب ان کا زیادہ ناطقہ بند کیا تو ان کو عبدالرحمن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دیا، ملاحظہ ہو تاریخ طبری و کامل وابن خلدون واقعات دور خلافت حضرت عثمان، زید پر معاویہ کے ترحم اور ان کو رہا کر دینے کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زید کے کردار کو دیکھتے ہوئے یہ امر کسی طرح باور نہیں آ سکتا کہ وہ معاویہ جیسے جابر حاکم سے کسی مرحمت کے طلبگار ہوں اور اس پر ان کا شکریہ بجالائیں۔

جمل:

۳۶ھ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام تخت خلافت پر بیٹھے لیکن فوراً ہی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اس جنگ میں زید شروع سے آخر تک آپ کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ اس موقع پر اگرچہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ زید کے فریق مخالف کی حیثیت سے تھیں، باہمہ انھوں نے ان کا احترام برابر ملحوظ رکھا اور حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کی، چنانچہ مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ جب مقابلے کی غرض سے بصرہ پہنچیں تو وہاں سے زید کے نام حسب ذیل خط لکھا:

عائشہ اُمّ المومنین کی طرف سے اپنے بیٹے زید بن صوحان کو اتابعد: تمہارے باپ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور اسلام میں بھی ان کو سیادت حاصل تھی۔ تم جانتے ہو کہ عثمان بن عفان کے قتل سے اسلام کو کتنا صدمہ پہنچا ہے اور ہم تمہارے پاس آرہے ہیں نیز جو بات ظاہر بظاہر سامنے آگئی وہ سنی ہوئی سے

زیادہ تمہارے لیے تشفی بخش ہے، پس جس وقت تمہارے پاس میرا خط پہنچے، لوگوں کو علی بن ابی طالبؑ سے باز رکھو اور اپنی جگہ پر قائم رہو یہاں تک کہ میرا کوئی حکم پہنچے، والسلام۔

(عقد الفرید ۴۷/۵)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کی پسرا نہ ہمدردیاں اُمّ المومنین کے ساتھ ضرور رہی ہوں گی ورنہ وہ اس اعتماد کے ساتھ ان کو خط نہ لکھتیں لیکن یہ زید کی بصیرت تھی کہ اس موقع پر چونکہ حق اور باطل کا سوال تھا اس لیے انھوں نے حضرت عائشہ کے اُمّ المومنین ہونے کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور بدستور اپنے موقف پر جمے رہے۔ چنانچہ اس خط کا انھوں نے جو جواب دیا ہے اس سے ان کی بصیرت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ملاحظہ ہو۔

زید بن صوحان کی طرف سے عائشہ اُمّ المومنین کو سلام علیکم، بعد ازاں آپ کو اللہ کی طرف سے ایک حکم دیا گیا ہے اور اس کے خلاف ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ گھر میں بیٹھیں اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ فتنہ دفع کرنے کی غرض سے لوگوں سے جنگ کریں آپ نے جس امر کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اس کو تو چھوڑ دیا اور جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اس سے آپ ہمیں منع فرما رہی ہیں اس صورت میں آپ کا حکم میرے نزدیک ناقابل اطاعت ہے اور آپ کا خط ناقابل جواب۔

(عقد الفرید ۴۷/۵)

مؤرخ طبری نے اس خط و کتابت کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہ نے ایک خط زید بن صوحان کو لکھا کہ تم فوراً میری مدد کو آؤ اگر دیر

کرو گے تو لوگ علی بن ابی طالبؑ کے دباؤ سے مجھ کو ذلت دیں گے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اس شرط سے مدد کو تیار ہوں کہ آپ اس قافلے سے الگ ہو کر گھر جا کر بیٹھ رہیں ورنہ میں ہی سب سے پہلا مخالف ہوں زید بن۔ صوحان نہایت افسوس سے کہا کرتے تھے اللہ اُمّ المومنین پر رحم کرے، ان کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا اور ہم کو جدال و قتال کا مگر انھوں نے جس بات کا ہم کو حکم دیا گیا تھا اس سے ہم کو توروکا اور خود کر بیٹھیں۔ (تاریخ طبری ۵/۱۸۲)

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے جب امام حسنؑ اور حضرت عمارؓ یا سر کو اہل کوفہ کی مدد لینے کے لیے بھیجا ہے تو اس موقع پر زید بن صوحان بھی ان کے ہمراہ تھے، چنانچہ جس وقت وہ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ میں دو خط تھے جو حضرت عائشہؓ نے ایک اُن کو اور ایک اہل کوفہ کو لکھا تھا دونوں خطوں کا مضمون ایک تھا کہ تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو یا میری مدد کرو، زید بن صوحان نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کو خط کا مضمون سنایا اور کہنے لگے کہ اُمّ المومنین کے لیے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ گھر میں رہیں اور ہمارے لیے حکم ہے کہ جہاد کر کے فتنہ رفع کریں مگر وہ اس کے خلاف خود لڑائی کے لیے نکلیں اور ہم کو گھر میں رہنے کا حکم دیا، اس بات پر شیش بن ربعی غصے میں کہنے لگا ”اے عمانی! تو نے جلواء میں چوری کی تھی جس پر تیرا ہاتھ کاٹا گیا، پھر بھی تو باز نہیں آتا اور لوگوں کو اُمّ المومنین کے خلاف بہکا رہا ہے“ اس پر زید بھی بگڑ گئے، ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب دیکھا کہ بات بڑھی جاتی ہے تو دونوں کو روکا اور اہل مدینہ کو واپس کرنے اور امیر المومنینؑ کو امداد دینے پر تقریر کی۔ اس کے جواب میں زید بن صوحان بھی کھڑے ہو گئے اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر اس طرح تقریر کی:

اے عبد اللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) دریائے فرات میں جس وقت سیلاب آئے تو کیا تم اس کو روک سکتے ہو، اگر تم اس پر قادر ہو تو بیشک جو کچھ تم چاہتے ہو وہ بھی ہو سکتا ہے، پس جو بات ناممکن العمل ہو اس کا خیال چھوڑ دو، اس کے بعد یہ آیت پڑھی (آلم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی حالانکہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ سچوں کو بھی جان لے اور جھوٹوں کو بھی، پس مومنین کے امیر اور مسلمانوں کے سردار کی طرف چلو تاکہ حق کو پالو۔ اس کے بعد امیر المومنینؑ کے دیگر اصحاب نے تقریریں کیں اور لوگوں کو جناب امیر کی حمایت پر آمادہ کیا۔ (تاریخ طبری ۵/۱۸۴ و کامل ۳/۱۱۴)

شہادت:

اس معرکے میں زید نے نہایت بہادری کے ساتھ جنگ کی اور آخر میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ مرتے وقت انھوں نے وصیت کی کہ میرا خون نہ دھویا جائے اور نہ میرے کپڑے اتارے جائیں، میں پیش خدا اسی حالت میں جاؤں گا۔

زید کے حق میں اُمّ المومنینؑ عائشہ کے کلماتِ خیر:

زید کی شہادت کے بعد اُمّ المومنینؑ حضرت عائشہ نے دورانِ جنگ میں خالد کا کلام سن کر ان کو پکارا، خالد نے جواب دیا ہاں، حضرت عائشہ نے ان کو قسم دے کر کہا: ”اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو صحیح صحیح بیان کر دو گے؟“ خالد نے جواب دیا: ”اُمّ المومنین مجھ کو صحیح بات کہنے سے کیا چیز روک سکتی ہے؟“

حضرت عائشہ نے پوچھا: ”طلحہ کیا ہوئے۔ خالد نے جواب دیا: ”شہید ہو گئے۔“
 حضرت عائشہ نے یہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا۔ پھر پوچھا:
 ”زبیر کا کیا حال ہے؟“ خالد نے کہا: ”وہ بھی شہید ہو گئے۔“ حضرت عائشہ نے
 پھر انا للہ پڑھا، اب خالد نے کہا: ”ہم بھی خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف
 پلٹنے والے ہیں ہمارا خون زید اور اصحاب زید پر ہے۔“ حضرت عائشہ نے پوچھا:
 ”کیا زید بن صوحان کو کہتے ہو؟“ خالد نے کہا: جی ہاں، حضرت عائشہ نے ان
 کے حق میں کلمات خیر کہے، اس پر خالد نے کہا: ”بجز اللہ تعالیٰ ان دونوں کو
 جنت میں کبھی جمع نہ کرے گا۔“

انھوں نے کہا ”خاموش رہو! کیونکہ خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ ہر چیز
 پر قادر ہے۔“ (اسد الغابہ ۲/۲۳۴ واستیعاب ۱/۱۹۱)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ الانصاری

نام و نسب :

عبدالرحمن نام، کنیت ابو عیسیٰ، کوفہ کے رہنے والے تھے، ان کے والد حضرت ابولیلیٰ متفقہ طور پر صحابی رسول تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔
”عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بن بلال بن ہلیل بن اخیجہ بن الحلاح بن الحریش بن جلیا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن الاوس“
(طبقات ابن سعد ۶/۷۷۷)

علم و فضل :

عبدالرحمن، اپنے وقت کے مہتر علما میں تھے، صاحب منقہی المقال نے ان کو کوفہ کے اکابر تابعین میں لکھا ہے۔ (منقہی المقال صفحہ ۱۷۳) انھوں نے صحابہ رسولؐ میں، حضرت علیؑ، عبداللہ، ابی بن کعب، سہل بن حنیف، خوات بن جہیر، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن زید، کعب بن عجرہ، براء بن عازب، ابوذر غفاری، ابوذر داء، ابوسعید الخدری، قیس بن سعد، زید بن ارقم، ابن مسعود مغاذ بن جبل، بلال بن رباح، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر، ابویوب، اُمّ ہانی بنت ابی

طالب، انس، سرہ بن جندب، صہیب، عبدالرحمن بن سرہ، عبداللہ بن عکیم، نیز اپنے والد ماجد ابولیلیٰ، سے احادیث کی روایت کی ہے، ان کا مشہور قول ہے کہ میں نے صحابہ رسولؐ میں سے ایک سو بیس ۱۲۰ انصار کا ادراک کیا ہے جو سب کے سب ایسے تھے کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ دوسرا ہی اس کو بتادے۔

(طبقات ۴/۶ و حلیۃ الاولیاء ۳/۶۷۳)

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ آپ کو خصوصی تلمذ تھا اور ایک عرصے تک آپ کی صحبت میں رہے ہیں چنانچہ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے لوگوں کو علی بن ابی طالب علیہ السلام سے کچھ احادیث بیان کرتے ہوئے سنا، اس پر کہنے لگے ”ہم بھی علی کے پاس بیٹھے ہیں اور ان کی صحبت حاصل کی ہے لیکن جو چیزیں یہ لوگ بیان کر رہے ہیں ان میں سے ایک بات بھی ہم نے ان سے نہیں سنی، کیا علیؑ کے لیے یہ فضیلت کافی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے ابن عم اور ان کے داماد اور حسن و حسینؑ (علیہما السلام) کے باپ ہیں جو بدر میں بھی موجود تھے اور حدیبیہ میں بھی“

(طبقات ابن سعد ۴/۶)

امیر المومنینؑ سے اسی اکتساب فیض کا اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ ان کے علم اور تقویٰ کا وزن محسوس کرتے تھے جیسا کہ عبدالملک بن عمیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمن کو صحابہ رسولؐ کے حلقے میں دیکھا جن میں براء بن عازب بھی تھے، وہ سب کے سب نہایت خاموشی سے ان کی حدیث کو سن رہے تھے (تہذیب المتہذیب ۲/۶۷۰)

علم قضا میں ان کے تبحر کا یہ عالم تھا کہ حجاج نے جب ان کو قاضی بنانا چاہا تو

حوشب نے اس سے کہا:

اگر تم چاہتے ہو کہ علی بن ابی طالب کو قضا پر بھیج تو بیشک یہی کرو۔

(طبقات ابن سعد ۷/۷۴۶)

حفظِ حدیث میں اہتمام:

یزید بن ابی زیاد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کہا کرتے تھے حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے، اس پر عبداللہ بن شداد نے کہا ”اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے کتنی ایسی احادیث کو میرے سینے میں زندہ کر دیا جو میں بھول چکا تھا۔“ دوسرے موقع پر ان کا بیان ہے کہ ”میں نے عبداللہ بن عکیم سے عبدالرحمن کو یہ کہتے ہوئے سنا“ ”آؤ کچھ حدیث کا ذکر کریں کیونکہ حدیث کی زندگی اس کا مذاکرہ ہے

(طبقات ۷/۷۴۶)

تلاذہ:

عبدالرحمن کا حلقہ درس اپنے اقران میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ عبدالرحمن کا ایک گھر تھا جس میں انھوں نے قرآن مجید کے مختلف نسخے جمع کر رکھے تھے۔ اس میں قراء کا اجتماع ہوتا تھا جو بہت کم صرف ضرورتا وہاں سے اُٹھتے تھے ان کے تلاذہ میں حسبِ ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء ۳/۳۵۶)

”عمرو بن میمون الاودی، شعبی، ثابت البستانی حکم بن عتیبہ،
حصین بن عبدالرحمن، عمرو بن مرہ، مجاہد بن جبر، یحییٰ بن الخیرار،
ہلال الوزان، یزید بن ابی زیاد، ابوالخلیف شیبانی، منہال بن عمرو،
عبدالملک بن عمیر، اعش، اسلمیل بن ابی خالد وغیرہ۔“

(تہذیب التہذیب ۶/۲۶۰)

زہد و تقویٰ:

عبدالرحمن کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد قرآن کھول کر بیٹھ جاتے تھے اور طلوع آفتاب تک اس کی تلاوت کرتے تھے (طبقات ابن سعد ۷/۶۷) مکروہات سے محرمات کی حد تک اجتناب کرتے تھے چنانچہ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن نے وضو کیا، کسی نے ان کو رومال لا کر دیا، آپ نے اسے وہیں پھینک (طبقات ابن سعد ۷/۶۷) دیا مسلم جہنی کی روایت ہے کہ میں نے نماز جمعہ میں عبدالرحمن کو دیکھا کہ اپنی انگلیوں سے انھوں نے محمد بن سعد کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، مطلب یہ تھا کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو خاموشی سے سنتا چاہیئے۔

(طبقات ابن سعد ۷/۶۷)

نماز میں ان کا یہ اہتمام تھا کہ بالوں کو اگر مہندی لگی ہوتی تھی تو نماز میں جانے سے قبل اس کو جھاڑ لیا کرتے تھے (طبقات ابن سعد ۷/۶۷) اسی طرح بال اگر بندھے ہوتے تھے کھول لیا کرتے تھے۔

یہی احتیاط ان کی ملبوسات میں تھی۔ یزید بن ابی زیاد بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن کے پاس ایک ریشمی چادر تھی جس کو وہ اوڑھا کرتے تھے، جب وہ بوسیدہ ہو گئی تو اس کو انھوں نے اُدھیز کر دو بارہ بٹنا شروع کیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ اس میں ریشم کا کوئی تار نہ ڈالنا اور اس کا تانہ کتان یا روئی کا رکھو، لوگوں نے اس پر ان سے کہا: ”آپ تو ایسی چادر پہنا ہی کرتے ہیں“ جواب دیا ”وہ میری بنائی ہوئی نہیں ہوتی“۔ (طبقات ابن سعد ۷/۶۷)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبدالرحمن کے پاس گیا، اس وقت میرے ہاتھ میں سونے کا ایک کڑا تھا، اس کو دیکھ کر کہنے لگے: ”کیا تم اس سے تلوار پر ملمع کرو گے؟“ میں نے کہا ”نہیں“ پھر کہا: ”تو کیا قرآن پر اس کو چڑھاؤ“

گئے؟“ میں نے کہا ”نہیں“ اس پر انھوں نے کہا: ”غالباً تم اس کے چھلے بنواؤ گے اور سونے کے چھلوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے۔“ (طبقات ابن سعد ۷/۶۷۷)

جنگی کارنامے:

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے اگرچہ ایک طویل عمر پائی اور اُن کے زمانے میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے لیکن کتب تواریخ عموماً ان کے ذکر سے خاموش ہیں، صرف مولف منہج المقال نے اتنا لکھا ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت علیؑ کا علم ان کے ہاتھوں میں تھا (منہج المقال ورق ۸۳) اس کے علاوہ کسی تاریخ میں اس موقع پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا اس کے بعد جنگِ صفین میں بھی وہ کسی جگہ دکھائی نہیں دیتے البتہ عبدالرحمن بن محمد الاشعث کی جنگ میں جو انھوں نے تقریر کی ہے اس میں انھوں نے کہا ہے: میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہل شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”ایہا المومنون انہ من رائی..... الخ“ (تاریخ طبری ۸/۳۱۱)

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جنگِ صفین میں بھی آپ نے امیر المومنینؑ کے ہمراہ جنگ کی ہے۔ البتہ حجاج بن یوسف ثقفی کے ایامِ امارت میں ان کے جنگی کارنامے سامنے آتے ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور حجاج بن یوسف:

ابوبکر بن ابی شیبہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ حجاج کے دربار میں آئے۔ ان کو دیکھ کر حجاج نے اپنے مصاحبین سے کہا: ”اگر آپ لوگ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیں جو امیر المومنین عثمان بن عفان پر سب و شتم کرتا ہے تو وہ تمہارے پاس ہی بیٹھا ہے،“ عبدالرحمن نے کہا: ”معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں امیر المومنین (یہاں

امیر المومنین سے ان کی مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں (کوگالیاں دوں مجھ کو اس امر سے کتاب خدا کی تین آیتیں باز رکھتی ہیں! اللہ فرماتا ہے:

”لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِنْ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ“

ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے شہروں سے نکالے گئے اور اپنے اموال سے محروم کئے گئے، جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، درحقیقت وہی سچے ہیں اور خالص ہیں۔ پس عثمان (یہاں عثمان سے مراد عثمان بن مظعون ہیں جو حضرت علی کے مخلص اصحاب میں تھے) ان ہی لوگوں میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَعْنُ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“

جو لوگ مہاجرین سے پہلے گھر میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس کی اپنے دلوں میں کچھ غرض نہیں پاتے اور اگر چہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو وہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں پس میرے باپ ان ہی میں سے تھے، پھر اللہ فرماتا ہے:

”وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

وَلَا تُخَوِّنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا
لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہماری اور ان لوگوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے مغفرت کر اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے دے، پروردگار! بیشک تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

پس میں اس گروہ میں ہوں، یہ سن کر حجاج نے کہا: بیشک تم سچ کہتے ہو
(عقد الفرید ۷۴/۲، حلیۃ الاولیاء ۳۵۲/۴)

اس موقع پر تو عبدالرحمن نے تو یہ یا تقیہ کسی صورت سے اپنی جان بچالی لیکن اس کے بعد دوسرے موقع پر حجاج کا قابو چل گیا اور علی کو برا نہ کہنے پر ان کو اتنا مارا کہ دونوں شانے سیاہ پڑ گئے، چنانچہ اعش راوی ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا کہ حجاج نے ان کو مارا اور مسجد کے دروازے پر ان کو کھڑا کر دیا اس وقت حجاج کے آدمی اُن سے کہہ رہے تھے ”لعن الکاذبین، علی بن ابی طالب عبداللہ بن الزبیر، والمختار بن عبید“ (جھوٹوں پر لعنت کرو، علی بن ابی طالب پر، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید پر، عبدالرحمن نے کہا: لعن اللہ الکاذبین (اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے) اس کے بعد کہا: علی بن ابی طالب و عبداللہ بن الزبیر، والمختار بن ابی عبید“ اعش کہتے ہیں کہ جب وہ یہ کہہ کر خاموش ہوئے تو میں نے غور کیا کہ انھوں نے یہ تینوں نام بجائے زبر (‘) کے پیش (‘) کے ساتھ پڑھے ہیں یعنی ”اللہ“ کی طرح ان کو لعن کا فاعل بنایا ہے نہ کہ مفعول جس کے معنی یہ ہوئے: اللہ، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور مختار بن ابی عبید، جھوٹوں پر لعنت کرتے ہیں۔ (عقد الفرید ۵/۳۱۳، طبقات ابن سعد ۶/۶، منتہی

۸۳ھ میں عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث نے حجاج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور چونکہ اس کے مظالم سے لوگ تنگ آ گئے تھے اس لیے ایک کثیر جمعیت نے اس کا ساتھ دیا جن میں زیادہ تعداد فقہاء اور قراء کی تھی، چنانچہ سعید بن جبیر، عامر شعبی، ابوالخثری طائی وغیرہ کی طرح عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے بھی اس کا ساتھ دیا اور نہایت بہادری سے جنگ کی۔

ابوزبیر ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ میں جبلہ بن زحر کے لشکر میں تھا، جس وقت اس پر اہل شام نے پے در پے حملے کئے تو عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ نے ہم کو آواز دی اور کہا: ”اے گروہ قراء میدان جنگ سے بھاگنا کسی شخص کے لیے اتنا مذموم نہیں جتنا آپ لوگوں کے لیے، میں نے حضرت علیؑ کو جس دن اہل شام سے ہمارا مقابلہ ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

”اے اہل ایمان! جو شخص یہ دیکھے کہ کسی سرکشی پر عمل ہو رہا ہے اور منکر کی طرف لوگوں کو بلایا جا رہا ہے، پس اپنے قلب سے اس کا انکار کرے۔ پس وہ سالم اور بری ہے اور جو شخص زبان کے ساتھ اس کا انکار کرے تو وہ اجر کا مستحق ہے اور اپنے صاحب سے یقیناً افضل ہے اور جو شخص تلوار کے ذریعے اس کا انکار کرے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور ظالموں کا کلمہ نیچا تو یہ وہ شخص ہے جس نے ہدایت کے راستے کو پالیا اور اپنے قلب کو یقین کی روشنی سے منور کر لیا۔“

پس ان مجاہدین اور اہل احداث سے جنگ کرو جو حق سے جاہل ہیں اور سرکشی پر عمل پیرا ہیں۔

غرض کہ اسی جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

عبیدۃ المسلمانی المرادی

عبیدۃ المسلمانی (سلمان قبیلہ مرادی کی ایک شاخ ہے) (اسد الغابہ ۳: ۳۵۶) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے، کوفہ کے رہنے والے تھے، ان کا اصلی نام اختلاف روایات کی بنا پر حسب ذیل تین طریقے پر آتا ہے: عبادۃ بن قیس، عبیدہ بن عمرو، عبیدہ بن قیس ابن عمرو

(تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

اس اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے والد کے دو نام تھے یا یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں تھیں اور نسب میں غلطی ہو گئی ہے بلکہ اس اختلاف کا منبع یہ ہے کہ علمائے انساب کو اس میں دھوکا ہوا ہے کہ عمرو اور قیس میں ان کے باپ کون تھے اور دادا کون تھے اور چونکہ دادا بھی باپ ہی ہوتا ہے اس لیے کہیں عبادۃ بن قیس کہا گیا، کہیں عبادۃ بن عمرو، رہا عبیدہ اور عبادۃ کا اختلاف اس کی مثالیں کتب رجال میں بکثرت ملتی ہیں اور ایسا اختلاف قرأت کی بنا پر ہے اس سے شخصیت کے تعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسلام:

تمام مؤرخین اور علمائے رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ عبیدۃ المسلمانی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام لے آئے تھے چنانچہ ان کا حسب ذیل قول محمد بن سیرین کی روایت سے تمام کتابوں میں ملتا ہے۔

یعنی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل اسلام لایا اور نماز پڑھی لیکن آپ سے ملاقات نہیں کر سکا (طبقات ابن سعد ۶: ۲۲۶، تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

علم و فضل:

عبیدہ سلمانی کا شمار ان اصحاب میں ہے جو اپنے علم و فضل کی بنا پر اکثر صحابہ رسولؐ پر فوقیت رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن زبیر سے احادیث کی روایت کی لیکن خصوصیت سے ان کا شمار حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسب ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں:

”عبد اللہ بن سلمہ مرادی، ابراہیم غنمی، ابو اسحق سبیعی محمد بن سیرین، ابو حسان الاعرج، ابوالنضر الطائی، عامر العسبی، نعمان بن قیس، سعید بن ابی ہند

(تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۷۷، تہذیب التہذیب ۷: ۸۴)

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین سب سے زیادہ عبیدہ سے روایت کرنے والوں میں تھے۔ انھوں نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ گویا ان کی رائے کے مقامات کو چھوڑ کر سب کی سب علی بن ابی طالب سے ہیں اسی طرح ابراہیم غنمی نے جتنی احادیث ان سے روایت کی ہیں وہ بجز ایک حدیث کے سب کی سب عبد اللہ بن مسعود سے ہیں (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۷۷)

محمد بن سیرین کا ان کے بارے میں مشہور قول ہے ”ما رأیت اشد

توقیاً من عبیدۃ" میں نے عبیدہ سے زیادہ کسی کو اتنا زیادہ محتاط نہیں پایا۔

(خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷، تہذیب اجتہاد ۷: ۸۴)

اُن کے تجربہ علم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قاضی شریعت کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو کہا کرتے تھے بنی سلمان میں ایک شخص ہے جو اس کو حل کر سکتا ہے اور عبیدہ کے پاس لوگوں کو بھیج دیتے تھے (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷) شعبی کا ان کے بارے میں قول ہے:

شریعت علم قضا کے سب سے بڑے جاننے والے تھے لیکن عبیدہ اس میں ان کے برابر تھے۔ (خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

یہی قول سفیان کا ہے کہ عبیدہ علم و فضل میں شریعت کے دوش بدوش تھے۔

(خطیب بغدادی ۱۱/۱۱۷)

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں:-

میں نے کوفہ میں ایسے چار شخصوں کو پایا ہے جن کو فقہاء میں شمار کیا جاتا ہے، پس جس نے پہلا نمبر حارث کو دیا تو دوسرا نمبر عبیدہ کا ہے اور جس نے عبیدہ کو پہلا نمبر دیا تو دوسرا نمبر حارث کا ہے، پھر تیسرا نمبر علقمہ کا اور چوتھے درجے پر شریعت ہیں۔

(خطیب بغدادی ۱۱/۱۱۷)

دوسری جگہ محمد بن سیرین کا یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے:-

عبداللہ بن مسعود کے اصحاب پانچ تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو عبیدہ کو مقدم کرتے تھے اور کچھ علقمہ کو اور اس میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا کہ شریعت کا درجہ سب سے آخر میں ہے۔

اس پر حماد (قول مذکور کے راوی) سے پوچھا گیا کہ وہ کون پانچ اصحاب ہیں تو انھوں نے کہا:

عبیدہ، علقمہ، مسروق، ہمدانی، شریح (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)
 عبیدہ کی علمی جلالت اور عظمت کا اندازہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے
 حسب ذیل قول سے اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:
 اے اہل کوفہ! کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ سلمانؑ اور ہمدانیؑ کی مثل بن جاؤ
 (ہمدانیؑ سے آپؑ کی مراد حارث بن الازمع ہے نہ کہ حارث اعور) بیشک وہ
 دونوں ایک مرد کے دو حصے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)

حماد کا بیان ہے کہ عبیدہ اعور تھے (طبقات ابن سعد ۶۲/۲)
 مولف تہذیب التہذیب ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:
 علی بن المدینی نے عبیدہ کا شمار ابن مسعود کے اصحاب میں فقہاء میں کیا
 ہے۔ اسحق بن منصور، ابن معین کی زبانی ناقل ہیں کہ عبیدہ ثقہ ہیں، ان کے امثال
 کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جاسکتا۔ عثمان داری کا قول ہے کہ میں نے ابن
 معین سے ایک مرتبہ کہا علقمہ آپؑ کو زیادہ محبوب ہیں یا عبیدہ تو انھوں نے کسی کو
 ایک دوسرے پر اختیار نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ۸۵/۷)

عام حالات:

عبیدہ سلمانؑ کے حالات زندگی سے تاریخ اسلام کا ایک طویل دور بالکل
 خاموش ہے حد یہ ہے کہ جملہ وصفین جیسے اہم مواقع پر بھی ان کا نام کسی جگہ نہیں
 ملتا۔ خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ مدائن میں حضرت علیؑ کے ہمراہ
 آپؑ آئے تھے، اس کے بعد جنگ نہروان کے موقع پر ضرور امیر المومنینؑ کے
 ہمراہ ملتے ہیں۔ اس موقع پر ان کا بیان ہے کہ جب ہم اصحاب نہر سے فارغ
 ہوئے تو علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں میں تلاش کرو اس لیے کہ اگر یہ وہی
 گروہ ہے جس کے لیے رسول اللہؐ نے پیشین گوئی کی ہے تو ان میں ایک مخرج الیہ

شخص ضرور ہوگا عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے تلاش کیا۔ اور اس شخص کو پالیا پھر ہم نے امیر المومنین کو اس کے پاس بلایا، آپ تشریف لائے اور اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے، اس وقت آپ نے تین مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا اور کہا اگر تم مغرور نہ ہو جاؤ تو میں بیان کروں کہ اللہ نے ان لوگوں کے قتل کے بارے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر کیا الفاظ جاری کئے ہیں، عبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! قسم کجے کے پروردگار کی، قسم کجے کے پروردگار کی، قسم کجے کے پروردگار کی (تاریخ خطیب بغدادی ۱۱: ۱۱۷)

زہد و تقویٰ:

عبیدہ سلمانی کو امیر المومنین کے زہد سے بھی حصہ وافر ملا تھا۔ محرمات کا تو ذکر ہی کیا ہے مشتبہات سے بھی وہ اسی طرح پرہیز کرتے تھے جس طرح محرمات سے، چنانچہ نبیذ اسلام میں اگر حرام نہیں ہے تو مکروہ یقینی ہے لیکن عرب چونکہ شراب کے عادی تھے اس لیے اسلام آنے کے بعد بھی یہ عادت ان سے نہ چھوٹی لیکن اب اس کو نبیذ کی مثل دے دی گئی تھی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے محتاط صحابہ نبیذ کا استعمال کرتے تھے لیکن عبیدہ اور ان کے امثال نے کبھی اس سے اپنا کام و دہن آلودہ نہیں کیا۔ محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے نبیذ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: ”لوگوں نے بہت سی پینے کی چیزیں ایجاد کر لی ہیں میری شراب بیس سال سے بجز پانی اور دودھ اور شہد چوتھی چیز نہیں“ (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

ایک مرتبہ کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور مشروبات (پینے کی چیزیں) کے بارے میں اختلاف کرنے لگے، جب ان سے رجوع کیا گیا تو جواب دیا:

”میری شراب تیس برس سے سوائے شہد، دودھ اور پانی کے اور کچھ نہیں ہے“

(طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

محبت رسولؐ:

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبیدہ سے کہا: ”ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہے جو انس (بن مالک) کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔“ یہ سن کر انھوں نے کہا: ”اگر میرے پاس آپ کا ایک بال ہوتا تو یقیناً سطح زمین پر زرو اور سفید جو کچھ بھی ہے اس سب سے زیادہ محبوب ہوتا“

(طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

عقیدہ رجعت:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیدہ رجعت کے بھی قائل تھے چنانچہ نعمان بن قیس راوی ہیں کہ مجھ سے میرے باپ بیان کرتے تھے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: ”مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت سے قبل تم رجعت کرو گے اور تمہارے ہاتھوں میں علم ہوگا اور اس وقت ایسی فتح تم کو حاصل ہوگی جو نہ تمہارے قبل کسی کو حاصل ہوئی نہ تمہارے بعد ہوگی۔“ اس پر عبیدہ نے جواب دیا: ”بیشک اللہ اگر مجھ کو قیامت سے پہلے دو مرتبہ زندہ کرے اور دو مرتبہ مارے تو اس میں سوائے میری بھلائی کے اور کچھ نہ ہوگا“ (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

وفات:

عبیدہ کی وفات حسب تصریح ابن سعد ۷۲ھ میں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲) یہی قول ابن نمیر اور دیگر اصحاب کا ہے قعنب نے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی وفات ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں ہوئی۔ ترمذی بھی ۷۳ھ کے قائل

ہیں۔ ابوبکر بن شیبہ کا قول ہے کہ عبیدہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ مولف ”تہذیب التہذیب“ نے اس آخری قول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن حبان نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۸۳/۷)

وفات کے وقت انھوں نے اپنی تمام کتابوں کو منگوایا اور ان کے تمام نقوش کو مٹا دیا اور کہا: ”مجھے یہ ڈر ہے کہ میرے بعد وہ کسی ایسے شخص تک پہنچ جائیں جو ان کو نہ سمجھ سکے اور ان کا جو مقام ہے اس کے خلاف ان کو رکھ دے۔“

اس کے بعد وصیت کی کہ میری نماز جنازہ اسود بن یزید پڑھائیں چنانچہ متوفی کی حسب وصیت اسود ہی نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ اسود جب نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو کہا جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کذاب یعنی مختار آجائے۔ چنانچہ غروب آفتاب سے قبل ہی نماز پڑھ لی گئی۔ (طبقات ابن سعد ۶: ۶۲)

روایت کے اس آخری ٹکڑے کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مختار کا قتل بالاتفاق ۶۷ھ میں ہوا ہے ملاحظہ ہو تاریخ طبری (۷/ ۱۶۱) و کامل (۴/ ۱۱۷) والبدایۃ والنہایہ (۸/ ۲۸۷) اور عبیدہ کی وفات بہ اختلاف اقوال ۷۲ھ و ۷۴ھ کے درمیان دائر ہے اس بنا پر اگر ۷۲ھ میں بھی ان کی وفات تسلیم کر لی جائے تب بھی اس وقت مختار کے قتل کو آٹھ برس گزر چکے تھے اس لیے یہ کہنا کہ ”جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ کذاب آجائے“ کہاں تک قرین قیاس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کے بنانے والے کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ مختار ۶۷ھ ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب آٹھ سال کے بعد وہ کہاں سے آسکتے ہیں۔ یقیناً روایت میں اضافہ مختار کے مخالفین کا ہے اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مورخین نے ان کے بارے میں کیا کیا جھوٹی روایتیں نہ تراشی ہوں گی۔

ضرار بن ضمرة الضبائی

ان کا کوئی حال تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا البتہ معاویہ کی فرمائش پر انھوں نے امیر المومنینؑ کی جو منقبت بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرار نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپ کی صحبت اٹھائی تھی۔

تاریخ میں ان کا نام صرف اسی واقعے کی بدولت زندہ ہے۔ امیر المومنینؑ کے ذکر پر ان کے دشمنوں کو زلادینا ضرار ہی کا کام تھا جس کی اثر انگیزی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر صدی کے ادیب اور مورخ نے اس واقعے کو اپنی اپنی مولفات میں نقل کیا ہے چنانچہ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذهب (۱۲، ۳۷) میں، ابوالسلیل قالی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی امالی (۲، ۱۴۹) میں، شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے امالی (مجلس ۹۱) میں، سید رضی متوفی ۴۰۶ھ نے نچ البلاغہ (۲، ۸۴) اور کتاب خصائص الائمہ (قلمی کتاب خانہ رام پور) میں، ابراہیم بن محمد بیہقی متوفی نے کتاب الجبال والساوی (۱، ۳۳) میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء (۱، ۸۵) میں، حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ (۷، ۳۵) میں ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے صفحۃ الصفوة (۱، ۱۲۱) میں، محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ نے کتاب محافرات الابرار و سامرة الاخیار (۲، ۱۶۸) میں، ابوسعید سامان نے اپنی کسی تالیف میں، بہائی نے کامل میں

(مجالس المومنین صفحہ ۳۱) اپنی اپنی اسناد کے ساتھ یہ پورا واقعہ نقل کیا ہے، اسی ضمن میں امیر المومنین کا حسب ذیل کلام بھی ملتا ہے۔

یادنیہا، یادنیہا، الیک عتی، ابی تعرضت، امر الی تشوقت..... الخ
غالباً اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ معاویہ کے دربار میں پیش آیا اور تمام اہل دربار نے خلاف توقع ضرار کی زبان سے امیر المومنینؑ کے فضائل کو سنا نیز جیسا کہ روایت بتاتی ہے خود معاویہ بھی اس کو سن کر اتنا متاثر ہوئے کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ضرار سے کہا: ”اے ضرار تم کو علی کا کتنا غم ہے“ ضرار نے جواب دیا: ”حزن من ذبح واحدہا فی حجرہا“ ”اتناغم جتنا اس عورت کو ہوتا ہے جس کا اکلوتا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے۔“

ذیل میں یہ پورا واقعہ حافظ ابو نعیم کی کتاب حیلۃ الاولیاء سے نقل کیا جاتا ہے:
ہم سے سلیمان بن احمد نے بیان کیا، انھوں نے محمد بن زکریا غلابی سے، انھوں نے عباس بن بکار انصاری سے، انھوں نے عبدالواحد بن ابی عمرو الاسدی سے، انھوں نے محمد بن السائب الکلبی سے، انھوں نے ابوصالح سے سن کر بیان کیا، ابوصالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ضرار بن ہمرہ کتانی معاویہ کے دربار میں آئے۔ معاویہ نے ان سے کہا: ”اے ضرار! کچھ علیؑ کا وصف بیان کرو“، ضرار نے کہا: ”امیر المومنینؑ مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے“، معاویہ نے کہا: ”یہ نہیں ہو سکتا“، غرضیکہ ضرار کو جب انھوں نے مجبور کیا تو اس طرح گویا ہوئے:
علی بن ابی طالب وہ تھے جن کی انتہا بہت دور تھی، جن کے قویٰ بہت سخت تھے، بات فیصلہ کن کہتے تھے اور عدل کے ساتھ حکم کرتے تھے، ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے اور حکمت ان کے اطراف سے بولتی تھی، وہ دنیا اور اس کی رنگینوں سے وحشت کرتے تھے اور رات اور اس کی تاریکی سے

آسودگی ضمیر محسوس کرتے تھے، موٹے موٹے آنسوؤں سے روتے تھے، لمبی فکر کرتے تھے، اپنی ہتھیلیوں کو رگڑ رگڑ کر اپنے نفس سے مخاطب ہوتے تھے، چھوٹے سے چھوٹا لباس اور موٹی سے موٹی غذا ان کو پسند تھی، قسم خدا کی قسم خدا کی وہ ہم میں ایک عام آدمی کی طرح تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تھے تو قریب بٹھاتے تھے اور جب ان سے کچھ پوچھتے تھے تو جواب دیتے تھے اور باوجودیکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے ہر وقت قریب رہتے تھے پھر بھی ہیبت کی وجہ سے ہم ان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ آپ اگر کبھی تبسم فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروئے ہوئے موتی چمک رہے ہوں۔ وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں کو دوست رکھتے تھے۔ طاقتور اپنے باطل میں اُن سے کوئی طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ بعض موقعوں پر میں نے ان کو دیکھا ہے، جب کہ رات تاریکی کے پردے چھوڑے ہوئے تھی اور ستارے ڈوبتے ہوئے تھے کہ آپ اپنی محراب عبادت میں جھکے ہوئے اور داڑھی کو پکڑے ہوئے اس طرح تڑپتے تھے جس طرح عقرب گزیدہ تڑپتا ہے اور اس طرح روتے تھے جیسے کوئی غمزدہ روتا ہے، میرے کان میں اس وقت بھی ان کے یہ فقرے گونج رہے ہیں۔

اے دنیا، اے دنیا، میرے پاس سے دور ہو جا..... الخ

جنابِ قنبر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرت آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی حضرت کے بڑے جان نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا

اس کا غلام ہوں جو دو تلواریں سے جہاد کرتا اور جو دو نیزوں سے لڑتا تھا، جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دونوں بے ہمتی کیں، دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک لمحے کے لیے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرت کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو بھی گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ ”تم علیؑ کی کون سی خدمت انجام دیتے تھے“۔ کہا ”وضو کے لیے حضرت کے پاس پانی لے جاتا تھا“۔ پوچھا ”جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے“۔ کہا ”اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے“ **فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (سورۃ النعام، آیت ۴۴ اور ۴۵) ”پھر جس چیز کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پاکر مگن و مست نہو گئے تو ہم نے انہیں ناگہاں لے ڈالا، اُس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔“

”پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جزا کاٹ دی گئی، تمام تعریف اللہ کے لئے

ہے“ حجاج نے کہا ”میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انھیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔“ قبر نے کہا ”ہاں ایسا ہی ہے۔“ حجاج نے کہا ”اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو؟“ قبر نے کہا ”سبحان اللہ ہے نصیب میرے پھر تو میں شہیدوں کا درجہ پالوں گا اور تو ظالموں، بد بختوں کے گروہ میں ہو جائے گا۔“ حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دیئے گئے۔ (رجال کشی صفحہ ۴۸) ابو النبا جو کہ کرباس کا (سوتی) کپڑا بچتا تھا، کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے پھر اپنے غلام قبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو۔ قبر نے ان دونوں میں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیر نے دوسرا کپڑا پہنا۔

(ینایع المودۃ وریاض النضرہ، جلد ۲۲۹)

حضرت علیؑ کے با وفا غلام۔ قبر

جو شخص کہ شریعت میں سب سے بزرگ ہے اُسے علیؑ عادل کہا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ کے غلام قبر تھے، آیا آپ اُن کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں وہ قبر ہے جس وقت کہ شریعت نے حضرت علیؑ سے گواہ طلب کئے علیؑ نے قبر کو گواہ اور شاہد بنا کر بھیجا۔ اور فرمایا لا بأس بشهادة المملوک اذا کان عدلاً ”ہر گاہ کہ جو بھی قبر کی طرح سے عادل ہو تو اُس کا کہنا ہی کافی ہے۔“

سر آغاز..... بنام خدا..... کہاں سے شروع کروں۔

میں نہیں جان پار باہوں کہ زندگی عاشق و دلدارہ غلام علیؑ (با وفا) قبر کی بات کہاں سے شروع کروں، تنہا میں ہی نہیں جانتا ہوں بلکہ تاریخ بھی ان کو نہیں سمجھ

پائی ہے اور ان کی زندگی کے اتنے نشیب و فراز ہیں کہ ان کی زندگی ان کے ماں باپ کی زندگی ان کے حالاتِ بچپن، ایک لمبی داستان ہے۔ آیا یہ ایک بادشاہ کے بیٹے تھے جیسا کہ تاریخ نے بیان کیا ہے اور بعضوں نے ان کو دانشمندان اور اہل تحقیق عاشق و دلدادہ علیؑ کہا ہے اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر آگئے تھے۔ پھر علیؑ کی گھر کی نوکری کر لی تھی۔

یہ افریقہ کے سیاہ فام حبشی غلام تھے۔ اور اسلامی جنگوں میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا اُس میں کے آئے ہوئے جیسے بردہ فردوسی کا مال ہوتا ہے۔ اسلامی ملک میں آگئے تھے پھر حضرت علیؑ نے ان کو ان کے آقا سے خرید لیا تھا۔ اور آزاد کر دیا تھا۔ جیسا کہ شہر آشوب نے کتاب مناقب میں (ج ۳، صفحہ ۳۰۶) پر لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک ہزار روپے دے کر بہت سے غلام خریدے اور آزاد کر دیئے تھے۔ انہی میں سے قبر اور سلمان ہیں پھر یہ علیؑ کی نوکری کرنے لگے تھے اور عشقِ علیؑ میں سرشار ہو کر خدمتِ علیؑ کیا کرتے تھے علیؑ کو بھی قبر سے بہت زیادہ محبت تھی نجاشی بادشاہ حبشہ کے خاص لوگوں میں سے قبر تھے اور چونکہ علیؑ سے انھوں نے معجزے دیکھے تھے اس لیے علیؑ کی نوکری ہی کرنے لگے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر کا تعلق مصر سے ہے حضرت علیؑ نے ان کو خرید لیا تھا۔ علامہ مامقانی کا کہنا ہے کہ اس جگہ شک والی بات ہے کہ یہ مصر کے نہیں ہیں اور یہ مصر کے نہیں بلکہ مصر کے ہیں اور مصر قبیلے سے ان کا تعلق ہے کہ یہ علاقہ جزیرۃ العرب سے متعلق ہے۔

یہ معلوم نہیں ہے کہ قبر کب سے غلامی مولا علیؑ میں آئے۔ البتہ خلافتِ عمر بن خطاب میں قبر علیؑ کے نوکر تھے اور علیؑ کے ساتھ سائے کی طرح رہا کرتے تھے روزِ آخر حیات تک حضرت علیؑ سے الگ نہیں ہوئے۔ پھر خانہ کمام حسن میں نوکری کی

اور خلیفہ عبد الملک بن مروان بہ دست پلید و ظالم زمانہ حجاج بن یوسف ثقفی، محبت و عشق علیؑ میں شہادت پائی۔ بعض داستانیں جو بیان کی گئی ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے۔ (نتیجہ المقال ج ۲ باب القاف)

۴۔ کچھ واقعات جو عمر کے زمانے میں پیش آئے تھے اور علیؑ داوری کر رہے تھے قبر بھی حاضر تھے۔ (تحفۃ المجالس ص ۸۶)

کہ یہ جنگِ خیبر میں خاص دلدل کو علیؑ کے پاس لائے اور علیؑ سوار ہو کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب قبر خدمتِ علیؑ میں آئے تھے تو نو جوان تھے۔ دلیل یہ ہے کہ علیؑ کی خدمت میں تھے جب علیؑ نے دولباس خریدے تھے اچھا والا قبر کو دے دیا تھا۔

قبر نے عرض کیا کہ میرے مولا اچھا لباس تو آپ کے جسم پر اچھا لگے گا۔ تو آپ نے فرمایا قبر تم جوان ہو اور نو جوان اچھے لباس کی طرف رغبت کرتے ہیں۔

اور مہم یہ نہیں ہے کہ ہم تمام حالات حسبِ نسب سے آگاہ ہو جائیں بلکہ سوال یہ ہے کہ قبر کیسے شیعہ علیؑ بنا، اور علیؑ کی آنکھ کا تار اور شیعانِ علیؑ میں سے بنا۔

قبر جو کہ خورشیدِ تاباں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ولایتِ علیؑ واقع ہوئی اور حکومت کو زیرِ سایہ علیؑ چلنا چاہیے تھا۔ البتہ قبر علوی تھا کبھی بھی دنیا کی طرف رغبت نہیں کی حالانکہ شہادتِ علیؑ کے بعد ان کو بیابانِ جنگل میں جانا پڑا اور لکڑیاں اکٹھی کرنی پریں اور ان کو بیچا کرتے تھے۔ اسی طرح زندگی گزاری۔

ان کی زندگی درسِ علیؑ سے پڑھی۔ اور یہ زبردست غلامِ علیؑ تھے۔ میں تنہا نہیں کہہ رہا ہوں کہ علیؑ کے عاشق قبر تھے یہ بات تو امام جعفر صادقؑ نے کہی ہے

”کان قبر غلام علی یحب علیاً حباً شدیداً“ (۲) قاموس الرجال ج ۷ صفحہ ۳۹

(۱) منتخب التواریخ ص ۱۴۰، نقل از انوار العلویہ (۲) قاموس الرجال ج ۷ صفحہ ۳۹

تمام عشق کو تلاش کر لینا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔

اور اس آستانے کو وہی بوسہ دے گا جو ہاتھوں پر سر رکھ کر لائے گا اُن کو ظاہر اُلوگ ہمدان کا فرزند جانتے ہیں لہذا ابوہمدان کا کہنا ہے کہ ان کو مشکور بھی کہا گیا ہے۔

تنقیح المقال - ج ۲، (قبر) عباس بن حسن اور احمد بن بشر یہ قبر منسوب ہیں اسی وجہ سے ان لوگوں کو قبریان کہا جاتا ہے۔ (وقعۃ الصغین - ص ۲۳)

قبر علی سے ملاقات کر کے ولایت و کمال کے سورج میں پرورش پانے لگے۔

اس وجہ سے ان کو قبریان کہا جاتا ہے۔ (الکفی والالقاب ۲، ص ۲۹۵)

اور قبر صرف ذات علی پر ہی منحصر نہیں بلکہ ہر زمانے سے قبر کا تعلق ہے اور علی کے بارے میں ایک کتابچہ لکھا ہے۔ جس کے ستارے چاند کے ارد گرد نظر آتے ہیں تو قبر بھی علی کے ساتھ ایسے ہی نظر آتے ہیں۔

ایک روز ایک شخص نے محفل میں کچھ شعر پڑھے اس کتاب کے آخر میں وہ شعر لکھے ہوئے ہیں۔ اولاد آدم میں ایک بزرگ ہستی کا نام قبر ہے ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم قبر کا احترام کر رہے ہیں یا نام علی کا احترام کر رہے ہیں۔

یا اللہ ہم سب کو ہمت مردانہ عطا فرما جیسے قبر بیدار دل بیدار مغز ہیں اسلام کے اصولوں پر چلتے ہیں ہمیں بھی ایسی ہی توفیق عنایت فرما۔

اور آپ کی ذات پر قبر، درود بے حساب ہوں کہ آپ علی کے وفادار ہیں

قبر کی معماری:

جب رسول اللہ نے یہ فرمان خدا! تمام دروازے مکانوں کے جو مسجد نبوی کی طرف کھلتے تھے حکم دیا کہ ان دروازوں کو بند کر دیا جائے مگر صرف ایک علی کا دروازہ کھلا رہا چنانچہ تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عباس بن عبدالمطلب حضور کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ اجازت دے دیں

کہ ان کے مکان کا پر نالا مسجد نبیؐ میں کھول دیا جائے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ایسا کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ تو عباس نے کہا کہ چلو پشت در والا پر نالا ہی مسجد نبیؐ کی طرف کھول دیا جائے تاکہ مجھے فخر حاصل ہو، چنانچہ عباس کی حاجت پوری کی گئی، اور پر نالا مسجد میں نصب ہوا۔ پھر تمام مسلمانوں سے فرمایا۔

خداوند عالم نے عباس کے مکان کا پر نالا کھلو کر ان کو فخر و شرف بخشا ہے مجھے اس بارے میں تنقید نہ کرنا اور جو شخص بھی مجھے عباس کے بارے میں تنقید کا نشانہ بنائے اس پر لعنت ہو۔

اور یہ طریقہ خلافت عمری تک برقرار رہا۔ ایک روز جب عباس مریض ہو گئے تو بستر بیماری پر پڑ گئے تو ایک کنیز پشت خانہ عباس سے واپس گئی اور عباس کا لباس دھو کر لائی اسی دوران پر نالے سے تھوڑا پانی باہر آ گیا تو عمر کے لباس پر پڑ گیا عمر کو یہ بات بہت ہی ناگوار گزری اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ پر نالا بند کر دیا جائے غلام نے اطاعت کی اور پر نالا توڑ ڈالا گیا اور اسے خانہ عباس کی پشت سے ہٹا دیا گیا۔ اور عمر نے یہ اعلان کر دیا کہ اگر کسی نے پر نالا بچایا تو اس کو مار دوں گا۔

یہ بات عباس کو ناگوار گزری تو اپنے دو فرزندوں کو بلایا عبد اللہ و عبید اللہ کہ آکر مدد کریں اور بیماری کی وجہ سے آپ سے ہلا جلا نہیں جا رہا تھا تو علیؑ کے سامنے حاضر ہوئے تاکہ علیؑ کو تمام حالات دکھائے جاسکیں تو آپ نے کہا کہ ایسی بیماری میں آپ کیوں پریشان ہیں عباس نے پر نالا کھودے جانے کی بات کی اور عمر کی دھمکی بتائی۔ پھر کہا ارے بھتیجے میرے دو آنکھیں سفید کہ جن سے دیکھتا ہوں ایک رسول خداؐ تھے جو گزر گئے اب دوسرے آپ ہیں میں سوچتا ہوں کہ آپ کی موجودگی میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا اور جو بھی عزت و شرف مجھے خدا نے اور رسول خداؐ نے دی ہے وہ عزت ختم نہیں ہوگی۔ اب آپ حکم فرمائیں۔

علیؑ نے فرمایا:

چچا آپ ساتھ عزت کے اپنے گھر چلے جائیں اور میں جلدی ہی آپ کی خوشی کے مطابق کام انجام دوں گا پھر قبر کو بلایا اور فرمایا کہ میری ذوالفقار لاؤ، قبر نے ذوالفقار لا کر دے دی، علیؑ تلوار لے کر مسجد تک آگئے کچھ لوگوں نے آپ کا دور دیکھا تھا تو قبر سے پوچھا کہ پیچھے کی طرف سے پرنا لانا نصب کیا جائے اور پرنا لا آپ نے بنوا کر کہا کہ اے لوگو! جان لو کہ اگر کسی نے اس پرنا لے کو توڑا تو میں اُس کی گردن توڑ ڈالوں گا۔ اس کی نگرانی کر دتا کہ یہ خشک ہو جائے۔

لوگوں نے یہ معاملہ عمر سے کہہ دیا۔ تو گھر سے باہر آ کر مسجد تک آیا اور پرنا لے کو دیکھا کہ اُس کی جگہ پر نصب کیا گیا ہے تو کہنے لگا کسی میں اتنی مجال نہیں تھی کہ روکتا، آج میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا، دوسرے روز علیؑ اپنے چچا عباس کے پاس آئے اور مزاج پر سی کی تو کہا کہ اے میرے بھتیجے جب تک تم ہمارے درمیان میں ہو ہمارے لیے ایک نعمت ہو حضرت علیؑ نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اگر اس پرنا لے کے بارے میں لوگ مجھ سے جھگڑا کریں گے تو ایک ایک کو قتل کر دوں گا۔

میری زندگی میں آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ عباس اٹھے اور علیؑ کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ اے میرے بھتیجے جس کی مدد تم کرو گے تو وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ اس سے وفاداری قبر ثابت ہو جاتی ہے۔ (سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۱۳۹، اور حدیقتہ الشیعہ، ص ۷۷)

محافظت حضرت علیؑ اور قبر:

اگر سایہ علیؑ کی طرح کوئی شخص علیؑ کے ساتھ رہا ہے اور اُسے علیؑ کی پریشانیوں کا بھی علم تھا تو اُن تمام مصیبتوں میں گھر میں باہر میدان جنگ میں، حدود اسلامی و

عدلِ اسلامی جاری کرنے میں، عبادات میں غرض ہر وقت علیؑ کے ساتھ رہے اور یہ معمولی مسلمانوں کے جیسے نہیں تھے کہ کبھی نماز میں آگے تو آگے، بلکہ جنگ میں بھی شریک ہوئے۔

علیؑ اپنے تختِ حکومت کے زمانے میں کوفے میں جبکہ چاروں طرف سے ہنگامے برپا ہو رہے تھے اور حالاتِ مخدوش تھے۔ قتلِ علیؑ کی تیاری ہو رہی تھی ایسے ناگزیر حالات میں بھی آپؑ نمازِ شب تنہائی میں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔ اور قنبر ایک ایک لمحے کی اطلاع رکھتے تھے تاکہ ہر وقت نصرت کر سکیں تلوار لے کر راستے میں کھڑے ہو جاتے تھے بسترِ خواب کو چھوڑ دیتے تھے ہتھیلی پر اپنی جان لے کر علیؑ کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اتفاقاً علیؑ نے ایک رات قنبر کو ایسا کرتے دیکھ لیا۔ تو آپؑ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے ہو، تو قنبر نے کہا کہ مولا میں آپؑ کی حفاظت کے لیے موجود رہتا ہوں، کیونکہ سارا زمانہ دشمنی میں لگا ہوا ہے چاہتا ہوں کہ آپؑ کو کوئی زخم نہ پہنچے علیؑ تو مرو خدا ہیں آپؑ کا دل اطمینان سے مالا مال ہے پتھر یا جنگل ان کی نظر میں ایک ہیں، قنبر کے جواب میں علیؑ نے کہا کہ کیا تو میری اہلِ آسمان سے حفاظت کر رہا ہے یا اہلِ زمین سے، تب حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کسی شخص میں اہلِ دنیا میں سے اتنی طاقت نہیں ہے کہ مجھے نقصان پہنچا سکے۔ مگر یہ کہ فرمانِ الہی آجائے اور موت مقدر ہو جائے۔ اے قنبر میری حفاظت نہ کیا کرو چنانچہ قنبر واپس چلے گئے۔ جنگِ صفین میں قنبر موجود ہیں تیروں کی بارش ہے لوگ شہید ہو رہے ہیں مگر قنبر ہیں کہ حضرت علیؑ سے جدا نہیں ہو رہے ہیں۔

قیصرِ روم نے ایک خط معاویہ کو لکھا۔ اور ضمنِ نامہ میں اُس سے چند سوالات بھی پوچھے تھے۔ (لاشعنی کیا) چیز ہے۔

(اقاموس الرجال، ج ۷ ص ۳۹، سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۳۹، منتخب التواریخ، ص ۱۳۰، بحار، ج ۹ ص ۱۲۹)

معاویہ لاشعی، کو نہ سمجھ سکا تو اپنے حاشیہ برداروں جیسے عمر بن العاص سے پوچھا تو کہنے لگا کہ اے معاویہ کسی قاصد کو علیؑ کے لشکر کی طرف بھیج دے اچھا گھوڑا لے جائے اور قیمت لاشعی کہہ دے، تو صحیح جواب مل جائے گا۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؑ نے قبر سے کہا کہ جا کر اس گھوڑے کی قیمت دریافت کرو، اُس نے کہا کہ اس گھوڑے کی قیمت لاشعی ہے، حضرت علیؑ نے کہا کہ گھوڑے کو قبر اپنی تحویل میں لو، اور ایک مٹھی خاک اُس کو دے دو، لاشعی قیمت دے دو، اور جب دلیل پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ ترجمہ: ان کافروں کے اعمال ریت کی مثل بے کار ہیں، سراب، پانی کی شکل میں بیابان میں ہوتا ہے پیاسا جلدی سے پیاس بجھانے کیلئے وہاں جاتا ہے مگر پانی نہیں ملتا بلکہ ریت ہوتا ہے گویا دھوکا ہی دھوکا ہے۔ یعنی سراب ہی لاشعی ہے۔

علیؑ ایک راستہ پار کر رہے تھے قبر بھی ساتھ تھے راستے میں علیؑ نے ایک بوڑھی عورت کو بہ حالت بھوک و پیاس دیکھا کہ بچے بھوک سے بلک رہے ہیں عورت بچوں کو خاموش کر رہی ہے عورت نے بچوں کی تسلی کیلئے چو لھے پر ایک دھچی پانی کی چڑھا رکھی ہے تاکہ بچوں کو یہ اطمینان رہے کہ ماں ہمارے لئے کچھ پکا رہی ہے۔ اور بچوں کو سلا رہی ہے علیؑ کو ایسا دیکھ کر دکھ ہوا تو قبر سے کہا کہ جلدی کرو، یہاں ٹھہرو اور کچھ آنا اور کھجوریں لے کر اُس عورت کے پاس گئے تو وزن علیؑ نے اٹھا رکھا تھا قبر نے بار بار کہا مولایہ وزن مجھے دے دیں مگر حضرت علیؑ نے نہ مانا، اور عورت کے پاس آ گئے۔

حضرت علیؑ نے کچھ گلی درمیان دیگ ڈالا اور غذا تیار کی اور اپنے ہاتھوں سے بچوں کو کھلا کر سیر کر دیا پھر آپ نے اپنے گھٹنے گوسفند کی طرح زمین پر ٹیک دیے اور گوسفند کی طرح، بلع بلع بلع، کی آوازیں نکالنے لگے۔ بچے بھی آپ کے ساتھ

کھیلنے لگے، پھر حضرت علیؑ سفر سے واپس آ گئے۔ قنبر نے کہا کہ آقا میں نے دو چیزیں آپ سے ملاحظہ کی ہیں کہ ایک بات تو میں سمجھ سکا ہوں دوسری بات نہیں سمجھ سکا ہوں، میں نے آپ سے کہا کہ وزنی سامان مجھے دے دیجئے میں لے کر چلوں گا، آپ نے گوارہ نہ کیا، لیکن گو سفند کی طرح سے کھیل کرنا، یہ بات میں نہ سمجھ سکا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب ہم ان یتیموں کے پاس آئے تھے تو یہ بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے اس لیے میں نے چاہا کہ جب ہم ان سے جدا ہوں تو یہ پیٹ بھرے ہوئے بھی ہوں اور کھیل سے خوش بھی ہوں۔

ان تین باتوں سے ہم تاریخ کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ، قنبر ہر حال میں علیؑ کے مددگار رہے ہیں۔

حضرت علیؑ کے فیصلے اور قنبر:

قنبر اور علیؑ کے یوں تو بہت سے واقعات ہیں ان میں سے چند کو ہم ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں حضرت علیؑ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا ناگہاں قنبر بھی آگئے اور عرض کیا کہ دس افراد ہمارے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ، علیؑ ہی ہمارا خدا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ان کو گھر کے اندر بلا لاؤ، جب وہ آگئے تو ان سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تو کہنے لگے کہ۔

آپ ہمارے خدا ہیں آپ نے ہی تو پیدا کیا ہے۔ اور روزی دیتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ، افسوس ہے تم پر، کہ ایسا ہر گز ہر گز نہ کہو، بلکہ میں تو ایک مخلوق خدا ہوں، تو انھوں نے انکار کیا، اور عقیدے پر قائم رہے پھر حضرت نے فرمایا کہ افسوس ہے تمہاری عقلوں پر کہ ہمارا اور تمہارا رب تو خدا ہے تو بہ کرو

اور اپنے اس عقیدے سے باز آؤ، کہنے لگے کہ ہم اپنے اس عقیدے سے باز نہیں آئیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ آپ ہمارے خدا ہیں اور روزی بھی دیتے ہیں حضرت علیؑ نے قبر کو حکم دیا کہ خندق کھود کر آگ جلائی جائے، آگ جلی پھر آپ نے ایک ایک سے کہا کہ اپنے عقیدے سے باز آ جاؤ، باز نہیں آئے تو ایک ایک کر کے آگ میں جلادیا، پھر فرمایا کہ میں نے ہر چند لوگوں کو سمجھایا آگ جلا کر ڈرایا مگر نہ مانے تو ان کو جلادیا گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آگ میں جلتے وقت وہ فریاد کر رہے تھے کہ، اے آگ تو روشن ہوئی ہے اور ہم علیؑ کو خدا مان رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے اس باطل عقیدے پر جل کر خاک ہو گئے۔

ایک عورت قاضی شریح کے پاس آئی اور کہا کہ میرے اندر دونوں آلات موجود ہیں میں عورت بھی بن جاتی ہوں اور مرد بھی بن جاتا ہوں آپ میرے بارے میں فیصلہ شرعی کریں کہ میں کون ہوں؟

تو حضرت علیؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ قبر سے کہا کہ چند عورتوں کو لاؤ اور ان عورتوں سے کہو اس کی پسلیاں شمار کی جائیں مرد میں ایک پسلی کم ہوتی ہے۔

(رجال المعروف برجال الکشی ص ۳۰۸، قاموس الرجال ج ۷، ص ۳۹۱، ناخ التواریخ حضرت علیؑ، ج ۴، ص ۱۳۹)

عورت نے دعویٰ کیا کہ میرے اندر دونوں باتیں موجود ہیں میں کبھی عورت بن جاتی ہوں اور کبھی مرد بن جاتی ہوں۔

قاضی شریح پریشان ہوا، پھر عورت نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھ سے جماعت کی اور بچہ پیدا ہو گیا، اور پھر میں نے اپنی کنیز سے جماعت کی تو اس کے اولاد پیدا ہو گئی شریح نے دانتوں میں انگلی دبالی اور تعجب کرتا رہا۔

پھر یہ عورت حضرت علیؑ کے پاس آئی، اور اپنی تفصیلی بات کہی، تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو لاؤ، اُس سے پوچھا گیا تو کہا کہ ہاں میری بیوی ایسی ہی ہے علیؑ نے قبر کو دیکھا اور فرمایا کہ چار عورتوں کو بلاؤ اور تنہائی میں اسے لے جاؤ، اس کی کمر کے مہرے گنو، مرد نے کہا کہ میں کسی اور کو امین نہیں جانتا ہوں کہ غیر شخص میری عورت کے مہرے گنے۔

حضرت علیؑ نے ایک خواجہ سرا (نامرد) دینا نام تھا اُس سے کہا کہ لباس کے پیچھے سے اس کے مہرے گنو، داہنی طرف آٹھ مہرے تھے اور بائیں طرف سات تھے تب حضرت نے اُسے مردانہ لباس پہنا کر کہا کہ جاؤ اب تم مرد ہی رہو گے اُس کے شوہر نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ میری چچا زادھی کہ میری بیوی بھی تھی اُس سے اولاد بھی ہے آپ نے اسے مرد بنا دیا تب آپ نے فرمایا کہ میں حکم خدا کی تاویل کر رہا ہوں کیونکہ مردوں کا ایک عدد مہرہ کم ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ کی قبر پر خصوصی توجہ:

ہر جگہ قبر علیؑ کے ساتھ نظر آتے ہیں کمال اخلاق عدل و تواضع و تقرب، قبر علیؑ کے پاس ہی نظر آتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت علیؑ قبر کے ساتھ کپڑے فروخت کرنے والے بازار میں آگئے اور تاجر کو حکم دیا کہ مجھے دو پیراہن مول دے دو تاجر نے کہا کہ آقا، بہ سرچشم غلام حاضر ہے یہ تاجر آپ کو پہچانتا تھا جیسی تو امیر المومنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا آپ نے اُس سے لباس نہ لیا اور دوسری دوکان پر چلے گئے اور دو لباس خریدے۔

اور تین درہم میں لباس لے لیا اور دوسرا دو درہم میں لے لیا اُس وقت آپ نے فرمایا کہ قبر قیمتی لباس تین درہم والا تم لے لو۔

قبر نے دستِ ادب جوڑ کر عرض کیا کہ میرے آقا، کہ یہ اچھا لباس تو آپ کے لیے اچھا ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں، منبر پر بھی خطبہ پڑھتے ہیں، لوگوں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ قبر تم جوان ہو اور جوان اچھا ہی لباس پسند کرتے ہیں۔ اور مجھے خوفِ خدا ہے کہ میں بہتر لباس پہنوں کیونکہ رسولِ خدا نے ہدایت فرمائی تھی کہ ہمیشہ اپنے غلاموں کو اچھا لباس پہنایا کرنا جیسا کہ خود پہنتے ہو اور وہی غذا کھلانا جو خود کھاتے ہو۔

پھر حضرت علیؑ نے اپنا لباس پہنا اور آستین کھینچ کر دیکھی جو کچھ لمبی تھی۔ لہذا اُسے کاٹ دیا گیا دنیا کو دستور دے دیا کہ لمبی آستین نہ رکھنا۔

اچانک ایک روز مولا علیؑ کے سامنے ایک بچہ آ گیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کی پھٹی ہوئی آستین کو سی دوں، آپ نے فرمایا کہ اسے یونہی رہنے دو، پھر مولا علیؑ قبر کے ساتھ گھر آ گئے۔

جب دوکان والے کو اطلاع ہوئی کہ حضرت علیؑ لباس خریدنے آئے تھے تو بھاگا بھاگا حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا یہ درہم لایا ہوں کہ آپ کے لباس کے ہیں اسے قبول کر لیں مجھے تو منافع مل گیا ہے آپ نے درہم لینے سے انکار کر دیا کہ جب ہم نے باہم طے کر لیا ہے تو یہ درہم نہیں لوں گا۔ مورخین اہل سنت جیسے ابنِ اثیر نے کامل میں لکھا ہے اور سلیمان الملی نے ینابیع المودة میں لکھا ہے کہ علیؑ کا لباس اور غلام قبر کا لباس ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ علیؑ ہمیشہ دو لباس ایک ہی قیمت کے ایک جیسے خریدا کرتے تھے ایک خود پہنتے دوسرا قبر کو دیتے تھے۔

(مناقب ج ۲ ص ۷۷، مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۲۱۰، شہبائے پشاور، ص ۸۲)

۲۔ ایک روز قبر پر کچھ متکبر و مغرور لوگوں کے پاس سے گزرے وہاں کافی لوگ

بیٹھے ہوئے تھے جن میں کچھ شیعہ بھی تھے۔ جب ایک شیعہ نے دیکھا کہ یہ قبر تو

علیؑ کے غلاموں میں سے ہے نور انہی کھڑے ہو کر تعظیم بجالایا، تو ان متکبر و مغرور لوگوں نے بھی بہ مجبوری قبر کا احترام کیا۔ تو ایک مغرور شخص کو ناگوار گزرا کہ ہم میں سے ایک شیعہ نے قبر کا بڑا احترام کیا، شیعہ نے مغرور کی بات کی پرواہ نہ کی اور زوردار آواز میں کہا کہ ہم قبر کا کیوں احترام نہ کریں کہ وہ بزرگ بھی ہیں نیک بھی ہیں اور فرشتے ان کے احترام میں اپنا سر جھکاتے ہیں۔

یہاں پر شیعہ شخص نے سچ بات کہی لیکن مولا علیؑ کے دشمنوں کی صحبت میں بیٹھا تھا، لہذا مغرور آدمی کا نشانہ بنا۔

پس اس معاملے کو ابھی تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ اُس شیعہ کو سانپ نے کاٹ لیا، حضرت علیؑ اس شیعہ کی عیادت کو گئے تو آپؑ نے فرمایا! کہ اگر تم اس بیماری سے اچھے ہونا چاہتے ہو تو آگے کو عہد کرو کہ آئندہ ہمارے دشمنوں سے دوستی نہ کرو گے کیونکہ یہ بات ہمارے لیے تکلیف دہ ہے۔

۳۔ قبر کہتا ہے کہ ایک روز ہم آقا علیؑ کے ساتھ عثمان کے پاس چلے گئے، عثمان نے خلوت چاہی کہ علیؑ سے مشورہ کرے علیؑ نے قبر کو اشارہ کیا قبر اس جگہ سے ہٹ گیا، عثمان نے کچھ پوچھا علیؑ نے اُسے جواب نہیں دیا، عثمان نے اعتراض کیا کہ کس وجہ سے آپؑ جواب نہیں دے رہے تو فرمایا کہ تیرا جواب خوش آئندہ واچھا نہیں ہے۔ (سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۵۹۲)

بزرگی اور دانش مندی قبر کے لائق ہے:

متوکل، دسواں حاکم عباسی جو کہ بہت مغرور و ستمگار گزرا ہے یہ بات پسند کرتا تھا کہ لوگ اُس کی خوش آمد کرتے رہا کریں، اور اُسے اور اُس کے دونوں بچوں کو معزز و موید کو آسمان پر لے جائیں ان کے دشمنوں کی تکذیب کریں، اچانک متوکل کی نظر ابو یعقوب بن اسحاق اہوازی معروف بہ ابن سکیلت پر پڑ گئی۔ ابن

سکیت بھی تاریخ کا مانا ہوا دانشمند محقق اور ادیب ہے کہ یہ بھی شعیان امام محمد تقی اور صحابی تھا، یہ علم صرف و نحو و شعر و لغت میں بہت تجربہ رکھتا تھا بے شمار کتابیں لکھی ہیں مثلاً: اصلاح المنطق لکھی ہے کہ سید رضی نے بھی بعض مطالب نبج البلاغہ میں فائدہ اٹھایا ہے۔

متوکل چاہتا تھا کہ ہر شخص میری اور میرے دونوں بچوں کی تعریف کرے تو عجیب سوال ابن سکیت سے کیا کہ یہ میرے دونوں بیٹے ہوشیار قابل نکتہ فہم ہیں اور متوکل ان کو علی کے بیٹوں کے برابر جانتا ہے حسن اور حسین کے اس دانشمند ابن سکیت نے کچھ دیر کو سوچا اور کہا کہ یہ تمہارے بچے قابل تعریف نہیں ہیں یہ کب حسن اور حسین سے افضل ہو سکتے ہیں بلکہ یہ تو علی کے غلام قنبر کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ابن سکیت نے حق کی یہ سیدھی بات کہہ دی، یہ بات متوکل کو سخت ناگوار گزری فوراً جلاؤ بھیج کر قید کیا گیا اور توہین کے ساتھ لایا گیا، اور قتل کر دیا گیا۔

(سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۴۴۴)

قنبر عادل تھے:

عدالت لغوی معنی میں دوری از ظلم ہے لیکن عدالت اصطلاح میں عدم فسق ہے کہا جاتا ہے کہ امام جماعت عادل ہونا چاہئے یعنی گناہ بھی نہ کرے اور فسق و فجور سے محفوظ رہے اور کہا جاتا ہے کہ جو گواہ قاضی کے سامنے گواہی دیتے ہیں وہ بھی عادل ہونے چاہئیں، ورنہ ان کی گواہی بے کار ہے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے ہوں اور ایک واقعے میں قنبر کو عادل کہا گیا اور قابل اطمینان و سچا آدمی پایا گیا۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ۔

ایک روز حضرت علی مسجد کوفہ میں تھے قنبر گئے ایک شخص عبداللہ بن قنفل وہاں سے گزر رہا تھا اور وہ زرہ اس کے جسم پر تھی جو کہ بصرے میں جنگ جمل میں کسی نے

چھین لی تھی علیؑ نے چہرہ اُس کی طرف کر کے کہا کہ یہ زرہ تو طلحہ کی ہے۔ جو کسی نے ہڑپ لی تھی۔

عبداللہؑ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے البتہ ہم کو قاضی کے پیش جانا چاہیے حضرت علیؑ شریع قاضی کے پاس گئے، تاکہ فیصلہ کرے۔

علیؑ نے کہا کہ یہ زرہ طلحہ کی ہے جو جنگ جمل میں یہ شخص چھین کر لے گیا تھا۔ شریع نے پوچھا کہ کیا اس بارے میں کوئی گواہ ہے امام حسنؑ وہاں موجود تھے گواہی دی شریع نے دوسرا گواہ مانگا تو قبر موجود تھے، انھوں نے گواہی دی۔ شریع نے کہا کہ قبر تو غلام ہے غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہے علیؑ کو شریع کی قضاوت پر غصہ آیا حکم دیا کہ زرہ اٹھالیں اور پھر فرمایا کہ شریع نے یہاں تین طرح کی غلطی کی ہے تو حضرت علیؑ سے قاضی کی غلطی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ۔

میں نے نہ کہا تھا کہ یہ مال طلحہ کا ہے پھر بھی شریع قاضی نے مجھ سے گواہی مانگی یہ غلطی کی۔ قاضی کی پہلی غلطی: اُس نے رسول خدا کا قول نہیں سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خیانت سے کسی کا مال لے تو بلا شہادت اور گواہی کے مال اُس سے لے لو۔

قاضی کی دوسری غلطی: میرے فرزند حسنؑ نے گواہی دی ہے تو قاضی نے کہا کہ ایک گواہی نہیں مانوں گا دو گواہ لے کر آؤ یہ بھی غلطی کی ہے حالانکہ رسول خدا ایک گواہ پر ایک قسم مان لیتے تھے۔

قاضی کی تیسری غلطی: قبر نے گواہی و شہادت دے دی، تو قاضی نے کہا کہ غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں اگر غلام عادل ہو تو اس کی گواہی مانی جاسکتی ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

حضرات غور فرمائیں کہ قبر جیسا بلند عظمت والا انسان جس کی عدل کی گواہی علیؑ دیں، اُس کی گواہی بھی نہ مانی جائے قابل غور ہے اور اسی طرح ایک دوسری روایت بھی واقع ہوئی کہ چہرہ قبر (زرہ) میں چمکتا تھا علیؑ کی خلافت کے زمانے میں ایک یہودی نے زرہ کے بارے میں غلط دعویٰ کر دیا تو علیؑ قاضی شریع کے پاس گئے علیؑ نے فرمایا کہ یہ زرہ جو اس یہودی کے ہاتھ میں ہے میری ہے یہ میں نے بیچی بھی نہیں ہے نہ کسی کو بخشش کی ہے تو یہودی نے کہا نہیں یہ زرہ تو میری ہے جیسے کہ میرے قبضے میں بھی ہے۔

شریع قاضی نے علیؑ سے کہا کہ گواہ پیش کیجئے علیؑ نے قبر اور حسینؑ کو گواہی میں دیا، انھوں نے گواہی دے دی کہ یہ زرہ علیؑ کی ہے قاضی شریع نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں صحیح نہیں مانی جاتی ہے اور غلام کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

علیؑ نے فرمایا کہ اے قاضی شریع، وائے ہو تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے فیصلہ کرنے میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

- ۱۔ میں تیرا امام ہوں اور تجھے میری اطاعت کرنی واجب ہے۔
- ۲۔ میں نے کبھی بھی جھوٹی بات پسند نہیں کی ہے تو نے میرا دعویٰ غلط کر دیا۔
- ۳۔ تو نے کہا کہ بیٹے اور غلام کی گواہی نہیں مانی جاتی ہے تو، تو نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ دو گواہ لاؤ تو میں نے اپنا بیٹا اور غلام دونوں کی گواہی دلوادی۔ پس اب میں حکم دیتا ہوں کہ یہ یہودی تیسرے روز عدالت میں حاضر ہووے۔

یہودی چلا گیا اور تیسرے روز عدالت میں آیا، تو دیکھا کہ تخت عدالت پر علیؑ بیٹھے ہیں اور قاضی شریع علیؑ کی عدالت میں وکیل بنا ہوا ہے پھر یہودی نے اقرار کیا کہ یہ زرہ علیؑ کا ہی مال ہے جو جنگ صفین میں اونٹ پر سے نیچے گر گیا تھا اور میں نے

زرہ کو اٹھالیا تھا۔

علیؑ تو ہر جگہ قابلِ نظر آئے کرسیِ عدالت پر قاضی ہیں وکالت کریں تو اچھی طرح کرتے ہیں باتیں کس قدر علم میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں کہ یہودی آپ کا علم و حلم دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسلام قبول کر لیا اور کیا شان ہے قنبر کی کہ کبھی عدالت کی گواہی میں حسنؑ کے ساتھ نظر آئے ہیں تو کبھی حسینؑ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

قنبر تو علیؑ علیہ السلام کا خادم ہے:

جب قنبر حضرت علیؑ سے آشنا ہوئے تھے اور غلامی قبول کر لی تھی تو خفیہ باتوں کے امین تھے۔ وفادار تھے ہر وقت حضرت علیؑ کی خدمت میں آرام سے آتے جاتے تھے۔ قنبر کا نام ابوالشعثاء تھا حضرت علیؑ نے قنبر کا نام قنبر رکھا تھا اور یہ ایسے وفادار غلام تھے کہ قیامت تک بھی اس کی مثال نہ ملے گی اور علیؑ کی غلامی سے بے حد خوش تھے دل سے علیؑ کے عاشق تھے اور بھی کئی واقعات ایسے ہی ملیں گے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک مرد نے غلام اور پسر کو کونے پہنچایا اب مالک اور آقا میں جنگ شروع ہو گئی، اور غلام نے کہا کہ میں کسی کا غلام نہیں ہوں آزاد انسان ہوں بلکہ یہ میرا قایم میرا غلام ہے اور علیؑ کی عدالت میں آگئے اور مدعا پیش کیا علیؑ نے قنبر سے فرمایا کہ ایک دیوار میں دو سوراخ بنا دو، اور دونوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی گردنیں سوراخ میں رکھ کر کھڑے رہو قنبر سے کہا کہ تلوار لے کر دونوں کے سر پر کھڑے ہو جاؤ، جیسے ہی علیؑ کا حکم سنا تو آقا اور غلام نے اپنی اپنی گردن کو سوراخ میں ڈال دیا آپ نے حکم دیا کہ قنبر ان دونوں میں سے غلام کی گردن مار دی جائے تو غلام نے گھبرا کر سر بچایا اور دوسرے نے اپنا سر نہ ہلایا، اب غلام اور آقا کی پہچان ہو چکی تھی۔

۲۔ خلافتِ ثانی کے زمانے میں ایک جوان اپنی عورت کے ساتھ آ گیا۔

جوان نے قسم کھا کر کہا کہ یہ میری ماں ہے مجھے نو ماہ پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا ہے اور جب پل بڑھ کر جوان ہو گیا ہوں تو کہتی ہے تو میرا بچہ نہیں ہے۔

عورت نے اپنے چار بھائی اور چالیس گواہ بھی پیش کر دیئے۔ کہنے لگی کہ میں اس شخص کو نہیں پہچانتی ہوں، یہ بچہ مجھے خاندان میں ذلیل کرنا چاہتا ہے میں نے کبھی شادی نہیں کی اور یہ چار بھائی اور چالیس گواہ حاضر ہیں۔

حاکم نے حکم دیا کہ جوان کو سنگسار کیا جائے اس دوران علیؑ آگئے تو حاکم نے اپنا مقدمہ پیش کر دیا علیؑ نے دوبارہ مقدمہ سنا اور قنبر سے فرمایا کہ فوراً چار سو درہم حاضر کئے جائیں قنبر تیز رفتار بجلی کی طرح گئے اور لے آئے حضرت نے چار سو درہم اُس جوان کو دے کر کہا کہ یہ رقم اس عورت کے مہر کی دے دی جائے ہاتھ پکڑ اور عورت کو اپنے ساتھ لے جا۔ عورت نے شور مچایا (اے فرزند ابوطالب فریاد فریاد امان بخدا یہ جوان تو میرا بیٹا ہے مجھے میرے بھائیوں نے اس جوان کے باپ کو میرا شوہر بنایا تھا اُس سے یہ بیٹا پیدا ہوا ہے اور جب یہ بچہ پل بڑھ کر جوان ہو گیا تو میرا بیٹا ہونے سے انکار کرنے لگا اور اس کا باپ غلام تھا جو ہمارے خاندان کیلئے بے عزت تھا۔ ماں نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور محفل سے باہر نکلی۔ عمر نے کہا کہ "لولا علی لهلك العمر"

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ قنبر خلافتِ ثانی میں صرف غلام نہیں تھے بلکہ علیؑ کے مال پر ناظر بن گئے تھے اور امین بھی تھے۔ (المقدیر، ج ۶، ص ۱۰۳)

ایک صحابی زازان تھے ان کا کہنا ہے کہ ہمراہ قنبر علیؑ کے پاس گئے تو قنبر نے کہا کہ امیر المومنین ایک مسئلہ بیت المال میں ہے آپ آئے اور دیکھا کہ کافی سونا اور چاندی بھرا پڑا ہے۔ قنبر نے عرض کیا کہ اسے جلدی تقسیم کر دیں یہ جوان بھی

آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہے پھر شمشیر کو تیز کیا اور تمام ظروف کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرمایا کہ انھیں عادلانہ تقسیم کر دو ہاں علیؑ بروز جمعہ حجرہ بیت المال کو چھاڑو سے صاف کیا کرتے تھے دو رکعت نماز بھی پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے دو رکعت نماز تو گواہ رہنا کہ میں نے بیت المال کا سارا مال تقسیم کر دیا ہے۔

حد ہے کہ برتن وغیرہ بھی بانٹ دیا کرتے تھے۔ (بحار الانوار، ج ۹، صفحہ ۵۴۰)

امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک مرد میرے والد حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ایک گروہ کی شکایت کی میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ قبر کو بلاؤ قبر سے کہا کہ اس مرد کے ساتھ جا کر دیکھو کہ اس نے سعایت قومی یعنی چغل خوری کی ہے اور کہہ دو کہ تم نے ہم کو اُس چیز کی اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا ذکر کرنا کراہت رکھتا ہے (کشف الغمہ، ج ۳، ص ۱۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر معاملے میں قبر ہی قبر چمکتے رہتے ہیں اور فرمانِ علیؑ کا ابلاغ ان کے لفظوں سے ہوتا ہے۔

قبر بشارت دینے والا حضرت عباسؑ کی پیدائش کی:

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ زہراؑ زندہ تھیں کہ حضرت فاطمہؑ کی زندگی میں حضرت علیؑ نے دوسری شادی نہیں کی، ایک روز جبکہ بی بی فاطمہؑ کی شہادت ہو چکی تھی حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل سے گفتگو کی کہ عرب کے شجرہ شناس تھے۔ کہا میرے نکاح کیلئے ایک ایسی عورت تلاش کریں جو حسب نسب میں سب سے زیادہ ہو اور حسن اخلاق میں اپنی مثال آپ ہو، اُس سے ایک ایسا فرزند پیدا ہو کہ میرے بیٹے حسینؑ کیلئے روزِ کربلا مدد کر سکے۔

عقیل نے خاندانِ بنی کلاب کی ایک دختر نیک اختر جناب فاطمہ کلابیہ کو پسند کیا، اُن کے خاندان نے بھی علیؑ کے نام پر خیر کیا عقد ہو کر بی بی حضرت علیؑ کے گھر آ گئیں۔

شادی کے چند روز کے بعد حضرت علیؑ نے اُن کو کنیت اُم البنین سے پکارنا شروع کر دیابی بی نے فرمایا کہ بیٹے پیدا نہیں ہوئے تو اُم البنین کیسے بن گئی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو ایک بیٹا پر فوق العادت عنایت فرمائے گا پھر عنقریب ہی پہلا بیٹا عباسؑ پیدا ہوا تو قبر مسجد میں حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کی کہ البشارت، البشارت خداوند عالم نے آپ کو ایک چاند جیسا خوبصورت بیٹا عنایت فرمایا ہے، حضرت علیؑ گھر میں تشریف لائے تو نومولود کو ہاتھوں پر دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بچے کا نام عباس رکھا ہے۔

اُم البنین نے دیکھا کہ حضرت علیؑ عباس کے بازوؤں کو بوسہ دے رہے ہیں اور تمام توجہ بچے کے بازوؤں پر ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں میں نے کہا آقا کیا میرے بچے میں کوئی کمی ہے جو آپ رورہے ہیں آپ نے شعر پڑھا کہ جو لوگ اسرار حق کو جانتے ہیں وہ اپنے ہونٹوں پر تالا ڈال لیتے ہیں۔

چار پانچ سال اس واقعے کو گزر گئے ایک روز عباسؑ اپنے بھائی حسینؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسینؑ کو پیاس لگی آپ نے باوفا غلام قبر سے کہا کہ پانی لاؤ تو عباس کھڑے ہو گئے اور ایک کوزے کو پانی سے بھر کر سر پر رکھ کر چل دیئے راستے میں پانی کپڑوں پر گر گیا تھا کپڑے پانی سے تر ہو گئے تھے حضرت علیؑ نے یہ منظر دیکھا تھا تو یہ منظر دیکھتے ہی آپ رونے لگے وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ دیکھو میرے عباس کو کتنی تیزی سے پانی لایا ہے کہ سر سے پیر تک پانی میں بھیگ گیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں عباسؑ کو روز عاشور فرات کے کنارے دیکھ رہا ہوں۔

قبر جو بیت المال کے ناظر اور امین تھے

حضرت علیؑ کو قبر پر اتنا زیادہ اعتماد اور بھروسہ تھا کہ آپ نے بیت المال کا امین اور ناظر قبر کو بنادیا تھا۔

قبر کی شجاعت و بہادری:

شجاع مرد ہر وقت میدان جنگ میں نہیں بیٹھا رہتا ہے اور نہ میدان جنگ سے بھاگتا ہے۔ قبر پینا تھے اور نکتہ سنج تھے اور جب حضرت علیؑ کی تعریف کی ضرورت ہوتی تھی تو دنیا سے کہتے تھے کہ علیؑ مومنین کے امام ہیں اور علیؑ کی ہر بات کو اچھی طرح سے جان لیتے تھے جیسے خوشبو چھپتی نہیں ہے۔

صفین کی طوفانی جنگ میں جس وقت علیؑ کو اطلاع دی گئی تھی کہ عمر بن عاص نے معاویہ سے بیعت کی تھی تاکہ مصر کا بڑا علاقہ عمر بن عاص کو دے دیا جائے اور اُس وقت مولا علیؑ نے فرمایا تھا اور قبر کو میں طلب کروں کہ ہمارا علم لاؤ ہمارے لشکر میں پرچم جلد بلند ہوگا اور جو مقدر میں لکھا ہے ہوگا۔

اے معاویہ بن ابوسفیان بن حرب۔ اگر میرے پاس حمزہ و جعفر آجائیں دیکھیں گے کہ قریش کا ستارہ چمکنے لگے گا اور اس بحران میں میں دیکھتا ہوں کہ علیؑ قبر کو رد کیلئے پکارتے ہیں یہ وہی قبر ہے جس نے جنگ صفین میں فداکاری و وفاداری دکھائی تھی علیؑ کی کمان میں جنگ لڑی تھی۔ معاویہ کے ایک غلام کا نام حرب تھا، اور اُسے جنگ لڑنے کی بہت مہارت تھی معاویہ نے صفین میں اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے تو لڑائی کا شیداء ہے اور میں نے تجھے جو کام بھی دیا ہے تجھے اُس میں کامیاب پایا ہے آج کا دن دکھانے کا ہے اپنے جوہر دکھلا اور اس جنگ کو روانہ ہو جا، اور علیؑ کے چند سپاہیوں کو خاک میں ملا دے تاکہ میں تجھے آزاد کر دوں۔

حرب نے جواب میں کہا کہ میں آپ کی بات کو دل و جان سے مانتا ہوں، یہ سننے ہی حرب گھوڑے پر سوار ہو کر شیرانہ طور پر میدان جنگ میں آیا معاویہ خوش ہوا اُدھر قبر نے اپنا نیزہ بلند کیا اور معاویہ والے حرب کے اس زور سے نیزہ مارا

کہ پشت کمر سے سینے میں نکل آیا اور حرب مارا گیا۔ معاویہ کو اس بات کا رنج ہوا اور مجبوراً کہنے لگا کہ حرب تو بہت تھا لیکن قضا و قدر کے سامنے انسان مجبور ہے۔ (ناخ التواريخ، ج ۲، ص ۳۸۲)

صفین کی جنگ میں قنبر نے جنگ میں اپنی جان کی پروا نہیں کی جبکہ جنگ گرم تھی اور نیزہ و تلوار کے وار چل رہے تھے اور خاموش فضا میں آوازِ جنگ بلند تھی تو علیؑ کے وفادار بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ عمر عاص معاویہ کا سیاست کار و مکار تھا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

تلواریں دشمنوں کو کاٹ رہی تھیں

تو قنبر آگے آگے تھے

قنبر جنگ نہروان میں بھی علیؑ کے رکابدار تھے ہاتھوں پر سر لے کر دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔

آخر جنگ صفین میں کہ علیؑ کی فتح نظر آرہی تھی جب مالک اشتر جنگ کر رہے تھے اور چاروں طرف سے فتح نظر آرہی تھی۔ عمرو ابن عاص کی مکاری سے قرآن کو نیزوں پر بلند کر دیا گیا۔ اور صدادے دی گئی کہ تمہارے ہمارے درمیان قرآن ہی فیصلہ کرے گا۔ علیؑ جانتے تھے کہ یہ سب مکارانہ چال ہے دھوکا ہے مردم شام قرآن کے خلاف جنگ سے انکاری ہو گئے، علیؑ نے بیس ہزار فاتح سپاہیوں کے ساتھ یہ جنگ روک دی، کیونکہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے ہاتھوں کو بھی آسمان کی طرف بلند کر دیا گیا تھا اور کہنے لگے کہ۔ اے خدا تو جانتا ہے کہ ہم قرآن کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اب اے خدا تو ہی حق کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

علیؑ تو جنگوں کے ماہر تھے۔

پلید اشعث بن قیس نے حضرت علیؑ کی طرف تلوار کر کے کہا کہ جلد از جلد حکم کرو اور مالکِ اشتر کو جنگ سے روکو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے جیسے کہ عثمان کو مارا ہے اس طرح سے معاویہ کے مکاروں نے فوج میں رخنہ ڈال دیا، خوارج نے بھی جنگ بند کر دی۔

علیؑ نے جنگ شروع ہونے سے ایک روز قبل ہی جنگ نہ کرنے کی ٹھان لی تھی، مگر ساتھیوں نے نہ مانا۔

پھر علیؑ نے قبر کوفوجیوں کے پاس بھیج کر کہلوایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم حکمِ عدولی کر رہے ہو ہم نے تو تمہارے چھوٹے بڑوں کی مدد کی ہے بیت المال کو برابری کے حق پر عادلانہ تقسیم کیا ہے۔ اب تم کیوں باغی ہو گئے ہو۔ اے قبر ان سے جواب لاؤ اگر یہ لوگ تیری توہین کریں تب بھی صبر کرنا۔ اور جو بھی حال دیکھو اور سنو، آکر بیان کرو۔

قبر انتہائی بہادر نہ طور پر خوارج کے پاس گئے اور اپنے مولا کا پیغام فوج کو سنایا۔ تو خوارج نے اُن کو جواب دیا کہ اب علیؑ کے اور ہمارے درمیان نیزہ و شمشیر سے ہی فیصلہ ہوگا، ہم علیؑ کے قریب بھی نہیں آئیں گے نہ کوئی حکم مانیں گے علی صرف چرب زبان ہیں اپنی شیرینی گفتار سے لوگوں کو رام کر لیتے ہیں۔ قبر واپس علیؑ کی طرف آگئے اور اُن لوگوں کا جواب آکر بتادیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ اشعث بن قیس علیؑ کے پاس آیا اور داخلے کی اجازت مانگی قبر نے آکر منع کر دیا۔ یہ بھی مغرور و متکبر انسان تھا۔

لہذا اشعث بن قیس نے قبر کو مارنا چاہا۔ قبر نے نہایت دلیری سے اس کی ناک پر مارا خون جاری کر دیا دونوں کی ناک سے خون بہنے لگا۔ علیؑ اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اشعث سے کہا کہ تجھے مجھ سے کوئی کام نہیں ہے جاسوس۔ اپنا کام کر۔

علیؑ کو معلوم تھا کہ اشعث دوبارہ واپس نہیں آئے گا اور اس کا دل کینے اور دشمنی سے بھرا ہوا ہے اس لیے اشعث کو برا کہا اور قنبر کی حمایت کی یہ اشعث وہی پلید ہے کہ جس کی بیٹی جعدہ بنت اشعث نے امام حسنؑ اپنے شوہر کو زہر دیا تھا اور معاویہ کے دھوکے میں آگئی تھی۔ اے دنیا تیرے اوپر لعنت ہے۔

(ناخ التواريخ، جلد ۴، ص ۵۹)

خالص لوگ:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں لکھا ہے کہ فوج میں علیؑ سے محبت کرنے والے وفادار چند دستے تھے ایک گروہ کو (اصفیاء) متقی کہا جاتا ہے جیسے میثم تمار، رشید جعفری، حبیب بن مظاهر، محمد بن ابوبکر، عمرو بن حتم۔

دوسرے گروہ کو اولیاء کہا جاتا تھا جیسے علیم ازدی، حارث ہمدانی اور تیسرے گروہ کو شرطہ انمیس کہا جاتا تھا یہ فدائی تھے انھوں نے علیؑ کے ساتھ عہد و پیمان باندھ رکھا تھا کہ ہم ہر طرح سے آپ کے فرماں بردار رہیں گے چون و چرا نہیں کریں گے۔ علیؑ نے بھی ان کو ضمانت جنت کی دے رکھی تھی اور یہ حراول دستہ تھا علیؑ کے سامنے دفاع کرتا تھا اور کچھ گروہ قلب لشکر، میمنہ اور میسرہ پر تعینات تھے جیسے سلیم بن قیس و عبید سلمانی وغیرہ اور ایک دستہ محبان علیؑ کا مخصوص تھا جسے ”خاصان“ کہا جاتا تھا یہ تھے خالص مرد۔ مردانِ حقہ۔ جیسے قنبر، عبداللہ ابی رافع اور ابوفاختہ۔

مگر قنبر تو دربارِ علیؑ کا مخصوص وفادار ہے۔ (تنقیح المقال، ج ۱، ص ۱۳۹)

قرآن نے نیک لوگوں کو متقی کہہ کر پکارا ہے اور عام اعلان ہے کہ

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورہ حجرات، آیت ۱۳)

یعنی تم میں سے جو متقی ہوگا اللہ کے نزدیک بلند درجے والا ہوگا۔ اب چونکہ

رسول خدا کا دشمن ابولہب تھا لیکن بلال سے محبت تھی۔ علی بھی ان دشمنوں سے بیزار تھے جیسے طلحہ، ابن کوایا، اشعث بن قیس وغیرہ کہ یہ سب دشمن تھے۔

اور اویس قرنی، کمیل بن زیاد، میثم تمار، قنبر وغیرہ اگرچہ یہ غلام تھے مگر پھر بھی خالص محبت والے تھے پھر عمل نیک سے انسانوں پر بڑا اثر پڑتا ہے اور باطل

پرست ان کے دشمن تھے (اعلام الوری، ص ۲۵۷)

قنبر کے دل میں محبت حسین علیہ السلام تھی:

جیسا کہ رسول خدا نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ شہادت حسین کی محبت کی گرمی کبھی بھی ایمان والوں کے دلوں سے کم نہیں ہو سکتی ہے اور اس گرمی و نیکی نے ایسی ایمان کی حرارت پیدا کی ہے کہ ہر ظلم کے مخالف عدل آتا ہے اور یہ محبت حسینی ہی لے کر امام زمانہ دنیا میں ظہور فرمائیں گے۔

دشمنان حق یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ بیدار دل انسان زندہ ضمیر والے، جیسے میثم تمار، کمیل بن زیاد، قنبر، مختار وغیرہ کبھی بھی امام حسین کے خلاف نہیں ہوں گے۔ اس لیے واقعہ کربلا سے پہلے ہی کمیل، قنبر اور مختار کو قید کر دیا گیا تھا۔

مگر یہ مردانِ حسینی اپنے دلوں میں محبت حسین کی روشنی جلائے ہوئے تھے لہذا ایسے باوفا حضرات نے اموی خلفاء سے ہمیشہ دشمنی کی اور علی کا ساتھ دیا ہے۔ (مسند رک الوسائل ج ۲ ص ۲۱۷)

بلکہ جو درخت حسین نے لگایا تھا یہ اس درخت کا میوہ بن گئے اس کا پھل بن گئے کمیل اور قنبر نے حجاج کے حکم کو پیروں تلے روند دیا۔ حالانکہ موت سامنے تھی۔ پھر بھی حقوق علی کا دفاع کیا مختار نے بھی خوب دشمنوں سے چن چن کر بدلہ لیا آخر شہید ہو گئے۔

قبر مداحِ مولا علیؑ:

قبر بہت سنجیدہ، عقلمند، وفادار اور امام کا درجہ جاننے والے تھے علیؑ کی محبت اس درجہ تھی کہ جب حجاج نے پوچھا کہ کس کی خدمت کرتا تھا تو علیؑ کی بے انتہا تعریف کی جس کا جواب نہیں ہے اور اگر قبر کے بارے میں کچھ اور معلوم ہو تو صرف مداحِ علیؑ ہی قبر کے تعارف کیلئے کافی ہے۔

قبر نے علیؑ کی تعریف میں قصیدہ بہ زبانِ عربی پڑھا کہ میں اُس شخص کا غلام ہوں جو دو شمشیروں سے جنگ کیا کرتا تھا اور دو نیزوں سے جنگ کرتا تھا۔ اور دوبار رسولِ خدا کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

کتاب کشی میں مذکور ہے کہ قبر سے کسی نے پوچھا تم کس کے غلام ہو انہوں نے کہا کہ میں اس کا غلام ہوں کہ جس نے دو تلواروں سے جہاد کیا اور دو نیزوں سے قتال کیا اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو بیعتیں اور دو ہجرتیں کیں اور خدا کے ساتھ ایک آن واحد بھی کفر نہیں کیا میں غلام ہوں اُس شخص کا جو صاحب ہے مومنین کا اور نور ہے مجاہدین کا اور وارث النبین اور خیر الوصیین اور بزرگ ترین مسلمین اور سردار مومنین ہے۔ اور خدا کے خوف سے رونے والوں کا رئیس اور عابدوں کی زینت گذشتہ لوگوں کا چراغ اور موجودہ لوگوں کی روشنی اور تمام دعا کرنے والوں سے افضل رب العالمین کا پیام پہنچانے والا اور آلِ یسین سے پہلا ایمان لانے والا ہے جس کی تائید جبرئیل امین اور نصرت میکائیل نے کی اور تمام اہل آسمان اس کی ثناء و صفت کرتے رہتے ہیں، سید مسلمین، سالقین کا سردار ناکشین و قاسطین کا قاتل مسلمین کا محافظ، ناصیین سے جہاد کرنے والا، آگ بھڑکانے والوں کی آگ کو بجھانے والا اور تمام قریش سے بڑھ کر فقر کو اختیار کرنے والا خدا کی دعوت کو سب سے پہلے قبول کرنے والا، امیر المومنین اور تمام

عالمین میں وصی نبی، مخلوق کے لئے امین خدا اور جن کی طرف نبی بھیجے گئے اُن سب کا خلیفہ مشرکین کا پراگندہ کرنے والا اور منافقین کے لئے خدا کے تیروں میں سے ایک تیر کلمہ عابدین کی زبان اور دین خدا کا ناصر، ولی اللہ و لسان اللہ و کلمۃ اللہ و ناصر اللہ صندوق علم اللہ اور جاہ پناہ دین اللہ، امام الابرار پسندیدہ خداوند جبار، سخی باذل، جری کامل، صابر و روزہ دار، ہدایت یافتہ، پیش قدمی کرنے والا، سخت چیزوں کو کاٹنے والا، لشکروں کو متفرق کرنے والا، مالک الرقاب، سب سے بڑھ کر مطمئن دل رکھنے والا، ارادوں کا مضبوط، باذل باسل، ہزبر ضرغام، اولو العزم، صاحب عقل کامل، دشمنوں پر مثل برق کے حملہ کرنے والا اور خصم کو دلیل قاطع سے ساکت کر دینے والا، کریم الاصل شریف، البذل اس کا قبیلہ سب سے افضل، خاندان پاک و پاکیزہ، صاحب امانت بنی ہاشم ابن عم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ہادی ہدایت و رشد کے ساتھ مہدی، فساد کا ترک کرنے والا، شیر میدان و غاچہ دھویں کے چاند کے مثل روشن رہنے والا، صاحب قوت روحانی اور نور شعلانی سردار عرب، ضیغم میدان و غا، مومنین کی کسوٹی، ابوالسبتین، الحسن والحسینؑ واللہ امیر المومنین یعنی علیؑ ابن ابی طالب کا غلام ہوں۔

(رجال کشی، قاموس الرجال، ج ۷، بحار الانوار، ج ۹، ص ۶۳۲، مجالس المومنین، ج ۱،

ص ۳۱۴، منتخب التواریخ ص ۱۳۰، ناخ التواریخ، ج ۵، ص ۱۰۲)

نصیحت حضرت علیؑ..... قنبر کے لیے

شیخ مفید نے جابر سے روایت کی ہے کہ ایک روز علیؑ نے دیکھا کہ ایک شخص قنبر کو فحش اور ناسزا باتیں کہہ رہا ہے قنبر بھی جواب دینے میں جلدی کر رہے تھے علیؑ نے قنبر کو آواز دی اور کہا کہ۔ اے قنبر سنجیدگی اور صبر سے کام لو، فحش کہنے والے کو معاف کر دو کہ یہ بات خدا کو پسند ہے غصہ شیطانی چیز ہے اسے تھوک دو۔

اور قسم ہے اُس خدا کی کہ جس نے دانے کو شگافہ کیا ہے اور انسانوں کو پیدا کیا ہے کہ علم و بردباری سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اپنی زبان پر قابو پالو ورنہ شیطان تم پر غالب آجائے گا اور ایک چپ سو کو ہراتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علیؑ قبر پر خاص توجہ رکھتے تھے اور خطرناک موقعوں پر اُن کی حفاظت فرماتے تھے اور جب استاد بھی علیؑ جیسا ہوا اور شاگرد بھی قبر جیسا ہوتا تو پھر بات ہی کیا ہے ترقی کی اور یہ بھی پتہ چلا کہ قبر کسی وقت بھی علیؑ کے ذہن سے دور نہیں رہتے تھے۔ دشمن پر قبر بھاری تھے پھر اور کسی طرح کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

امام حسنؑ اور قبر

شہادت علیؑ سے قبر کو زبردست صدمہ ہوا اور دل کی تمام خوشیاں قبر نے ختم کر دیں علیؑ کا سوگ دل میں سما گیا۔ ہر وقت دل روتا رہتا تھا۔

شہادت علیؑ کے بعد قبر افسردہ رہنے لگے اور اس گھرانے سے ان کی محبت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ حالانکہ یزید و معاویہ و مروان قبر کیلئے جان لیوا تھے دشمنی حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی تھی پھر بھی دشمنوں سے نہ ملے اور مکمل طور پر اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی اور ہمیشہ دشمنان علیؑ کے مخالف رہے۔

پھر قبر نے خانہ امام حسنؑ میں نوکری کر لی امام حسنؑ کو بھی قبر سے بہت محبت تھی اور ان کو امین و راز دار سمجھتے رہے اس وجہ سے امام حسنؑ نے قبر کی آخر عمر میں دروازے پر بیٹھا دیا تھا کہ مومن کی پہچان کر کے داخل کرو۔

قبر نے عرض کیا کہ خدا، رسول خدا اور فرزند رسول خدا بہتر جانتے ہیں (اور جب کوئی نہیں ہوتا تھا خلوت ہوتی تھی تو) قبر سے کہتے تھے امام حسنؑ کہ جا کر میرے بھائی محمد بن حنفیہ کو بلا لاؤ قبر گئے اور لے آئے۔ محمد حنفیہ نے امام حسنؑ کو

سلام کیا اور بیٹھنے کی اجازت چاہی اور پھر بیٹھ گئے۔

تب امام حسنؑ نے محمد حنفیہ سے کہا کہ بھیا ایسے دہشت ناک وقت میں ہم سے دور نہ رہا کرو، اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرزند ان ونواوگانِ ابراہیم کو بعض کو بعض پر برتری فرمائی ہے اور حضرت داؤد کو تو کتابِ زبور ہی دے دی ہے۔

اے محمد حنفیہ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم کو (سو تیلے پن کا) حسد کھائے جا رہا ہو، خداوند عالم نے حسد کی صفت کافروں میں رکھی ہے پھر کہتے ہیں کہ اے محمد حنفیہ میں تم کو اس بات کی خبر دوں جو تمہارے باپ نے تمہارے بارے میں کہی تھی۔ تو محمد حنفیہ نے کہا کہ وہ بات ضرور بتلائیں۔

تب امام حسنؑ نے کہا کہ اے محمد حنفیہ میں نے تمہارے اور اپنے باپ سے سنا ہے کہ جنگِ جمل میں فرمایا تھا علیؑ نے کہ جو کوئی بھی میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہو وہ محمد حنفیہ کے ساتھ نیکی کرے اُس وقت آپ اپنے باپ کی پشت پر تھے۔ اے محمد حنفیہ، جان لو کہ میرے مرنے کے بعد میرا بھائی حسینؑ امام اور امت کا پیشوا ہے اور یہی مقام میرا ہے۔ اور مجھے یہ پیغام ناحیہ سے جد و پدر اور ماں کی طرف سے ملا ہے اور یہ بات کتابِ خدا میں بھی لکھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو بلندی و عظمت عطا فرمائی ہے حضرت رسول خداؐ نے علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا علیؑ نے مجھے اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور میں نے حسینؑ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔

تب محمد حنفیہ نے کہا کہ آپ میرے امام ہیں راہبرِ دین ہیں مجھے یہ باتیں سننے سے پہلے ہی موت آ جاتی تو اچھا تھا آپ تو ہمارے دلوں پر قبضہ رکھتے ہیں، آپ کا بلند مقام ہے۔

آقا۔ آپ کا درجہ تو قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے اور یہ سلسلہ نبوت و امامت بہت مضبوط ہے آپ کے فضائل کی حد نہیں ہے کون لکھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو

نیک لوگوں کو اس کی جزا دے گا۔ یہ سب قدرت کے اختیار کی باتیں ہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ امام حسینؑ ہم سب لوگوں میں علم و حلم میں بہتر و افضل ہیں اور رسول خداؐ سے بھی نزدیک ہیں گویا وہ تو پیدائش سے پہلے ہی سے علم و حکمت کے مالک تھے اور بچپن کی طفولیت میں قرآن پڑھنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ کو جن لیا بلند عظمت بنایا محمد رسول اللہ نے علیؑ کو اور علیؑ نے آپ کو جن لیا ہے اور آپ نے امامت حسینؑ کو دے دی ہم اُن کی امامت پر راضی ہیں اب ہم اپنی مشکلات کس سے حل کرائیں صرف ان ہی سے مشکلات حل کرائیں گے۔ محدث قمی نے سفینہ البحار میں، ج ۲، ص ۴۴۹ پر لکھا ہے کہ قبر نے بہت بلند زینے طے کیئے ہیں اور حضرت امام حسنؑ اور محمد حنفیہ کی خفیہ باتیں آپ نے سنی ہیں مردوں کو زندہ کیا ہے اور زندہ کو مردہ کیا ہے۔

(تاریخ التواریخ، حالات امام حسینؑ، صفحہ ۴۸)

فرزند ان قبر:

تاریخ بغداد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت قبر کے بیٹے پوتے نواسے وغیرہ سب کے سب راویان حدیث اہل بیت رہے ہیں جنہوں نے پیغمبر اور آئمہ کی باتیں بتائیں ہیں۔ اب چونکہ قبر کے فرزند ان بھی اسی معرفت کے لوگ تھے قدم قدم پر حقائق اسلامی نشر کیا کرتے تھے اور مولا علیؑ کا ہی اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ اب اس کا سلسلہ ملاحظہ فرمائیں۔

قبر ابن احمد بن قبر (غلام علیؑ) نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے قبر سے اور انہوں نے کعب بن نوفل سے اور انہوں نے بلال حبشی سے نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول خداؐ ہمارے پاس بہت خوش خوش آئے عبد الرحمان بن عوف نے پوچھا کہ آپ کی خوشی کا کیا سبب ہے فرمایا کہ مجھے پیغام خدا ہوا ہے

کہ علیؑ اور فاطمہؑ کی شادی کر دو اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ خیال کیا کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ کے ساتھ ہو جائے تو بہشت کے فرشتے کو حکم دیا کہ درخت طوبیٰ کو ہلائے۔

اُس فرشتے نے درخت طوبیٰ کو ہلایا، تو ہمارے دوستوں کی تعداد کے برابر اُس درخت سے پتے گرے تو اسی قدر فرشتے اللہ تعالیٰ نے اُن پتوں سے پیدا کر دیئے، اور جب روزِ قیامت برپا ہوگا تو ہر ایک پتے سے پیدا ہونے والا فرشتہ آتشِ جہنم سے آزادی دلائے گا۔ (تاریخ اعداد، ج ۴، ص ۲۱۰، اعیان الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۵۶، تحفۃ الاحباب، ص ۲۸۰)

شہادتِ قنبر بدستِ حجاج بن یوسف ثقفی:

جس وقت کہ عبدالملک پانچواں حکمران بنی اُمیہ کا تخت پر بیٹھا سال ۶۵ ہجری تھا اُس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عراق کا گورنر بنا دیا، یہ حجاج اپنے زمانے کا بدترین پلید اور نجس انسان تھا اور یہ ہر ایک شخص کو قتل کرتا تھا اور کوئی رعایت نہیں کیا کرتا تھا حجاج، مثل، ہٹلر اور چنگیز خان، ظالم و ملعون تھا۔

یہ بیس سال تک عراق کا فرمان روا گورنر رہا ہے اس زمانے میں اس نے ظلم و شتمگری کا بازار گرم رکھا تھا یہ اس قدر دشمنِ علیؑ تھا کہ اگر کسی شخص میں معمولی بھی لگاؤ علیؑ سے ہوتا تھا تو فوراً قتل کر دیا کرتا تھا بے شمار محبانِ علیؑ و سادات کو قتل کیا ہے اُس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ شیعہ قیدیوں کا کھانا اس طرح پکاؤ کہ ایک طرف روٹی کے مٹی ریت لگاؤ اور یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ دھوپ کی تیزی کے وقت ان قیدیوں کو دھوپ میں لا کر بیٹھاؤ تاکہ دھوپ سے بھیجا پگھل جائے اور کوئی سایہ بان نہ ہونا چاہیے اور حجاج کے دل میں علیؑ کی دشمنی کی آگ اس طرح سے لگی ہوئی تھی کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ناشتہ کرنے سے پہلے مجھے شیعوں کو قتل کرنے میں مزہ آتا ہے اور اُس کے پیٹ میں علیؑ دشمنی کی آگ اس طرح جلتی رہتی تھی کہ جیسے کوئی

شخص بہت ہی زیادہ پیاسا ہوا اور بار بار شربت اور پانی ٹھنڈا پیتا رہتا تھا۔
اور جب علیؑ دشمنی کی آگ اور بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی تو حکم دیتا تھا کہ قید خانے میں چند سادات و محبان علیؑ کو لاؤ تا کہ ان کو قتل کر کے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لوں چنانچہ سادات کو روزانہ بلا کر قتل کر دینا اس کا روزانہ کا معمول تھا۔

خليفة اموی عمر بن عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ اگر کوئی زمانے بھر کے ظالم اور پلید کا نام پوچھیں تو ہم حجاج بن یوسف ثقفی کا نام بتا دیں گے ہم کو کامیابی ہوگی
حجاج روزہ بھی رکھا کرتا تھا لیکن عجیب و غریب روٹی سے روزہ افطار کیا کرتا تھا۔ کہتا تھا حجاج کہ آٹا ایک من گندم چکی سے پیسوا اور چند شعیان علیؑ کو قتل کر کے ان کا خون نکالو اور آٹے میں ڈالو تب اسی خون آلود روٹی سے روزہ افطار کرتا تھا۔
(سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۲۲۳)

یہاں پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ حجاج بن یوسف اس طرح بے محبان علیؑ کے ساتھ ظلم کیا کرتا تھا اور علیؑ کے محبان کو ترسوترسا کے قتل کیا جاتا تھا خواہ کتنی بھی اذیتیں حجاج نے علیؑ کے محبوں کو دے ڈالیں مگر شیعہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے اور اپنی عقلمندی سے حجاج کا دل جلاتے تھے حجاج ہر روز شیعوں کے قتل کی تیاری کرتا تھا مگر محبان علیؑ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

کمیل بن زیاد، سعید بن جبیر کو حجاج نے قتل کیا حجاج کہا کرتا تھا کہ خدا کرے روزانہ کسی علیؑ کے بندے کو قتل کروں پھر ایک دن کہا کہ کسی اور کو نہیں آج، قبر کو قتل کروں گا۔

اصحاب علیؑ میں سے ہے قبر کہ اُسے قتل کرنا ہے کہ قبر سب سے بڑا علیؑ کا مصاحب ہے، حجاج نے کچھ غلام بھیج کر قبر کو بلایا کہا کہ تو قبر ہے، انھوں نے کہا کہ ہاں حجاج نے کہا تو ہی بندہ علیؑ ہے تو قبر نے کہا کہ میں تو بندہ خدا ہوں لیکن

علیؑ ولی میری نعمت ہے، حجاج نے کہا کہ اے قنبر علیؑ سے دوری اختیار کر ان کو برا کہہ تا کہ آج تیری جان بچ سکے، قنبر نے کہا کہ اگر دین علیؑ شائستہ بیزاری ہے تو میں دین علیؑ کو چھوڑ دوں گا مگر میرے لیے اس سے بہتر دین لا کر دے تا کہ دین علیؑ سے بیزاری کروں، حجاج نے کہا کہ اب تیرا قتل کرنا تو واجب ہو گیا ہے اب تو یہ بتا کہ تجھے کس طریقے سے قتل کروں، قنبر نے کہا کہ میرا آقا علیؑ مجھے خبر دے گیا ہے کہ مجھے گوسفند کی طرح سے قتل کیا جائے گا۔

حجاج نے کہا کہ کیا واقعی تیرے آقا نے تیرے قتل کی خبر تجھ کو دے دی ہے۔ اُسی طرح سے تجھے قتل کروں گا۔ چنانچہ جلادوں نے حجاج کے حکم پر قنبر کا سر جدا کر دیا۔

اور اسی واقعے کو لوگوں نے اور بھی دوسرے طور پر ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ قنبر نے حجاج کے سامنے اقرار کیا۔ بیٹھ گئے تو حجاج نے پوچھا کہ تم علیؑ کی کیا خدمت کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ وضو کیلئے پانی لایا کرتا تھا کہنے لگا کہ وضو کے بعد علیؑ نے تم کو کیا کہا تھا، تو فرمایا کہ آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۝
حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ
فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
(سورۃ النعام آیت ۴۴، ۴۵)

”اور جس وقت شیطان کے چیلے ہمارے تمام احکام کو بھلا دیں گے تو ہم ان پر نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے تو وہاں پہنچ کر دل خوش ہوں گے ناگہاں ان کو گرفتار کر لیا جائے گا ان کی امید ختم ہو جائے گی اور پس جس نے ظلم کیا اُس قوم کی جزا کاٹ دی گئی۔ اور تمام حمد و سپاس صرف ذاتِ خدا کیلئے ہے“

حجاج نے کہا کہ شاید یہ آیت ہمارے بارے میں تاویل کر رہی ہے اور اس آیت کا مصداق ہم کو ہی بنایا گیا ہے۔

قبر نے انتہائی سنجیدگی اور بردباری سے کہا کہ ہاں بھئی ہاں ایسا ہی ہے۔
حجاج نے کہا کہ اگر میں تیرا سر قلم کر دوں تو کیسا رہے گا، قبر نے کہا۔
اس حالت میں میں سعادت مند ہوں گا اور توبہ بخت و منحوس شقی ہوگا۔
اُس مروءہ قبر کی گردن کاٹ دی گئی اُن کی عمر ۹۵ سال ہو چکی تھی۔ چنانچہ
انجام میں شہادت کا شربت نوش کر لیا۔

یہ صحیح معلوم نہیں ہے کہ قبر کی قبر کس جگہ ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نجف کے قرب میں کوفے کے قریب قبر ہے کہ وہاں پر کمیل بن زیاد کی بھی قبر ہے۔
راقم الحروف (سید ضمیر اختر نقوی) نے اُن کی قبر کی زیارت کمیل کے روضے میں کی تھی۔ ایک دوسری قبر جو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے غلام تھے اُن کا نام بھی قبر تھا، اُن کی قبر کی زیارت بغداد میں کی تھی۔

علامہ قاضی نور اللہ شوستری (آگرہ) نے اپنی کتاب ”مجالس المومنین“، ج ۱، ص ۶۴، پر شہر حمص کی شرح میں لکھا ہے کہ قبر قبر غلام حضرت امیر و قبور فرزند ان جعفر ابن ابی طالب حمص شہر میں ہے۔

حمص شہر بہت بڑا اور پرانا شہر ہے کہ دمشق اور حلب کے درمیان واقع اور شام میں ہے۔

(معرفۃ الرجال، ج ۵، سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۴۹، منتہی الآمال، ص ۱۵۳، قاموس الرجال، ج ۷، ص ۳۹۲، مجالس المومنین، ج ۱، ص ۳۱۵، تاریخ التوارخ حضرت علی، ج ۵، ص ۱۰۳، بحار، ج ۹، ص ۳۶۲، تحفۃ الاحباب، ص ۲۸۰، ریاض الاحزان قزوینی، ص ۱۹۸)
بے شمار درود ہوں قبر آپ کی ذات پاک پر کہ آپ ہمیشہ علی پر قربان رہے،
مولا نیت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اور خداوندِ عالم کا عذاب ہو آپ کے دشمن پر جو علیؑ کا دشمن اور آپ کا قاتل
جناح ہے، کہ اس پر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت آئی ہے اور خدا کا
غضب نازل ہوگا دشمن پر

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا
وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَتْهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا

(سورۃ نساء، آیت ۹۳)

اور جس شخص نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا تو اُسے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی
جہنم آگ میں جلنا پڑے گا، خدا نے اُس پر غصہ بھی کیا ہے اور لعنت بھی کی ہے
اور اُسے بہت زبردست عذاب ہوگا۔ (سورۃ النساء ۹۳)

حضرت باب مدینۃ العلم علی ابن ابی طالبؑ کے غلاموں میں جناب قبر کا بھی
شمار تھا۔ علماء رجال انھیں حضرت کے اصحاب میں بھی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ
جناب شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رجال میں فرمایا ہے کہ اصحاب
امیر المومنین میں آپ کے غلام قبر بھی ہیں۔ علامہ مامقانی نے تحریر کیا ہے۔
امیر المومنین کے مخصوص اصحاب میں قبر داخل تھے اور قبیلہ مضر کے فرد تھے۔

(رجال مامقانی جلد ۲، صفحہ ۳۰)

علامہ محمد باقر مجلسی بحار الانوار میں اس سے بھی بالاتر بات لکھتے ہیں کہ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اصحاب جناب رسول خدا کے رکن صرف
چار صحابی تھے سلمان، ابوذر، مقداد و عمار لیکن تابعین میں جو افراد ارکان میں
داخل ہیں ان میں جناب قبر غلام امیر المومنین بھی داخل ہیں۔ حضرات معصومینؑ
کے یہ تصریحات عظمت و جلالت جناب قبر کو اچھی طرح بیان کر رہے ہیں ظاہر
ہے کہ صحابی امیر المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کے مخصوص افراد میں

داخل ہونا اور پھر اس سے بالاتر سلمان و ابوذر و مقداد و عمار جو اعلیٰ مدارج ایمان پر فائز تھے اُن کے مانند رکن دین و ملت ہونا ایسی فضیلت ہے جس کی مثال کم ملتی ہے کتب تاریخ خاموش ہیں کہ حضرت قبر کب حضرت کی خدمت میں آئے اور آپ کے والد کی کیا حیثیت تھی اور انھیں اپنے قبیلہ میں کیا امتیاز حاصل تھا لیکن تاریخ کے طلب علم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غلامی کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھی گئی اور اسلام نے بھی کبھی اسے کچھ مدوح نہیں قرار دیا لیکن اسلام نے غلاموں کو جو حقوق و مراعات دیئے تھے اس سے مسلمانوں میں یہ امتیاز دشوار ہو گیا تھا کہ کون آقا ہے اور کون غلام ہے بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ غلام کو اپنے نفس پر مقدم کیا جاتا تھا ہم اس کے شواہد بعد میں پیش کریں گے جب غلام کے ساتھ برادری و برابری اور اس کے جذبات و احساسات کا آقا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھے گا تو ایسے غلام کو کتنا باوقار و پاکیزہ سیرت خوش صفات ہونا چاہیے اس کے سمجھنے کے لیے جناب قبر غلام امیر المومنینؑ کے حالات زندگی کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو اچھی طرح سے واضح ہو جائے گا کہ رہبر کامل پیغمبر اسلام کے تعلیمات پر صحیح عمل نے غلاموں کو آقا کا عاشق بنا دیا تھا چنانچہ کافی جناب محمد بن یعقوب کلینی میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کے غلام قبر حضرت کو بہت زیادہ دوست رکھتے تھے جب حضرت کہیں تشریف لے جاتے تھے تو یہ آپ کے ساتھ ساتھ تلوار لے کر چلا کرتے تھے۔ جب آقا کی نوازشیں غلام پر بہت زیادہ ہوں گی تو یقیناً غلام کو ایسا ہی ہونا چاہیے اور قبر سے حضرت کا برتاؤ تو یہ تھا کہ انھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے چنانچہ شیخ سلیمان نقشبندی حسینیؒ یا بیع المودت میں تحریر فرماتے ہیں امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ امیر المومنینؑ غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے اور غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے لوگوں کو گیہوں کی رونیاں اور گوشت کھلاتے

کھلاتے تھے اور خود گھر آ کر جو کی روٹیاں روغن زیتون یا سرکہ کے ساتھ نوش کرتے تھے موٹے گاڑھے کی قیص بازار سے خریدتے تھے اور ان میں جوا چھی ہوتی تھی اسے اپنے غلام قنبر کو دیتے تھے اور خراب کو خود پہنتے تھے۔

جناب قنبر کے کمالات نفسانی:

جناب قنبر کو چونکہ حضرت علیؑ ایسے عابد و زاہد متقی و پرہیزگار قائم اللیل صائم النہار آقا کی غلامی کا شرف حاصل تھا اس لیے آپ نے بھی اس آفتاب فیض سے روشنی حاصل کی تھی اور کمالات نفسانی اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ خود امیر المومنینؑ نے عدالت کی تصدق فرمائی ہے۔ چنانچہ علامہ مامقانی علیہ الرحمہ نے تہذیب الاحکام کتاب القضاء سے نقل کیا ہے کہ حکم بن عتبہ اور سلمہ بن کہیل امام محمدؑ باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کسی دعوے کے ثبوت میں ایک گواہ اور قسم کافی ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ جناب رسولؐ خدا نے فیصلہ کیا ہے اور کوفہ میں امیر المومنینؑ نے فیصلہ کیا ہے یہاں تک کہ حضرت نے فرمایا کہ حضرت علیؑ ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ عبداللہ بن قفل تسمی آیا اس کے پاس طلحہ کی زرہ تھی جسے حضرت نے جنگ بصرہ میں لے لیا تھا عبداللہ بن قفل نے عرض کیا کہ آپ اس معاملہ کے فیصلہ کو اپنے اس قاضی کے سپرد کیجئے جس کو آپ نے مسلمانوں کے مقدمات فیصلہ کرنے کے لیے معین کیا ہے۔ حضرت نے اس مقدمہ کو قاضی شریح کے سپرد کیا اور فرمایا کہ یہ طلحہ کی زرہ ہے۔ میں نے اسے جنگ جمل میں لے لیا تھا۔ شریح نے عرض کیا آپ اپنے ثبوت میں گواہ پیش کیجئے، حضرت حضرت امیرؑ نے گواہی میں امام حسنؑ کو پیش کیا آپ نے گواہی دی کہ یہ طلحہ کی زرہ ہے جو جنگ بصرہ میں خفیہ طور پر لے لی گئی تھی شریح نے کہا یہ تو ایک ہی گواہ ہے اور میں ایک گواہ پر فیصلہ نہیں کرتا

ہوں، حضرت نے قبر کو گواہی کیلئے بلایا قبر نے بھی گواہی دی کہ یہ طلحہ کی زرہ ہے جو جنگ بصرہ میں خفیہ طور پر لی گئی تھی، شریح نے کہا یہ تو غلام ہیں میں غلام کی گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہوں، حضرت علیؑ یہ سن کر شریح پر غضبناک ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اس کو گرفتار کر لو اس نے اس مقدمہ میں تین مقامات پر خلاف انصاف و حکم لگایا ہے شریح یہ سن کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور عرض کرنے لگا کہ اب میں اس وقت تک کسی مقدمہ کا بھی فیصلہ نہیں کروں گا۔ جب تک مجھے یہ نہ بتا دیا جائے کہ میں نے کہاں کہاں خلاف انصاف حکم لگایا ہے، حضرت نے فرمایا اے شریح تیرا براہو جب میں نے یہ خبر دی کہ یہ طلحہ کی زرہ ہے میں نے جنگ بصرہ میں مخفی طور سے لے لیا تھا تو تو نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے قول پر گواہ لائیے حالانکہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جنگ میں جو چیز پوشیدہ طور پر پائی جائے تو وہ بغیر شاہد بینہ کے قبضہ میں کر لی جائے گی شریح سے میں نے کہا کہ تو ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہؐ کی حدیث بھی نہیں سنی ہے یہ پہلی بے انصافی ہے اس کے بعد میں حسن کو بطور گواہ کے لایا اور انھوں نے بھی گواہی دی کہ یہ طلحہ کی زرہ ہے جو جنگ بصرہ میں مخفی طور پر لی گئی تھی تو تو نے اس وقت یہ کہا کہ یہ ایک گواہ ہے میں ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں کرتا ہوں حالانکہ رسولؐ نے ایک گواہ اور قسم پر بھی فیصلہ کیا ہے یہ دوسری بے انصافی ہے اس کے بعد میں نے گواہی میں قبر کو پیش کیا اس نے بھی یہی گواہی دی تو نے اس وقت یہ کہا کہ یہ غلام اور میں غلاموں کی گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہوں حالانکہ اگر غلام عادل ہو تو اس کی گواہی میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے شریح تیرا براہو امام المسلمین پر اس سے بھی زیادہ عظیم امور میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ (رجال ماقانی جلد ۳ حصہ ۲، صفحہ ۲۹)

یہ حدیث جناب قبر کے عظمت نفس اور جلالت قدر پر روشنی ڈالتی ہے اس لیے کہ جس کی عدالت کی گواہی امام وقت دے جسے عادل سمجھ کر امام عصر اپنے ثبوت میں پیش کرے ظاہر ہے کہ اس کی عدالت میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے۔

امور سخت کی انجام دہی قبر کے سپرد ہوتی تھی:

جناب قبر پر حضرت امیر کو اتنا وثوق و اعتماد تھا کہ جب کوئی سخت امور درپیش ہوتا تھا تو اس کے انجام دینے کے لیے آپ قبر کو بلاتے تھے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بیان کیا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میں کسی مشکل اور سخت امر کو دیکھتا ہوں تو اس کو انجام دینے کے لیے قبر کو بلاتا ہوں۔ (رجال کشی صفحہ: ۳۹)

حضرت نے یہ اس وقت بھی فرمایا تھا جب دس نصیری آپ کی خدمت میں آئے تھے آپ نے پہلے تو ان کو سمجھایا لیکن جب وہ اپنی گمراہی پر باقی رہے تو وہی شعر پڑھا جس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے کہ جب میں کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتا ہوں تو آگ روشن کرتا ہوں اور قبر کو اس کے انجام دینے کے لیے بلاتا ہوں۔ جناب قبر کو اشجع عرب و عجم امیر المومنین علی ابی طالب کی غلامی کا شرف حاصل تھا اسی سبب سے وہ جرأت و ہمت میں بھی پوری پوری شہرت رکھتے تھے۔ جب حضرت امیر جنگ صفین کے لیے روانہ ہوئے تو اپنی فوج کا علم جناب قبر کو دیا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ: ۲۲۶)

علمبرداری کا عہدہ بتاتا ہے کہ جناب قبر شجاع و بہادر تھے۔

شجاعت جناب قبر کی دلیل وہ واقعہ بھی ہے جسے مختلف طریقوں سے عام اصحاب تاریخ نے نقل کیا ہے واقعہ یہ ہوا کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دن اپنے مصاحبین سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اصحاب ابوتراب میں سے کسی شخص

کو پا جاؤں اور اسے قتل کر کے بارگاہ رب العزت میں تقرب حاصل کروں حجاج سے کہا گیا کہ سب سے زیادہ حضرت امیر کی خدمت میں ان کا غلام قنبر رہا ہے حجاج نے جناب قنبر کی تلاش کے لیے آدمی روانہ کیے جب گرفتار کر کے حجاج کے سامنے لائے گئے تو اس نے کہا تم ہی قنبر ہو انھوں نے جواب دیا ہاں! میں قنبر ہوں، حجاج نے کہا ابو ہمدان تمہاری کنیت ہے قنبر نے جواب دیا۔ ہاں! حجاج نے کہا تم ہی علی بن ابی طالب کے غلام ہو انھوں نے کہا میرا آقا و مولا خدا ہے البتہ امیر المومنین علی بن ابی طالب میرے ولی نعمت ہیں۔

حجاج: قنبر علی کے دین سے اظہار برائت و بیزاری کرو۔

قنبر: تم مجھ کو کوئی ایسا دین بتا دو جو حضرت علی کے دین سے بہتر ہو۔

حجاج: میں تم کو قتل کروں گا تم کس طرح قتل ہونا پسند کرتے ہو

قنبر: میں اسے تیرے اوپر چھوڑتا ہوں۔

حجاج: کیوں؟

قنبر: اس لیے کہ آج جس طرح تم مجھ کو قتل کرو گے روز قیامت اسی طرح میں تم کو قتل کروں گا۔ ہاں میرے آقا و مولا نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ میں بغیر کسی خطا کے ظلم و جور سے ذبح کیا جاؤں گا۔

حجاج: قنبر کو ذبح کر دو۔

اس حکم کے بعد جناب قنبر ذبح کر دیے گئے (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ: ۳۱۷)

ایک روایت میں ہے کہ حجاج نے جناب قنبر سے دریافت کیا تم کون ہو جناب قنبر نے اس کے جواب میں امیر المومنین علیؑ کے ایک سودے سے زیادہ اوصاف ذکر کرنے کے بعد آپ کا نام نامی زبان پر جاری کیا۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ جناب قنبر نے فرمایا کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے دو تلواریں سے جنگ

کی دو نیزوں سے نیزہ بازی کی دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی دو بیعتیں کیں۔ دو مرتبہ ہجرت کی اور چشم زدن بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ میں اس کا غلام ہوں جو صالح المومنین انبیاء کا وارث، اوصیاء میں سب سے بہتر مسلمانوں میں سب سے بزرگ یعسوب المومنین، نور المجاہدین، خوف خدا میں رونے والوں کا سردار، عابدوں کی زینت، گذشتہ لوگوں کا چراغ، نماز گزاروں کی روشنی، قنوت پڑھنے والوں میں سب سے افضل، زبان رسول رب العالمین، آل یاسین کا سب سے پہلا مومن ہے وہ کہ جن کی تائید جبرئیل ایسے امین اور جن کی امداد میکائیل ایسے مضبوط فرشتے سے کی گئی۔ آسمان والوں میں جس کی ثنا کی گئی ہے۔ مسلمانوں اور سبقت کر نیوالوں کا سردار ہے جو ناکشین (بیعت توڑنے والے) مارقین (بیعت سے خارج ہونے والے قاسطین (بیعت سے منکر) کا قاتل حرم اہل اسلام کا محافظ اپنے سے علی الاعلان عداوت کرنے والوں سے جہاد کرنے والا۔ دشمنی کی بھڑکتی ہوئی آگ کا بجھانے والا، سارے قریش میں سب سے بہتر زمین پر چلنے والا ہے۔ وہ کہ جس نے خدا کی خوشنودی کے لیے سب سے پہلے دعوت رسول پر لبیک کہی، وہ امیر المومنین دونوں جہان میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی کل مخلوقات پر حضرت کا امین ہے۔ جن کی جانب آپ مبعوث ہوئے ان سب پر حضرت کا خلیفہ ہے کل مسلمانوں اور سابقین کا سردار ہے مشرکین کو ہلاک کرنے والا ہے۔ منافقین کے لیے خدائی ترکش کا تیر ہے، کلمات عبادت کنندگان کی زبان ہے، ناصر دین خدا، ولی اللہ زبان حکمت اللہ، زمین پر ناصر خدا، خدائی علم کا ظرف، دین کا پشت پناہ، نیکیوں کا امام ہے، وہ جس سے خدا راضی ہے، سخی جواد، سردار جامع تمام صفات، شب بیدار، پاک و پاکیزہ و مطہر سرزمین بطحا کا ساکن، خرچ کرنے والا، جری، بہادر، صابر، بڑا روزے دار، ہدایت کرنے والا آگے

بڑھنے والا۔ (دشمنوں کی) صلب کاٹنے والا، ان کی جماعت پر اگندہ کرنے والا۔ گردن بلند کر کے دشمنوں پر مسلط ہونے والا، شرقا میں مضبوط، قوی دل، ظلم کے خلاف معاون، سخی، بہادر، سید، شجاع، شیر دل، قوی عاقل۔ پختہ ارادے کا مالک۔ صاحب عقل، محکم، تیز رفتار، اچھی اصل والا، عمدہ فضل کا مالک، اچھے قبیلہ کا دارا، پاکیزہ قبیلہ کا مالک باوقار۔ بنی ہاشم میں امانت ادا کرنے والا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا زاد بھائی۔ ہدایت کرنے والا امام۔ فساد سے دور خدا رسیدہ حاکم۔ زبردست بہادر، جنگجو شیر، مکی، دین حنیف کا پابند، مالک روحانیت، صاحب خلقِ حسن، بلندی مرتبہ میں پہاڑ کی چوٹی کی طرح، سرفرازی میں نیلے کی اعلیٰ رفعت کے مانند، عربوں کا سردار، میدان جنگ کا شیر، ارادہ کا کرگزر کرنے والا، بہادر، اقدام کرنے والا ماہ کامل مومنین کی کسوٹی مشعرین کا وارث سبطین یعنی حسن و حسین کے پدر عالی مقدار، خدا کی قسم جو سچ مچ امیر المومنین ہے جن کا نام علی بن ابی طالب ہے، ان پر پاکیزہ درود اور پر ضیاء برکتیں نازل ہوں۔

حجاج نے یہ سنتے ہی سر کاٹنے کا حکم دیا (رجال کشی صفحہ ۵۰: رجال ماتانی جلد ۲ صفحہ ۲۰: ۳۰) جناب قبر کا اس طرح ڈوب ڈوب کر حضرت کی مدح و ثنا کرتا بتاتا ہے کہ ان کو حضرت امیر علیہ السلام سے کتنی محبت والفت تھی اور کتنے عارف و مرتبہ شناس تھے اسی لیے تو حجاج ایسے ظالم و جابر کے سامنے بغیر کسی جھجک کے اس طرح حضرت کے اوصاف حمیدہ و صفات پسندیدہ کا تذکرہ کیا اور جام شہادت نوش کر لیا۔ (مقتول ۸۲ھ)

کوثر امر و ہوی:

آقا کیسا ہوگا اے کوثر جب ایسا ہے غلام
شانِ حیدر سوچتا ہوں، شانِ قبر دیکھ کر

فدوی لاہوری:

یا شاہ میں بھی مرقدِ عالی سے یوں رہوں
قبر رہے تھا جس طرح دُلْدُل سے متصل
شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی:-

روک ناسخ کو نہ اے رضواں دیرِ فردس پر
بندۂ شیرِ خدا ہے جائے گا قبر کے پاس
میر محمد سپہر لکھنوی (شاگردِ خواجہ وزیر)

قبر کے ساتھ خلد میں ہوگا وہ اے سپہر
جو یاں غلامِ حیدرِ کرار ہو گیا
علامہ اقبال:-

جانم بغلامی تو خوشتر
سر بر زدہ امِ زِ حبیبِ قبر

معنی:- میری روح آپ کی غلامی پر شاداں و فرحاں ہے اور میں آپ کے
غلامِ قبر کے نورانی دل پہ حیرت زدہ ہوں۔

نعرۂ حیدرِ نوائے بوذر است
گرچہ از خلقِ بلال و قبر است

علامہ اقبال کہتے ہیں نعرۂ حیدری دراصل بوذر نے لگایا تھا، یہی نعرۂ حیدری
(یا علی) بلال و قبر کا بھی نعرہ تھا۔

علامہ اقبال:-

جہاں سے پلتی تھی اقبالِ روحِ قبر کی
مجھے بھی ملتی ہے روزی اُسی خزینے سے

سید خورشید حسن عرف دولہا صاحبِ عروج:-

اللہ اللہ یہ غلامی علیٰ کا ہے شرف
مشکلیں حل ہو گئیں جب نامِ قبیر لے لیا

صفحہ لکھنوی:-

دیر سے پہنچے در شاہِ نجف پر ہم فقیر
ایک عہدہ تھا غلامی کا وہ قبیر لے گئے

غلامِ ساقی کوثرِ سلیمانوں سے بہتر ہے
وہ ظاہر میں تو قبیر ہے نصیب کا سکندر ہے

آغا سروش لکھنوی:-

اللہ رے غلامی حیدر کی برتری
ہے حسنِ یوسف کی خریدارِ قبیری

نادم سیتا پوری:-

احساسِ مساوات کا پیکر دے دے آقائی سے بے نیاز حیدر دے دے
اس دورِ غلامی کو مٹانے کے لئے اس عہد کو یارب کوئی قبیر دے دے

ناطقِ امر وہوی:-

کوئی سلمان نہیں ملتا کوئی بوذر نہیں ملتا
ہمیں دونوں جہاں میں ثانیِ قبیر نہیں ملتا

کلام میرا نہیں:-

ستر اونٹوں کی قطار جس کے پہلے ناتے کی مہار قبر کے ہاتھ میں تھی مولا علیؑ
کے حکم سے قبر نے ایک سائل کو بخش دی۔

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ انکسار اک روٹی دیجئے مجھے یا شیر کردگار
قبر سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار بھوکے کو جلد سیر کر اے عبد با وقار

عرض اس نے کی جناب امام کبار میں

ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

قبر سے تب یہ شیر خدا نے کیے کلام وہ اونٹ کو تو اس کے حوالے مع طعام
عرض اس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام

فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں

دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

قبر نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار اور دُور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار
پوچھا سب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار حضرت کا بحر جود و سخاوت ہے بے کنار

ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں

مجھ کو نہ بخش دیجئے کہیں قطار میں

میرا نہیں:-

پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس

قبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

جناب مالک اشتر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے، آپ کا نام مالک، لقب اشتر اور باپ کا نام حارث غنی تھا۔ آپ کو حضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر و عظیم المرتبت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سنی تو فرمایا ”وہ میرے اپنے خون سے ہی تھے جیسا میں حضرت رسولؐ خدا کے لیے تھا“۔ یہ بھی فرمایا

رحم الله مالكا وما مالک عز علی به هالکا لو کان صغرا
لکان صلدا ولو کان جبلا لکان فندا وکانه قدنی قدا

”خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لیے بہت شاق ہے۔ وہ اگر شجاعت یا حقیقت اور دنیا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے بڑے اونچے پہاڑ تھے۔ ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی“ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصہ لے رہے تھے۔ جب انھوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا ”اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہرا رہ کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر

میری نظر ہے اب دیکھ کیسا مزہ چکھاتا ہوں، ذرا مردوں کا وار بھی دیکھ لے۔ یہ کہہ کر نیزہ لیے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کیا۔ دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے آخر مالک اشتر نے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آ رہے۔ مالک اشتر بھی فوراً گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔ اُس روز آپ روزے سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگِ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔

جنگِ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل پھرے ہوئے شیر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔ جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا ”میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معاویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علیؑ والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جنگِ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازارِ موت ایسا گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک

اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزے لیے ہوئے شیرِ ثیاں کی طرح حملہ کرتے اور مینہ و میسرہ کوا لٹتے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معاویہ کے لشکر کو شکستِ عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص نے قرانوں کو نیزوں پر نصب کرا دیا۔ جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکہ کھا گئی اور حضرت کو مجبور کیا کہ اب جنگ روک دیجئے۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالکِ اشتر کو بھی بلا لیجئے۔ مالک اُس وقت بڑی تاک میں تھے، دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اٹھای چاہتے ہیں۔ اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہنچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خاریجیوں نے حضرتؑ کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیں ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموں و محزون واپس آئے۔ پھر جب معاویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرتؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انھیں مالکِ اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مالکِ اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل و بے نظیر نہیں تھے بلکہ عقل و فہم اور سیاست و تدبیر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلے میں آپ ہی کا انتخاب کیا اور اگر حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ معاویہ نے ۳۸ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اُس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو

عمر و عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرت نے مالک اشتر کو جو اس وقت حاکم جزیرہ تھے نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔ جب معاویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لیے روز بد دعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا خراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزے سے تھے۔ اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔ معاویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا اور خطبے میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے، اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے کیونکہ عمار یا سر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴)

مگر حضرت علیؑ نے سنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس وہ راستے ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔ مالک اشتر جس طرح کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیورِ حلم و زہد و فقر و دُور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لیے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر

تمہارے لیے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت فصاحت، بلاغت میں بھی کیٹا تھے۔ غرض آپ مجموعہ کمالات تھے اور حضرت امیر المومنین کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہو گیا تھا۔

مالک بن حارث اشتر نخعی

انسان گوشت پوست اور چند ہڈیوں کا مجموعہ ہے اگر اس میں جوہر انسانیت کے چمکدار ذرے موجود ہیں تو اس قابل ہے کہ اسے سرتاج بنایا جائے لیکن اگر اس کا نفس اس جوہر سے خالی ہے تو جانوروں سے بدتر، تاریخ بنی آدم کے ہر دور میں وہی لوگ باعث افتخار رہے جن میں شرافت و نجابت و مکارم اخلاق کے اعلیٰ اقدار پائے گئے لیکن جن افراد بشر کا دامن ان جوہر پاروں سے خالی رہا وہ خس و خاشاک کی طرح نمودار ہو کر فنا ہو گئے۔

عہد سردارِ دو جہاں پیغمبر اسلام سے قبل بھی یہی معیار تھا اور حضرت کے زمانہ رسالت سے اب تک اور اب سے قیامت تک کے لئے قرآن یہ معیار بنا کر پیش کر چکا ہے کہ:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک سب سے گرامی و بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ ہم جن بزرگ کے حالات زندگی قلم بند کر رہے ہیں امام علیؑ کی مدح و ثنا بتاتی ہے کہ انھیں افراد میں شامل ہیں۔ ہماری مراد جناب مالک بن حارث اشتر نخعی سے ہے ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے۔

مالک بن حارث بن عبد یغوث بن مسلمہ بن ربیعہ بن خزیمہ بن معد بن مالک بن النخع بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک بن اعمور۔ علامہ ابن ابی الحدید

شرح نہج البلاغہ ۳ صفحہ ۴۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مالک شجاع و بہادر ریکس تھے عظیم ترین شیعوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی محبت میں ثابت قدم اور پختہ تھے۔ حضرت کے زبردست ناصر و معین و مددگار تھے۔ حضرت نے ان کی شہادت کے بعد ارشاد فرمایا۔

رحم اللہ مالکاً فلقد کان
لی کما کنتم لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ والہ وسلم
علامہ ابن ابی الحدید نے حضرت کا جو قول نقل کیا ہے اس سے جناب مالک کی عظمت نفس، صفائے باطن، صدق و وفاداری پر تیز روشنی پڑتی ہے اس لئے کہ حضرت امیر ہر لڑائی میں پیغمبر اسلام کے سینہ سپر رہے جناب مالک کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت امیرؑ میں حضرت کے مطیع و فرماں بردار تھے جناب مالک بھی اسی طرح حضرت امیرؑ کے مطیع و فرماں بردار تھے۔

یہ واقعہ ہے کہ جناب مالک بن حارث نخعی بزرگ ترین اصحاب امیر المومنینؑ میں داخل تھے۔ حضرت کے بڑے فدائی و عاشق و شیدا تھے انھوں نے آپ کی الفت کا جو جام پیا تھا اس نے آخر وقت تک اسی نشہ میں سرشار رکھا۔ حضرت کے ساتھ آپ کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور اس طرح دادِ شجاعت و مردانگی دی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

جناب مالک عرب کے قبیلہ نخع سے تعلق رکھتے تھے یہ قبیلہ زمانہ جاہلیت میں بھی عرب کے شجاع ترین قبائل میں داخل تھا۔

جناب مالک کا لقب اشتر تھا اس لقب سے ملقب اس لئے ہوئے کہ کسی جنگ میں ان کی آنکھ کی پلک پلٹ گئی تھی لغت میں جس کے نیچے کی پلک پلٹ جائے

اس کو اشتر کہتے ہیں۔

جناب مالک بہترین تابعی تھے۔ زہد و درع و تقویٰ میں مشہور زمانہ و معروف روزگار تھے۔ بہترین خطیب اور نکتہ رس شاعر بھی تھے۔

فضائل و محامد:

کسی شخص کی عظمت و بزرگی کے لئے یہ امر کافی ہے کہ نبی یا امام اپنی زبان حق ترجمان سے اس کے مدح و ثنا کے کلمات جاری فرمادیں خواہ ایک ہی کلمہ زبان پر آیا ہو۔ چنانچہ علماء رجال اصحاب ائمہ علیہم السلام کے حالات میں اس نکتہ پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں۔ جناب مالک بھی ان افراد میں داخل ہیں جن کی مدح و ثنا امام زمانہؑ نے کی ہے۔ آپ کے عصر کے امام حضرت امیر صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ ہیں حضرت نے جن الفاظ میں جناب مالک کی مدح و ثنا کی ہے وہ ان کے لئے سرمایہ صد افتخار ہے۔ حضرت نے دوسرے دارالین لشکر کو تحریر کیا جب مالک کو ان پر حاکم بنا کر روانہ کیا حضرت اس میں ارشاد فرماتے ہیں:

”میں نے تم دونوں پر اور جو لوگ تمہارے سرداری میں ہیں ان پر مالک بن حارث اشتر کو حاکم بنا کر بھیجا ہے تم لوگ ان کے مطیع و فرمان بردار رہو اور ان کو اپنی زرہ اور سپر قرار دو اس لئے کہ یہ وہ ہیں جن کی کمزوری اور غلطی کا خوف نہیں کیا جاتا نہ یہ وہاں تاخیر کریں گے جہاں جلدی کرنا مناسب ہے نہ وہاں جلدی کریں گے جہاں تاخیر زیادہ مناسب و بہتر ہے۔ (نچ البلاغ صفحہ: ۱۵)

عصمت تو منصوص من اللہ چیز ہے اس لئے ہم جناب مالک کو معصوم تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ ارشاد بتاتا ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ ضرور ہو گئے تھے۔

جب مالک کو مصر کی حکومت سپرد کی اور کوفہ سے روانہ کیا تو اہل مصر کے نام ایک نوشتہ تحریر فرمایا اس صحیفہ میں جناب مالک کے بارے میں ہے کہ:

بعد حمد و ثنا کے معلوم ہو کہ میں نے تم لوگوں کے پاس بندگان خدا میں سے ایک ایسے شخص کو روانہ کیا ہے جو خوف کے دنوں میں نہیں سوتا ہے خوف کے مقامات میں دشمنوں سے منہ نہیں پھراتا ہے شعلہ آتش سے زیادہ بدکاروں پر سخت ہے وہ قبیلہ مذحج کی فرد مالک بن حارث ہیں تم لوگ ان کے مطیع و فرمان برداران امور میں رہنا جو مطابق حق ہوں اس لئے کہ یہ خدا کی تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار ہیں جس کی باڑھ کند نہیں ہوتی نہ چوٹ سے اچٹ جاتی ہے اگر یہ حکم دیں کہ چلو تو چلتا اور اگر یہ حکم دیں کہ قیام کرو تو قیام کرنا اس لیے کہ یہ اقدام اور حملہ نہیں کرتے اور نہ پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں مگر مرے حکم سے میں نے اپنے نفس پر ایثار کر کے تمہارے نصیحت و بھلائی اور دشمن پر سخت ہونے کے سبب سے ان کو تمہارے یہاں روانہ کیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید ۴ صفحہ ۵۸ مدح و ثنا سے مالک اشتر میں حضرت کے یہ الفاظ نہایت اہم ہیں اور جناب مالک اشتر کی عظمت و جلالت پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جس کے لیے وہ فرمادیں جو اوپر گزر چکا اس کی بام عظمت تک طائر و ہم و خیال پہنچ ہی نہیں سکتا ہے۔ حضرت کے اس ارشاد و گرامی پر جناب مالک اشتر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ (نج البلاغہ، جلد ۲، صفحہ ۶۰)

نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں جناب صعصعہ کے حالات میں انھیں کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت امیرؑ نے جب جناب مالک کو مصر کی صوبہ داری عطا کی تو یہ فرمان آپ کے ساتھ روانہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد حمد و ثنا کے معلوم ہو کہ میں نے بندگان خدا میں سے ایسے بندے کو تمہارے پاس بھیجا ہے جو خوف کے زمانے میں سوتا نہیں ہے نہ لڑائیوں کے سخت ترین چکرا سے پلٹتے ہیں آگے بڑھنے سے قدم نہیں ہٹاتا نہ کبھی ارادے میں کمزوری

پیدا کرتا ہے بندگانِ خدا میں سب سے سخت حملہ آور ہے حسب میں سب سے بہتر ہے آگ کے شعلے سے زیادہ کفار کے حملوں پر صبر کرتا ہے لوگوں میں برائی اور نجاست سے زیادہ دور ہے۔

وہ قبیلہ مذحج کی فردا ملک بن حارث ہے نہ ان کی چوٹ اچنتی ہے نہ باڑھ کند ہوتی ہے جنگ کے فنون کو جانتا ہے بہترین جنگ جو ہے میدانِ جنگ میں بر محل اترتا ہے۔ شدائدِ جنگ پر اچھا صبر کرتا ہے تم لوگ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو جب وہ حکم دے کہ حملہ آور ہو تو حملہ کرو اگر قیام کا حکم دے تو قیام کرو اس لیے کہ جب بھی اقدام کرتا ہے یا رکتا ہے تو میرے ہی حکم سے تمہاری بھلائی تمہارے دشمن پر بہت سخت ہونے کے سبب سے میں نے ایثار کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ صفحہ: ۱۲۱۔

اس نوشتہ گرامی سے مالک کی عظمت و جلالت و شجاعت و بہادری ظاہر ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ مالکِ اشتر کو امیر المومنین علیؑ کس نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت کی ان دونوں عبارتوں اور انداز و روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کلام ایک ہی ہیں راویوں کے حافظے کی کمی یا ناقصین حدیث کے تصرف سے ان دونوں میں فرق پیدا ہو گیا ہے لیکن جناب علامہ الشہید قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین ان دونوں کلاموں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مالکِ اشتر کے بارے میں حضرت کی یہ دو عبارتیں حقیقت میں حضرت کے دو خطوط ہیں جنہیں آپ نے اہل مصر کو تحریر فرمایا تھا۔ جناب شہید کا یہ ارشاد گرامی قرین قیاس بھی ہے۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی حضرت علیؑ کے اس کلام کی شرح میں وقد امرت علیکم بالفتح جلد، ۳ صفحہ: ۴۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ۔

امیر المومنین علیؑ نے اپنے اس خط میں مالک کی جو مدح و ثنا کی ہے اپنے اختصار کے بعد بھی ایسی بہترین تحریر ہے کہ طولانی کلام کے ذریعہ بھی ایسی مدح نہیں کی جاسکتی۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جناب مالک اشترؓ تھے بھی ایسے ہی۔ مالک اشترؓ بڑے شجاع سنی، رئیس حلیم، فصیح اور شاعر تھے، مالک اشترؓ میں نرمی اور سختی جمع تھی وہ حملے کے محل پر حملہ کرتے تھے اور نرمی کی جگہ پر نرمی کرتے تھے۔

علامہ بن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۴۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ۔
محدثین نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں مالک اشترؓ کی فضیلت عظیم و جلیل پر روشنی پڑتی ہے وہ روایت اس امر کی قطعی گواہ ہے کہ جناب مالک اشترؓ مومن (کامل) تھے اس روایت کو ابو عمر وابن عبد اللہ نے کتاب استیعاب کے حرف باب جناب میں نقل کیا ہے۔

ابو عمر و کہتے ہیں کہ جب مقام ربذہ میں جناب ابوذرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی زوجہ اُمّ ذر نے رونا شروع کیا۔ جناب ابوذرؓ نے زوجہ سے کہا تمہارے رونے کا کیا سبب ہے تو انھوں نے جواب دیا کیونکہ نہ روؤں اس لیے کہ آپ کی وفات صحرائے بے آب و گیاہ میں ہو رہی ہے اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں ہے کہ کفن دے سکوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ آپ کے تجہیز و تکفین ہی کا انتظام کر سکوں جناب ابوذرؓ نے کہا چپ رہو گر یہ نہ کرو تم کو بشارت ہو کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دو مسلمان مرد وزن کے جب دو یا تین بچے انتقال کر جاتے ہیں اور وہ صبر کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے اور میرے تو تین لڑکے انتقال کر چکے ہیں۔

میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرما رہے تھے جن میں میں بھی موجود تھا کہ تم لوگوں میں سے ایک شخص صحرائے بے آب و گیاہ میں انتقال کرے گا جس کے جنازے میں مومنین کی ایک جماعت شرکت کرے گی۔ اے اُمّ ذر حضرت نے جن لوگوں سے یہ فرمایا تھا سوائے میرے ان میں سے ہر شخص نے کسی آبادی اور لوگوں کی موجودگی میں انتقال کیا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ شخص میں ہوں خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے اس لیے تم جاؤ ذرا راستے کو دیکھو تو (کوئی آتو نہیں رہا ہے)۔

اُمّ ذر: اب ادھر سے کون گزرے گا حاجی جا چکے ہیں راستہ چلنا بند ہو گیا ہے۔
جناب ابو ذر: تم جا کر ذرا دیکھو تو

اُمّ ذر: میں ایک ٹیلہ پر جلدی جلدی جاتی تھی اور دیکھ کر واپس آ جاتی تھی اور شوہر کی تیمارداری میں مشغول ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں ابھی اسی حالت پر باقی تھے کہ کچھ لوگ اونٹوں پر سوار وہاں آتے ہوئے نظر آئے جو گورے چٹے ہونے کے سبب سے سنگ مرمر معلوم ہوتے تھے جن کی سواریاں ان کو لیے ہوئے تیزی سے دوڑتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ لوگ جلدی سے ہمارے پاس آئے اور مجھ سے دریافت کیا۔

اہل قافلہ: اے کبیر خدا کیا بات ہے (تو اس صحرا میں تنہا کیونکر موجود ہے)
اُمّ ذر: یہاں پر ایک مسلمان حالت احتضار میں ہے کیا تم اس کے کفن کا انتظام کرو گے۔

اہل قافلہ: وہ کون سے بزرگ ہیں۔

اُمّ ذر: ان کا نام ابو ذر ہے۔

اہل قافلہ: کیا وہ ابوذر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔

اُمّ ذر: جی ہاں وہی ابوذر

اہل قافلہ: ان پر تو ہمارے ماں باپ فدا ہو جائیں یہ کہتے ہوئے جلدی

جلدی جناب ابوذر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب ابوذر نے ان لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تم سب کو بشارت ہو اس لیے

کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اصحاب کی ایک

جماعت سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جن میں میں بھی موجود تھا۔ تم لوگوں میں

سے ایک شخص صحرائے بے آب و گیاہ میں انتقال کرے گا جس کے جنازے میں

مومنین کی ایک جماعت موجود ہوگی۔ سرور عالم نے جن لوگوں سے یہ فرمایا تھا

سوائے میرے ان میں سے ہر شخص نے آبادی اور لوگوں کی موجودگی میں انتقال

کیا ہے۔ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے۔

اگر میرے یا میری زوجہ کے پاس اتنا کپڑا موجود ہوتا جو میرے کفن کے لیے

کافی ہوتا تو مجھے میرے یا میری زوجہ ہی کے اس کپڑے میں کفن دیا جاتا۔ (مگر

افسوس کہ ہم دونوں کے پاس اتنا کپڑا بھی موجود نہیں ہے) میں تم کو یہ بھی قسم دیتا

ہوں کہ میرا کفن وہ نہ دے جو کبھی حاکم رہا ہو یا شناخت کی خدمت (حکومت کی

طرف) اس کے سپرد رہی ہو یا قاصد کا کام کرتا ہو یا اپنی قوم میں نقیب رہا ہو۔ اُمّ ذر

کہتی ہیں اس قافلہ میں سے ہر فرد ان امور سے کسی امر پر ضرور مامور رہا تھا بس

انصار میں سے ایک نوجوان تھا جن میں ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی

جاتی تھی اس نے عرض کیا اے چچا میں آپ کو کفن دوں گا۔ میری یہ چادر اور

میرے ساتھ دو اور کپڑے ہیں جس کو میری ماں نے سوت کات کے تیار کیا ہے

جناب ابوذر نے فرمایا ہاں تم ہی مجھے کفن دینا یہ کہا اور جناب ابوذر کی روح گلشن

جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے ان سب نے غسل دیا اور نوجوان انصاری نے کفن پہنایا سب نے وہیں جناب ابوذر کو نماز پڑھ کے دفن کر دیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔

ابو عمرو بن عبد اللہ نے اس روایت سے پہلے باب جندب کے ابتداء میں روایت کی ہے کہ مومنین کی وہ جماعت جس نے مقام ربذہ میں جناب ابوذر کو دفن کیا ہے ان میں جناب حجر بن ادبہر اور مالک بن اشتر بھی تھے۔

حجر بن ادبہر حجر بن عدی ہیں جن کو معاویہ نے قتل کیا یہ شیعوں کے زبردست علماء اور بزرگوں میں داخل تھے۔ لیکن جناب اشتر کو شیعوں میں اس سے زیادہ شہرت حاصل ہے جو شہرت ابو الہذیل علاف کو معتزلہ میں حاصل تھی علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں کتاب استیعاب ہمارے شیخ و استاد عبد الوہاب بن سکینہ محدث کے سامنے پڑھی گئی جب پڑھنے والا اس خبر تک پہنچا تو میرے استاد اور عمر بن عبد اللہ دبای جن کے ساتھ میں سماعت حدیث کیلئے حاضر ہوا کرتا تھا فرمایا کہ۔

اس واقعہ کے بعد شیعہ جو چاہیں کہیں اس لیے کہ (علامہ سید) مرتضیٰ اور (علامہ شیخ) مفید بھی وہی باتیں کہا کرتے تھے جو اعتقاد حجر اور اشتر ثالث اور ان سے قبل کے خلفاء کے بارے میں رکھتے تھے یہ سنتے ہی شیخ نے اشارہ کیا کہ خاموش رہو وہ چپ ہو گئے۔

عبد الوہاب بن سکینہ نے عمر بن عبد اللہ دبای کو حق بات کہنے سے منع کر دیا اور سکوت کا حکم دیا لیکن عروس حقیقت کے چہرے کی نقاب ہٹ گئی اور حقانیت مذہب علامہ سید مرتضیٰ و علامہ شیخ مفید لوگوں کے سامنے آ ہی گئی۔ ان دونوں گرامی قدر علماء کا مذہب و مسلک وہ ہے جس پر فرقہ اشاعریہ کے لوگ گامزن ہیں۔

جناب مالک اشتر کی عظمت و جلالت کو حضرت علی کا وہ خط بھی ظاہر کرتا ہے جسے حاکم نصیبین ہونے کی حالت میں ان کو تحریر کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب مصر سے محمد بن ابی بکر کے خلاف عثمانیوں کی فتنہ پردازی کی خبریں آنے لگیں تو آپ نے چاہا کہ مصر کی حکومت جناب مالک کو سپرد کریں اس لیے مالک کو ایک خط تحریر فرمایا اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما بعد فانك ممن استظهر حمد و صلوة کے بعد معلوم ہو کہ تم ان
 به علی افامت الدین واقع لوگوں میں سے ہو کہ جس سے دین قائم
 کرنے میں مدد چاہتا ہوں اور گنہگاروں کے
 به نخوة الاثیم واسد به تکبر کو دور کرتا ہوں اور خوفناک سرحد کی حفاظت
 الشجر المخوف کرتا ہوں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۲۹)

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ کاش تم لوگوں میں مالک اشتر ایسے دو آدمی
 ہوتے کاش تم لوگوں میں مالک ایسا ایک آدمی ہوتا۔ مالک اشتر میرے دشمنوں کو
 اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے میں دیکھتا ہوں طبری جلد ۶، صفحہ ۳۳ جناب
 مالک اشتر کی عظمت کا ثبوت اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔

شجاعت و دلیری حضرت مالک اشتر

فانه سيف من سيوف الله لا كليل الظبه ولا نأبي الضربه
 حضرت امیر المومنین کے اس ارشاد کے بعد کہ مالک اللہ کی تلواروں میں سے
 ایک تلوار ہیں نہ اس کی باڑھ کند ہے نہ مضروب سے اچٹ جاتی ہے۔
 شجاعت جناب مالک اشتر کے بارے میں کوئی کیا تحریر کر سکتا ہے۔

حضرت علی نے ایک خط میں مالک اشتر کی شجاعت کی تعریف کی ہے جس کو
 آپ نے دو افسران فوج کی تحریر فرمایا تھا ہم اسے جناب مالک اشتر کے بیان

عظمت جلالت میں نقل بھی کر چکے ہیں اس میں حضرت کا یہ ارشاد کہ ”تم دونوں مالک اشتر کو اپنی زرہ قرار دو اس لیے کہ ان کی کمزوری اور غلطی کا خوف نہیں کیا جاتا جو محل جس کا ہوتا ہے اس کے مطابق کام کرتے ہیں جو عین شجاعت ہے۔

لیکن کسی شجاع کی شجاعت کا جو ہر میدان حرب و ضرب میں کھلتے ہیں جب چمکتی تلواریں لپکتے نیزے سنسناتے تیر آزمودہ کار سپاہیوں کے پیر میدان جنگ سے اکھڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی وہاں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمار ہے کچھ ہو جائے میدان سے قدم نہ اٹھائے۔ جو بہادر مقابل میں آئے اسے زیر کر دے تو حقیقتاً ایسا شخص شجاع و بہادر ہے جناب مالک اشتر ایسے ہی شجاع و بہادر تھے۔ میدان جنگ میں ان کی شجاعت و مردانگی ایسی ہی تھی۔ بقول ابن ابی الحدید غضب کارن پڑ رہا تھا ایک شخص اپنے ساتھی سے میدان جنگ میں کہتا تھا۔ ”یہ کیسا مرد ہے کاش اس کی نیت خالص ہوتی۔“

اس کے ساتھی نے اسے جواب دیا۔

”تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اس سے بڑھ کر اور کون سی سچی اور خالص و عظیم نیت ہو سکتی ہے کہ تم نے دیکھا کہ یہ شخص (مالک) خون میں تیر چکا ہے لیکن پھر بھی لڑائی نے اسے تھکایا اور مضحمل نہیں کیا ہے۔ گرمی کی شدت نے لوگوں کے سر پکا دیئے ہیں اور دل کھنچ کر گلے تک آگئے ہیں لیکن پھر بھی تم دیکھ رہے ہو وہ (مالک) گڑگڑا کر یہ کہتے جاتے ہیں۔

”پالنے والے اس کے بعد اب مجھے زندہ نہ رکھتا۔“

میں نے کہا۔ خدا اس کا بھلا کرے جس نے مالک اشتر کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سوائے مالک اشتر کے استاد (علی علیہ السلام) عرب و عجم میں مالک اشتر سے زیادہ کوئی شجاع و بہادر نہیں ہے تو مجھے اس کے گنہگار ہونے کا

خوف نہیں ہے۔

ایک شخص سے مالک اشتر کے لیے سوال کیا گیا تو اس نے کیا جواب بات کہی ہے کہ۔

”میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی زندگی نے اہل شام کو شکست دی اور جس کی موت نے اہل عراق کو شکست دی مالک اشتر کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے سچ کہا تھا کہ میرے ناصر و مددگار مالک اشتر اسی طرح تھے جس طرح میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کا مددگار تھا۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۸۵)

جناب مالک اشتر کی شجاعت بہادری کا یہ عالم تھا کہ ان کی موجودگی امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کی تقویت و ثبات قدم کا سبب تھا جیسا کہ علامہ ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ جلد ۲، صفحہ ۷۵ پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت اشتر کے ذریعہ سے دشمنوں پر حملہ کرتے تھے اور حضرت کی فوجوں میں جناب اشتر کی موجودگی فوجوں کی تقویت کا سبب ہوتی تھی۔

اب تک جو کچھ ہم نے تحریر کیا وہ ان کے شجاع ترین مردم ہونے کے بارے میں تھا لیکن کہاں کہاں اور کن کن مقامات پر انھوں نے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور کہاں کہاں ان کی شمشیر آبدار نے آزمودہ کار بہادروں کے چٹکے چھڑا دیئے اگر ان سب کو تفصیل سے تحریر کیا جائے تو دیگر شہدا کے حالات رہ جائیں گے اس لیے ہم یہاں بہت اختصار سے مالک اشتر کی عدیم المثال مردانگی کے چند واقعات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ جناب مالک اشتر کو اپنی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرنے کی اس وقت بھی ضرورت محسوس ہوئی جب سعید بن عاص گورنر کوفہ تھا اس نے کوفے کی ایک

جماعت کو منتخب کیا تھا جن کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کیا کرتا تھا جن میں جناب مالک اشتر بھی شامل تھے ایک دن سعید نے ان لوگوں کے سامنے ذکر کیا کہ سواد (عراق) قریش اور بنی امیہ باغات ہیں۔ جناب مالک اشتر نخعی نے کہا کہ تمہارا گمان ہے کہ سواد (عراق) جو خداوند عالم نے مسلمانوں کو بطور مال غنیمت عطا کیا ہے اور ہماری تلواروں نے جسے فتح کیا ہے تیرے اور تیری قوم کے باغات ہیں (تیرا یہ خیال غلط ہے) پولیس کے افسر نے نہایت سختی سے جناب مالک اشتر کی رد میں کہا کہ تم گورنری کی بات کو رد کرتے ہو یہ سنا تھا جناب اشتر نے اس جگہ قبیلہ نخع اور دیگر اشراف کو فہ جو موجود تھے ان سے کہا تم اس (افسر شرط) کی باتیں سن رہے ہو بس جناب مالک کا یہ کہنا تھا کہ وہ سب کے سب افسر شرطہ پر ٹوٹ پڑے اور سعید کے سامنے اچھی طرح سے اسے کچل کر رکھ دیا اور پیر پکڑ کر اسے گھسیٹ کر دور پھینک دیا۔ سعید کو اپنے دربار میں ان لوگوں کی جرأت بہت گراں گزری مگر چپ رہا اور دربار برخواست کر دیا اور اس کے بعد پھر اس نشست میں آنے کی کسی کو اجازت نہیں دی۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۵۹)

یہ واقعہ جناب مالک کی جرأت و ہمت کا ایک نمونہ ہے اور بتاتا ہے کہ مالک کی حق پسند طبیعت بڑے بڑے امیر کی غلط ذکر کیا تھا جو یقیناً قرآن مجید اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مخالف ہے مالک اشتر نے فوراً اسے رو کر دیا اور ان کے کو تو ال نے جب اس پر ٹوکا تو اسی وقت اس کی اچھی طرح مرمت کر دی۔

اس واقعے کے بعد سعید نے خلیفہ وقت کو ان لوگوں کی شکایت لکھی اس نے معاویہ کے پاس بھیجوا دیا جن میں جناب مالک اشتر، مالک بن کعب ارجی،

اسود بن یزید نخعی، علقمہ بن قیس نخعی، مصعبہ ابن صوحان عبدی اور دیگر افراد داخل تھے وہاں معاویہ اور ان لوگوں میں متعدد بار گفتگو ہوئی پھر اس نے خلیفہ کو ان کی شکایت لکھی اور لکھا کہ ان کے دل کج و تار یک ہو گئے ہیں خلیفہ وقت نے ان سب کو وہاں سے واپس بلا کر امیر حمص عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دیا عبدالرحمن نے ان لوگوں کی بڑی توہین و تذلیل کی لیکن چونکہ ان مقامات پر صرف اس اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ شجاع کبھی نہتے پر حملہ آور نہیں ہوتا ہے اس کی رگِ حمیت گوارا نہیں کرتی ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں ہے اس پر حملہ کروں۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے اپنا مقابل سمجھوں جو میرے مانند اسلحہ جنگ سے آراستہ نہ ہو۔ جناب مالک اشتر میں یہ وصف پایا جاتا تھا اس لیے کہ جب حضرت عثمان کے مہاجرین و انصار و اطراف و جوانب مملکت اسلامیہ کے افراد کو شکایات پیدا ہوئیں اور ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا اور لوگ ان کے قتل پر آمادہ ہوئے تو ان میں جناب مالک اشتر بھی تھے علامہ قاضی سید نور اللہ شوستری فرماتے ہیں کہ آخر مالک اشتر نے بڑھ کر عہدِ مسیسر بن عوف السہان کو قتل کر کے قتل عثمان کا ارادہ کیا لیکن جب نزدیک پہنچے تو ان کو تنہا پایا اور ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ دیکھا مالک اشتر کو شرم معلوم ہوئی ایک نہتے شخص کو قتل کروں لہذا واپس چلے آئے۔

(موقف المومنین ترجمہ مجالس المومنین جلد ۱، صفحہ: ۴۱۳)

۳۔ جنگِ جمل میں جناب مالک اشتر حضرت امیر علیہ السلام کے ہم رکاب تھے اس جنگ میں انھوں نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے بہادروں کے جگر آب ہو گئے۔ عمرو بن یثری اُمّ المومنین عائشہ کا مشہور و نامور بہادر سردار تھا اس سے اس کے ایک ساتھی نے کہا کہ مجھے حضرت علیؑ کے لشکر میں

تمہارے بارے میں سوائے مالک اشتر کے کسی سے خوف نہیں ہے۔ عمرو بن یثری نے کہا میں بھی مالک ہی سے ڈرتا ہوں۔ (شرح ابن ابی اللہ جلد ۱ صفحہ: ۸۶)

انشاء جنگ میں جناب مالک اشتر اور عدی بن حاتم طائی اُمّ المومنین کے اونٹ کے پاس پہنچ گئے اور جو شخص اونٹ کی مہار پکڑتا تھا اسے قتل کر دیتے تھے۔

عباد بن عبد اللہ بن زبیر اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ عبد اللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ میں جنگ جمل میں چل پھر رہا تھا اور اس وقت میرے جسم پر نیزہ و شمشیر کے زخم موجود تھے ہم نے جمل کی لڑائی کی طرح کوئی لڑائی دیکھی ہی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص ثابت قدم تھا اور اپنی جگہ سے ہٹا نہیں تھا ہم کالے پہاڑ کی طرح میدان میں جمع ہوئے تھے لیکن ہم میں سے جو بھی اُمّ المومنین کے اونٹ کی مہار پکڑتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا چنانچہ عبد الرحمن بن عتاب نے مہار ہاتھ میں لی اور قتل کر دیا گیا اسود بن ابی طبری نے مہار ہاتھ میں لی اور انھیں زمین پر بچھاڑ دیا گیا تو میں نے بڑھ کر اونٹ کی مہار پکڑ لی اُمّ المومنین نے کہا تم کون ہو میں نے کہا عبد اللہ بن زبیر یہ سن کر وہ کہنے لگیں ہائے افسوس اسماء پر جو اپنے بیٹے پر روئے گی اسی اثنا میں مالک اشتر میری طرف گزرے میں ان سے لپٹ گیا ہم دونوں زمین پر گر پڑے میں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا مجھے اور مالک کو قتل کر دو اسی اثنا میں دونوں طرف کے لوگ آگئے اور ہم کو چھڑا دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ: ۲۱۰)

لیکن اسی کتاب میں جلد ۵ صفحہ: ۲۱۱ پر علقمہ اور جناب مالک اشتر کی گفتگو تحریر ہے کہ جناب مالک اشتر کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر ہی نے اُمّ المومنین کو خروج پر آمادہ کیا اس لیے میں خدا سے دعا کیا کرتا تھا کہ اس سے مجھے ملادے ایک مرتبہ وہ میرے مقابلہ میں آ ہی گیا میں نے صرف اپنے قوت بازو ہی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اپنی سواری پر کھڑے ہو کر زور سے نیزہ مار کر عبد اللہ ابن زبیر